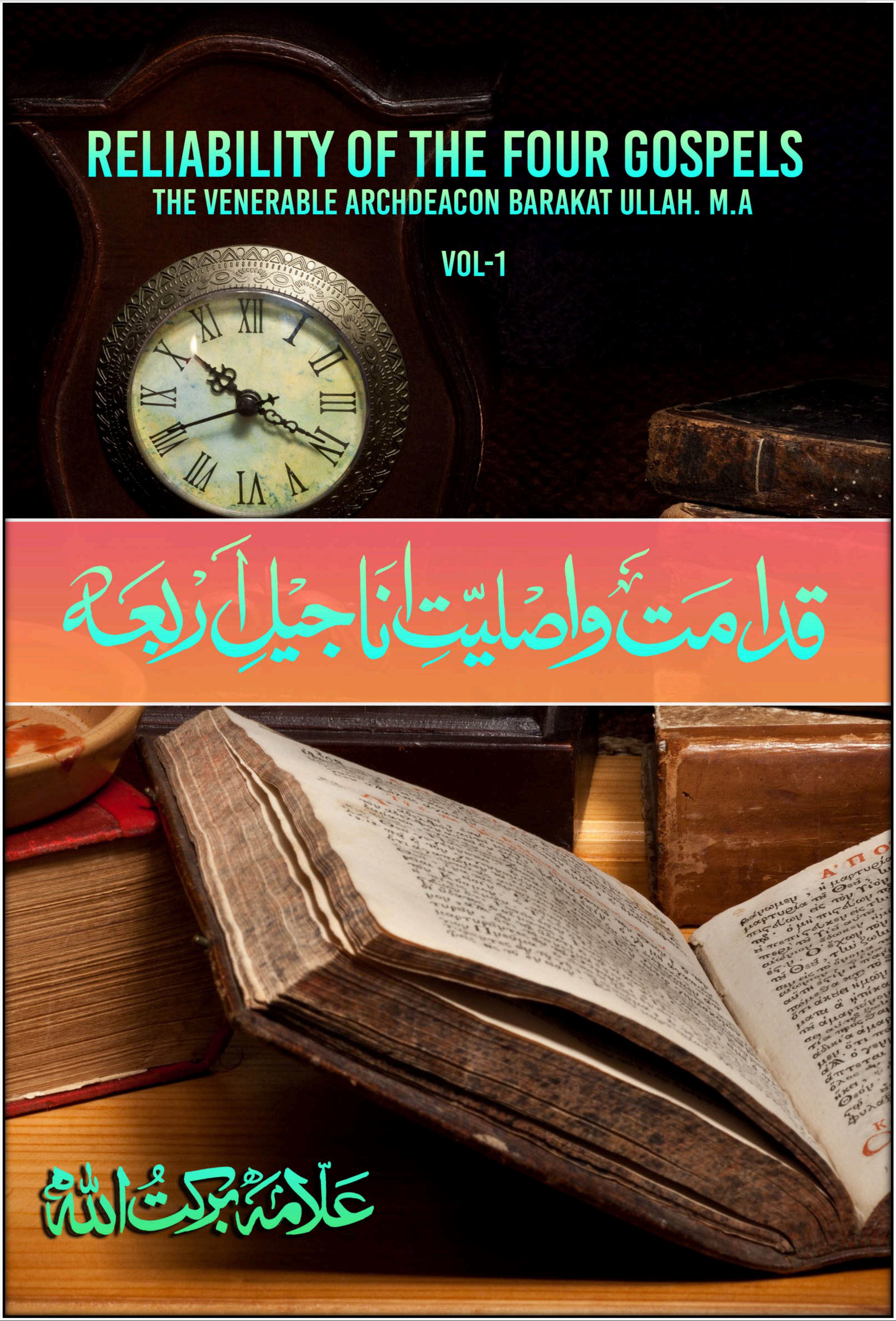
RELIABILITY OF THE FOUR GOSPELS
THE VENERABLE ARCHDEACON BARAKAT ULLAH. M.A
VOL-1
قدامت واصلیت اناجیلِ اربعہ
علامہ برکت اللہ

Reliability of the Four Gospels

Vol. 1

By

The Venerable Archdeacon Barakat Ullah. M.A

قدامت واصلیتِ اناجیل اربعہ

جلد اوّل

علامہ برکت اللہ صاحب ایم۔اے

پنجاب ریلجس بک سوسائٹی

انارکلی۔ لاہور

۱۹۵۹ء

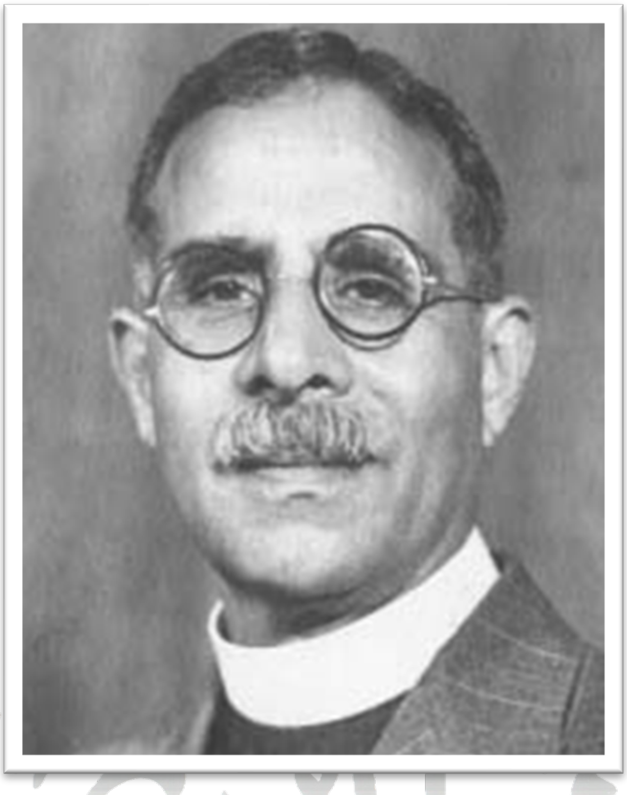

The Venerable Archdeacon Barakat Ullah. M.A
1891-1972

علامہ برکت اللہ

تمام طالبانِ حق کے نام

جو

تلاشِ حق میں سر گرداں ہیں

"راہ، حق اور زندگی میں ہوں"۔(قول المسیح)

"بطلبید کہ خواہید یافت۔ زیرا کسیکہ طلبد می یابد'۔

(انجیلِ اوّل ۷/۷)

فہرستِ مضامین

بنام

دیباچہ

حصہ اوّل۔ دورِ اولین

باب اوّل۔ گواہوں کے بادل

باب دوم۔ مسیحی کلیسیا کا آغاز اور انجیلِ جلیل کی اشاعت

باب سوم۔ اناجیلِ اربعہ کا پس منظر

باب چہارم۔ چشم دید گواہوں کے زبانی اور تحریری بیانات

فصل اوّل۔ زبانی بیانات کے نظریہ کی تنقید

فصل دوم۔ سیدنا مسیح کی آمدِ ثانی کا انتظار اور زبانی بیانات کا مفروضہ

باب پنجم۔ اناجیل کے ماخذ

فصل اوّل۔ رسالہ کلمات

فصل دوم۔ رسالہ اثبات

حصہ دوم۔ جمع وتالیفِ اناجیل

باب اوّل۔ انجیل مرقس کی تالیف

فصل اوّل۔ انجیلِ مرقس کے ماخذ

فصل دوم۔ انجیلِ مرقس کی خصوصیات

فصل سوم۔ انجیلِ مرقس کا پایہ اعتبار

باب دوم۔ انجیلِ متی کی تالیف

فصل اوّل۔ انجیلِ متی کے ماخذ
فصل دوم۔ مقدس متی کی انجیل کی خصوصیات
فصل سوم۔ مقدس متی کی انجیل کی قدامت اور پایہ اعتبار
باب سوم۔ انجیلِ لوقا کی تالیف
فصل اوّل۔ انجیلِ لوقا کے ماخذ
فصل دوم۔ مقدس لوقا کی انجیل کی خصوصیات
فصل سوم۔ انجیلِ لوقا کی قدامت اور پایہ اعتبار
باب چہارم۔ اناجیل کے طریقہ تالیف پر تبصرہ
حصہ سوم۔ تاریخ تصنیفِ اناجیلِ متفقہ
باب اوّل۔ تاریخِ تصنیف رسالہ الاعمال الرسل
فصل اوّل۔ تاریخ تصنیف کی اندرونی شہادت
فصل دوم۔ رسالہ اعمال کی زبان، خیالات اور معتقدات
فصل سوم۔ مقدس پولُس کے خطوط اور اعمال کی کتاب
فصل چہارم۔ مخالف علماء کے خیالات کی تنقیح و تنقید
باب دوم۔ تاریخِ تصنیف انجیلِ لوقا
فصل اوّل۔ مخالف علماء کے دلائل کی تنقید
فصل دوم۔ مسیحی اصطلاحات اور انجیلِ لوقا
فصل سوم۔ انجیلِ لوقا کا سنِ تصنیف
باب سوم۔ تاریخِ تصنیف انجیل مرقس
فصل اوّل۔ انجیلِ مرقس کا پس منظر
فصل دوم۔ انجیلِ مرقس اور اولین ایام کے معتقدات
فصل سوم۔ مقدس لوقا اور مقدس مرقس کی اناجیل کا باہمی تعلق

فصل چہارم۔انجیلِ مرقس کا سنِ تصنیف اور تواریخی واقعات
فصل پنجم۔ مخالف علماء کے خیالات کی تنقید
باب چہارم۔تاریخ تصنیف انجیلِ متی
فصل اوّل۔انجیلِ متی کا پس منظر
فصل دوم۔انجیلِ متی کا سنِ تصنیف
فصل سوم۔انجیلِ متی اور انجیلِ مرقس کا باہمی تعلق اور اُن کی قدامت
فصل چہارم۔ مخالف علماء کے دلائل کی تنقید

پہلی ایڈیشن

کا

دیباچہ

قریباً تیس (۳۰)سال کا عرصہ ہوامیں نے مسئلہ تحریف پر کتاب "صحتِ کتُبِ مقدسہ" لکھی تھی جس کی دوسری ایڈیشن ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی۔میں نے اس میں یہ ثابت کیا تھا کہ یونانی اناجیل جو ہمارے ہاتھوں میں موجود ہیں نہایت صحت کے ساتھ دوہزار سال سے من وعن (حرف بحرف) محفوظ چلی آتی ہیں۔تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ جہاں تک یونانی متن کی صحت کا تعلق ہے روئے زمین کی کوئی قدیم کتاب انجیل جلیل کی صحت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔پس اس لحاظ سے انجیل ایک لاجواب اور بے نظیر (جس کی کوئی مثال نہ ملے) کتاب ہے۔

لیکن اُس کتاب میں اس موضوع کے دو پہلوؤں پر بحث نہیں کی گئی۔یہ دو پہلو حسب ذیل ہیں جن پر اس رسالہ میں بحث کی گئی ہے:

اوّل۔اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ کے کلماتِ طیبات جو اناجیل اربعہ میں مندرج ہیں بعینہ وہی ہیں جو آپ کی زبانِ معجز بیان سے نکلے تھے؟ کیاان کلمات کے فرمائے جانے اور اُن کے اناجیل میں لکھے جانے کے درمیانی عرصہ میں کوئی ایسا فتور (خرابی) تواُن میں واقعہ نہیں ہوا جس کی وجہ سے وہ ساقط عن الاعتبار (خرابی کی وجہ سے ناقابل اعتبار) ہوگئے ہوں؟

دوم۔حضرت کلمتہ اللہ کی مادری زبان صوبہ گلیل کی ارامی بولی تھی جس میں آپ لوگوں کو تعلیم دیا کرتے تھے لیکن موجودہ اناجیل کی زبان یونانی ہے جس کا اردو ترجمہ ہم پڑھتے ہیں۔پس اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کے کلمات جو یونانی لباس میں ہمارے پاس موجود ہیں درحقیقت وہی کلمات ہیں جو آپ نے ارامی زبان میں فرمائے تھے؟

یہ دونوں سوالات اہم قسم کے ہیں۔اگر آنخداوند کے الفاظ میں احاطہ تحریر میں آنے سے پہلے ہی کسی قسم کا فتور واقع ہوگیا ہو یااُن کے ارامی بولی سے یونانی زبان میں ترجمہ ہوتے وقت کوئی اہم تبدیلی واقع ہوگئی ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا اثراُن کے پایہ اعتبار پر پڑے گا۔لیکن اگر یہ ثابت ہوجائے کہ آپ کے کلمات کے فرمائے جانے اور احاطہ تحریر میں آنے کے درمیانی وقفہ میں کسی قسم کے فتور کے پیدا ہونے کا احتمال نہیں ہوسکتا اور کہ ان کے یونانی لباس کی وجہ سے ان کی صحت میں فی الحقیقت کوئی فتور واقع نہیں ہوا تو اناجیلِ اربعہ کی بے نظیر صحت اور رفیع پایہ اعتبار میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہتی۔

گذشتہ چالیس (۴۰) سال سے علماء ان دو سوالوں پر غور کررہے ہیں۔ان کی تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ بے شمار ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں۔کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اُس نے ان تمام کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔میں اس مسئلہ کا گذشتہ تیس (۳۰) سالوں سے مطالعہ کرتا چلا آیا ہوں۔اس کتاب کے آخر میں حوالوں کی فہرست گواہ ہے کہ اس موضوع پر بیسیوں (بے شمار) مضامین، رسالے، کتابچے اور کتابیں میری نظر سے گزری ہیں۔پھر بھی میں اپنی کم مائیگی (بے حیثیت ہونا) سے بخوبی واقف ہوں، خوش قسمتی سے کسی مصنف کی کتاب کے مفید ہونے کے لئے لازم نہیں کہ وہ عالمِ کل اور ہمہ دان (ہر بات سے واقف) بھی ہو۔

مقدس خرسستم (از ۳۴۷ء تا ۴۰۷ء) اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں

"جس طرح معطر اشیاء کو جتنا رگڑا جائے اُتنا ہی زیادہ اُن میں سے خوشبو نکلتی ہے۔اسی طرح جتنا زیادہ کتبِ مقدسہ کی چھان بین کی جائے اتنا ہی حقائق ومعارف کے پوشیدہ خزانے ہم پر کھلتے جاتے ہیں"۔

مغرب کے مسیحی اور غیر مسیحی علماء کی جانچ پڑتال، چھان بین اور تنقید اس صداقت کی زندہ مثال ہے۔اُن کی تنقیح وتنقید (تحقیق کر کے عیوب سے پاک کرنا) نے اَب یہ ثابت کردیا ہے کہ آنخداوند کے کلماتِ طیبات، معجزات بینات اور سوانح حیات من وعن اناجیل میں اَیسے محفوظ ہیں کہ اس ماجرے کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

اس کتاب کی پہلی جلد میں ہم نے اناجیل متفقہ یعنی پہلی تین انجیلوں پر بحث کی ہے۔چونکہ پہلی تینوں اناجیل سیدنا مسیح کی سہ سالہ خدمت کے صرف اُس حصہ کے ذکر کرنے پر اتفاق کرتی ہیں جو صوبہ گلیل میں گذرا۔ لہذا ان اناجیل کو "اناجیل متفقہ" کا نام دیا گیا ہے۔اس کتاب کی دوسری جلد میں انجیل چہارم پر اور اناجیل اربعہ کی اصل زبان اور اس کے یونانی ترجمہ پر بحث کی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مروجہ اناجیلِ اربعہ کی صحت میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہے۔

ہم نے اس کتاب کے متن کو حوالوں سے پاک رکھا ہے اور کتاب کی ہر جلد کے آخر میں تمام حوالوں کو ہر باب اور فصل کے عنوان کے ماتحت درج کردیا ہے تاکہ شائقین ان کا خود مطالعہ کر کے ان کتابوں اور رسالوں سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

مجھے واثق یقین ہے کہ حق کی تلاش کرنے والے اس کتاب کے نتائج اور دلائل کو قبول کرنے کے قابل پائیں گے۔ان سے میری درخواست ہے کہ بائبل مقدس کے جو حوالے اس کتاب میں جابجا درج کئے گئے ہیں ضرور پڑھیں کیونکہ اُنہی پر دلائل (دلیل کی جمع) کی پختگی کا دارومدار ہے۔اگر میں اُن کو نقل کرتا تو یہ کتاب ضرورت سے زیادہ طویل ہو جاتی۔ پس متلاشیانِ حق (حق کی تلاش کرنے والوں) سے التجا ہے کہ وہ ہر حوالہ کا پہلے مطالعہ کریں اور پھر آگے پڑھیں اور خالی الذہن ہو کر ٹھنڈے دل سے کتاب کے دلائل پر غور کریں۔ میری دعا ہے وہ بھی مصنف کی طرح منجی عالمین کے قدموں میں آکر ابدی نجات حاصل کریں۔

۱۵ جنوری ۱۹۵۵ء	**احقر العباد**
کورٹ روڈ، امرتسر	**برکت اللہ**

دُوسری ایڈیشن

کا

دیباچہ

تین سال کا عرصہ ہوا ہے کہ اس کتاب کی پہلی ایڈیشن چھپی تھی۔ اس کا شائع ہونا تھا کہ شمالی ہند اور پاکستان کے مختلف کونوں سے اس کی مانگ اس قدر ہوئی کہ دو سالوں کے اندر پہلی ایڈیشن ختم ہو گئی۔ میں اپنے منجی خدا کا شکر کرتا ہوں جس نے اِس کتاب کو متلاشیانِ حق کے لئے استعمال کیا ہے۔

جب میں یہ کتاب لکھ رہا تھا تو میری آنکھوں میں موتیا بند اُتر آیا تھا اور میں نے بصد مشکل اِس کو ختم کیا تھا۔ دریں حالت کتابت اور طباعت کی خامیوں کا وجود ناگریز تھا۔ خدا باپ کا لاکھ لاکھ شکر ہو جس نے مجھے دوبارہ بینائی عطا فرمائی ہے۔ میں نے اس ایڈیشن میں اُن خامیوں کو دُور کیا ہے اور ایزادیاں (اضافہ) بھی کی ہیں۔ اُمید ہے ک قارئین کرام اِس کتاب سے بیش از پیش فائدہ اٹھا سکیں گے۔

میری دُعا ہے کہ خدا طالبانِ حق کی چشمِ بصیرت کو کھولے تاکہ وہ خدا کے کلامِ حق پر جو "زندہ اور قائم ہے" ایمان لا کر خدا کی معرفت اور اَبدی زِندگی حاصل کریں۔ آمین۔

احقر العباد

برکت اللہ

ہنری مارٹن سکول۔ علیگڑھ

۲۹۔ دسمبر ۱۹۵۵ء

حصّہ اوّل

دَورِ اوّلین

(از ۳۰ءتا۴۰ء)

باب اوّل

گواہوں کے بادل

آنخداوند نے صرف ۳۳سال کی عمر پائی اور ۳۰ء میں مصلوب ہوئے۔ تیس (۳۰) سال تک آپ نے محنت ومشقت کرکے اپنے خاندان کی پرورش کی اور جب آپ کے بھائی روزی کمانے کے لائق ہوگئے اور بہنوں کی شادی ہوگئی (مرقس ۶: ۳وغیرہ) اور آپ ان دُنیاوی تعلقات کے فرائض سے سبکدوش (آزاد، جس پر کوئی بوجھ نہ ہو، فارغ) ہوگئے تو آپ نے خدا کی لازوال محبت اور ابوت کا پرچار کرنا شروع کیا (لوقا ۴: ۲۳؛ مقابلہ گنتی ۴: ۳؛ مرقس ۱: ۱۵)۔ آپ نے ہر مقام اور ہر طبقہ میں منادی کی۔ شہروں میں (مرقس ۱: ۳۲؛۱: ۳۸) گاؤں میں بستیوں میں (مرقس ۶: ۵۶)۔ ویران جگہوں میں (مرقس ۶: ۳۳) صوبہ گلیل میں (مرقس ۱: ۳۹)، گنیسرت کے علاقہ میں (مرقس ۶: ۵۳)۔ صور اور صیدا کی سرحدوں میں (مرقس ۷: ۲۴) دلمنوتہ کے علاقہ میں (مرقس ۸: ۱۰) قیصریہ فلپی کے گاؤں میں (مرقس ۸: ۲۷)۔ یہودیہ کی سرحدوں میں اور یردن پار کی جگہوں میں (مرقس ۱۰: ۱)۔ سامریہ کے علاقوں میں (لوقا ۱۷: ۱۱، یوحنا ۴باب)۔ یہودیہ میں (یوحنا ۳: ۲۲)۔ یروشلیم اور اس کی ہیکل میں آپ نے خدا کی محبت کا پیغام دیا (مرقس ۱۱ و ۱۲ باب) (یوحنا ۲: ۲۳وغیرہ) جہاں کہیں آپ گئے آپ نے ہر قسم کے بیماروں کو شفا بخشی (مرقس ۱: ۳۴؛۳: ۱۰۔) آپ نے ناپاک روحوں کو نکالا (مرقس ۱: ۳۶)۔ اندھوں (مرقس ۸: ۲۵؛۱۰: ۵۲) بہروں لنگڑوں (لوقا ۷: ۲۲) کوڑھیوں (مرقس ۱: ۴۲؛لوقا ۱۷: ۱۴)۔ مرگی والوں (مرقس ۹: ۲۷)۔ لنجوں، مفلوجوں (مرقس ۲: ۱۱؛۳: ۵) پاگلوں (مرقس ۵: ۴،) گونگوں (لوقا ۱۱: ۱۴)، ہکلوں (مرقس ۷: ۳۵)۔ عورتوں (مرقس ۵: ۲۹؛لوقا ۸: ۲؛۱۳: ۱۳)۔ غرض سبھی قسم کے بیماروں کو (متی ۴: ۲۳) آپ نے اچھا کیا۔ آپ نے مردوں کو زندہ کیا (مرقس ۵: ۳۵؛لوقا ۷: ۱۵؛یوحنا ۱۱: ۴۴) ہزاروں بھوکوں کو اعجازی طور پر کھانا کھلایا (مرقس ۷: ۴۴؛۸: ۸) آپ کی شہرت ہر چہار طرف پھیل گئی (مرقس ۱: ۲۸ وغیرہ) آپ جہاں جاتے لوگ "سارے علاقہ میں چاروں طرف دوڑتے اور بیماروں کو چارپائیوں پر ڈال کر جہاں کہیں سنا کہ آپ ہیں لئے پھرتے" (مرقس ۶: ۵۵)۔ وہ آپ کے معجزاتِ بینات اور آپ کے کلمات طیبات کو سن کر انگشت بدنداں (دانتوں میں انگلی دینا، تعجّب) رہ جاتے اور کہتے "یہ کیا حکمت ہے جو اسے بخشی گئی اور کیسے معجزے اس کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں" (مرقس ۶: ۲) وہ دنگ ہو کر کہتے "جو کچھ اس نے کیا سب اچھا کیا" (مرقس ۷: ۳۷)۔ سب لوگ آپ کی تعلیم کو سن کر "حیران ہوتے کیونکہ وہ ان کو فقیہوں کی طرح نہیں بلکہ صاحبِ اختیار کی طرح تعلیم دیتا تھا" (مرقس ۱: ۲۲)۔

آپ کی شہرت گلیل، یہودیہ، سامریہ غرض یہ کہ تمام ارضِ مقدس میں پھیل گئی۔ آپ جہاں جاتے بھیڑوں کی بھیڑیں آپ کی زیارت کو اور آپ کی تعلیم سننے اور آپ کے معجزات دیکھنے کو (یوحنا ۱۲: ۱۸) چاروں طرف سے جمع ہو جاتیں۔ ایسا کہ آپ کسی شہر میں ظاہراً داخل نہ ہو سکتے (مرقس ۱: ۴۵)۔ لوگ "شہروں سے اکٹھے ہو ہو کر پیدل دوڑتے" (مرقس ۶: ۳۴)۔ جس گھر میں آپ جاتے "سارا شہر دروازہ پر جمع" ہو جاتا (مرقس ۱: ۳۳) اور "دروازہ پر جگہ نہ رہتی" (مرقس ۲: ۲) "اتنے لوگ جمع ہو جاتے کہ آپ کھانا بھی نہ کھا سکتے (مرقس ۳: ۲۰) آپ کے مصاحبین کا بھی یہی حال ہوتا اور "اُن کو کھانا کھانے کی بھی فرصت نہ ملتی تھی" (مرقس ۶: ۳۱) اگر آپ گھر سے باہر نکلتے تو بھیڑ اس قدر ہوتی کہ آپ پر "گرپڑتی (مرقس ۵: ۳۱)۔ جب آپ تعلیم دینے کی خاطر "جھیل کے کنارے" چلے جاتے تو جمِ غفیر جمع ہو جاتا (مرقس ۲: ۱۳؛ ۳: ۷) اور اکثر اوقات "یہودیہ اور یروشلیم اور ادومیہ سے اور یردن کے پار صور اور صیدا کے آس پاس سے ایک بڑی بھیڑ جمع ہو جاتی" ایسا کہ آپ کو اپنے رسولوں سے کہنا پڑتا کہ "بھیڑ کی وجہ سے ایک چھوٹی کشتی میرے لئے تیار رہے تاکہ بھیڑ مجھے دبا نہ لے" (مرقس ۳: ۸ تا ۱۲) اور آپ کشتی میں بیٹھ کر (مرقس ۴: ۱)" یا بھیڑ کو دیکھ کر پہاڑ پر چڑھ کر" (متی ۵: ۱) سب کو خدا کی لازوال محبت کا فرحت افزا پیغام سُناتے۔

انجیل چہارم سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ آنخداوند عید کے موقعہ پر یروشلیم جایا کرتے تھے اور ارضِ مقدس کے اندر اور باہر کے زائرین کو جو عید کے موقع پر جمع ہوا کرتے خدا کی محبت کا پیغام دیتے تھے (یوحنا ۲: ۱۳، ۷: ۱۴، ۸: ۲، ۱۰: ۲۲، ۱۱: ۵۵، ۱۲: ۱۸ وغیرہ)۔ آپ نے "علانیہ ہمیشہ عبادت خانوں اور ہیکل میں جہاں سب یہودی جمع ہوتے تھے تعلیم دی (یوحنا ۱۸: ۲۰) جوزیفس ہم کو بتلاتا ہے۔ CESTIUS GALLUS زیسٹییس گیلیس (۶۳ء تا ۶۶ء) کے عہد میں جب ان زائرین (زیارت کرنے والے) کی مردم شماری کی گئی جو یروشلیم آتے تھے تو وہ شمار میں ستائیس لاکھ دو سو تھے۔ (اعمال ۲: ۹ تا ۱۱) سے پتہ چلتا ہے کہ یہ زائرین کس قدر دُور دراز مقامات سے آتے تھے۔ پس اہالیانِ ارضِ مقدس (پاک سرزمین کے رہنے والے) آنخداوند کی تعلیم اور معجزات سے بخوبی واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مقدس پولُس جو یروشلیم میں بھی رہے تھے (اعمال ۲۲: ۳) منجیِ عالمین کی زندگی کے واقعات اور کلمات سے واقف تھے (اعمال ۱۳: ۲۴۔ ۲۵؛ ۱۳: ۵۱؛ ۲۰: ۳۵؛ ۲۲: ۳ وغیرہ)۔ اور وہ بادشاہ اگرپا سے کہتے ہیں" بادشاہ جس سے میں دلیرانہ کلام کرتا ہوں یہ باتیں جانتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی اُس سے چھپی نہیں کیونکہ یہ ماجرا کہیں کونے میں نہیں ہوا" (اعمال ۲۶: ۲۶)۔

مذکورہ بالا چند مقامات سے ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہوگا کہ حضرت کلمۃ اللہ کے سامعین اگر لاکھوں کی تعداد میں نہیں تو ہزاروں کی تعداد میں تو ضرور تھے (لوقا ۱۲: ۱؛ مرقس ۷: ۴۴)۔ پس ہزاروں مردوں اور عورتوں نے آپ کا جانفزا (دل کو خوش کرنے والا) کلام سنا اور آپ کے معجزات کو دیکھا۔ بالفاظِ دیگر اناجیلِ اربعہ کے مندرجہ واقعات اور کلمات کو سننے اور دیکھنے والے ہزاروں چشم دید گواہ تھے جو آپ کی شہادت کے بعد زندہ تھے جنہوں نے "زندگی کے کلام کو سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ غور سے دیکھا اور اپنے ہاتھوں سے چھوا" تھا (۱۔ یوحنا ۱: ۱)۔

ان ہزاروں چشم دید گواہوں نے "جو کچھ کہ انہوں نے دیکھا اور سنا اُس کی خبر دوسروں تک پہنچائی" (۱۔ یوحنا ۱: ۳) کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ وہ ایسے زندگی بخش کلمات سنتے اور خاموش رہتے یا وہ اپنی بیماریوں سے چھٹکارا پاتے اور چپکے اپنے گھروں کی راہ لیتے۔ (مرقس ۷: ۳۶؛ متی ۹: ۳۱؛ لوقا ۴: ۳۷؛ ۵: ۱۵، ۲۵؛ ۷: ۱۷؛ یوحنا ۹: ۳۰ وغیرہ)۔ پس آنخداوند کی وفات کے بعد ہزاروں ایسے چشم دید گواہ موجود تھے جنہوں نے "ان باتوں کو جو اُن کے درمیان واقع ہوئیں" (لوقا ۱: ۱) دوسروں تک پہنچایا اور یوں یہ واقعات چشم دید گواہوں اور اُن کے سامعین کے دلوں اور دماغوں میں ہمیشہ تازیست تازہ

رہے کیونکہ یہ باتیں غیر معمولی، حیران کن اور خوارقِ عادت (خلافِ عادت باتیں، معجزات) تھیں جو آسانی سے کسی کی یاد سے مٹ نہیں سکتی تھیں ۔بالخصوص جب کہ مابعد کے واقعات (جن کا اعمال کی کتاب میں ذکر ہے) اُن کی یاد کو ہمیشہ تازہ رکھنے میں مدد و معاون (مددگار) رہے۔

یوحنا ۱۲: ۴۲ سے ظاہر ہے کہ یہودی قوم کے " سرداروں میں سے بھی بہتیرے سیدنا مسیح پر ایمان لائے مگر فریسیوں کے سبب سے اقرار نہ کرتے تھے تاکہ ایسا نہ ہو کہ عبادت خانہ سے خارج کئے جائیں (نیز دیکھو یوحنا ۳: ۱؛ ۷: ۱۳ وغیرہ)۔یہ سب کے سب صاحبِ ثروت واقتدار (مالدار اور عہدہ دار) تھے اور اُن میں سے بعض قومِ یہود کی صدرِ عدالت کے ممبر تھے (یوحنا ۱۹: ۳۸۔ ۳۹؛ ۷: ۵۰ وغیرہ)۔

ان ہزار ہا ہزار چشم دید گواہوں میں سے بعض بوڑھے تھے (لوقا ۱: ۱۸؛ ۲: ۳۳۔ ۳۶) بعض اُدھیڑ عمر کے تھے (یوحنا ۵: ۵؛ لوقا ۸: ۴۳؛ ۱۳: ۱۱) بعض ابھی نوخیز تھے (یوحنا ۴: ۵۱؛ ۶: ۹؛ متی ۹: ۱۸؛ ۱۵: ۲۸)۔لیکن ان گواہوں کی ایک بہت بڑی اکثریت جوان عمر لوگوں کی تھی (مرقس ۹: ۳۴ وغیرہ)۔اناجیلِ اربعہ کو سرسری نظر پڑھنے سے بھی یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ آنخداوند کے چشم دید گواہوں کی عمر بیس (۲۰) اور تیس (۳۰) سال کے لگ بھگ تھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہودی مردوں اور عورتوں کی اوسط عمر کی معیاد ۷۰، ۸۰ برس کی ہو (زبور ۹۰: ۱۰) تو یہ ہزاروں چشم دید گواہ یروشلیم کی تباہی اور ہیکل کی بربادی (۷۰ء) کے وقت زندہ تھے۔اور اگر اناجیلِ اربعہ اس واقعہ ہائلہ (ہائل کی تانیث، ہولناک) سے پہلے ہی احاطہ تحریر میں آچکی تھیں تو یہ ہزاروں اشخاص انجیلی بیانات کے مصدق تھے۔

(۲)

ان ہزار ہا چشم دید گواہوں کے ہجوم کے علاوہ ہزاروں مردوں کی ایک اور بھیڑ تھی جو آپ کے خون کی پیاسی تھی (مرقس ۱۵: ۱۱؛ متی ۲۷: ۲۰؛ لوقا ۲۳: ۲۳) جب آپ مصلوب ہوئے تو وہ یہودیوں کی عید کے دن تھے (لوقا ۲۲: ۷)۔جب ہر یہودی بالغ پر فرض تھا کہ وہ یروشلیم حج کرنے کے لئے جائے (خروج ۲۳: ۱۵)۔پس آپ کی صلیبی موت کے روح فرسا (خطرناک) واقعہ کو دیکھنے والوں کی "ایک بڑی بھیڑ" جمع تھی (لوقا ۲۳: ۲۷)۔ جو اس واقعہ کی چشم دید گواہ تھی جس کو وہ کبھی فراموش نہیں کر سکتے تھے۔اس " بڑی بھیڑ " کا ایک بہت بڑا حصہ بھی یروشلیم کی تباہی کے زمانہ میں زندہ تھا اور انجیلی بیان کا مصدق تھا۔

اِن مخالفوں کے ہجوم کے علاوہ فریسیوں، فقیہوں، ہیرودیوں، صدوقیوں، صدرِ عدالت کے ممبروں، کاہنوں اور سردار کاہنوں کی ایک بڑی جماعت تھی جو تین سال تک ہر شہر اور قصبہ میں آنخداوند کی مخالفت پر تلے رہے اور بالاآخر اُنہوں نے آپ کو مصلوب کرکے چھوڑا، فقیہوں اور فریسیوں کا فرقہ ابتدا ہی سے حضرت کلمتہ اللہ کے اقوال وافعال پر حرف گیری کرتا رہا (مرقس ۲: ۶، ۱۸، ۲۴) اور وہ ہمیشہ "اس تاک میں رہے کہ آپ پر الزام لگائیں" (مرقس ۳: ۲)۔اس غرض کے لئے فقیہہ یروشلیم شہر سے دور دراز صوبہ گلیل کو گئے (مرقس ۳: ۲۲) اور وہ آپ کے رویہ کو دیکھ کر "فریسیوں اور ہیرودیوں کے ساتھ آپ کے برخلاف مشورہ کرنے لگے کہ آپ کو کس طرح ہلاک کریں" (مرقس ۳: ۶)۔یہ باتیں جو آپ کی خدمت کے شروع میں ہی واقع ہوئیں اس مقتدر گروہ کے عندیہ (منصوبہ) کا پتہ دیتی ہیں (متی ۱۳: ۳۹)۔ تین سال تک یہ گروہ برابر آپ کی مخالفت پر تلا رہا اور ہمیشہ منہ کی کھاتا رہا (لوقا ۱۳: ۱۷، متی ۲۲: ۴۶، ۲۲: ۳۴۔ وغیرہ) بالاآخر یہ مقتدر اور بارسوخ طبقہ غالب آیا اور اس نے رومی گورنر کے ہاتھوں آپ کو مصلوب کروا کے دم لیا۔

ظاہر ہے کہ اس طبقہ کا کوئی فرد بھی آپ کے اقوال وافعال کو بھول نہیں سکتا تھا۔ آپ کے اقوال اُن کے لئے جگر دوز تھے۔(متی ۲۳ باب وغیرہ) پھر وہ اُن دلخراش کلمات کو کس طرح فراموش کر سکتے تھے؟ آپ کے افعال، یہودی بزرگوں کی روایات کے عین ضد تھے (مرقس ۷ باب وغیرہ) پھر وہ اُن کو اپنے دلوں سے کس طرح محو کر سکتے تھے؟ وہ خود سنتے تھے اور دیکھتے تھے اور دوسروں کو آپ اُن حرکتوں سے مطلع کرتے تھے۔ پس وہ چار وانجیلی بیانات کے چشم دید گواہ بن جاتے ہیں (اعمال ۳: ۱۳تا۱۵؛ ۴: ۱۰، ۱۶؛ ۵: ۲۷تا۲۸؛ ۷: ۵۱تا۵۲وغیرہ)۔ جن کی شہادت کو کوئی صحیح العقل شخص رد نہیں کر سکتا۔ ان مخالفین کی اکثریت آپ کی ہم عمر تھی۔ پس وہ یروشلیم کی تباہی (۷۰ء) کے زمانہ میں انجیلی بیانات کے جیتے جاگتے زندہ گواہ تھے۔

(۳)

مذکورہ بالا ہزارہا مخالف وموالف گواہوں کے علاوہ ان لوگوں کی ایک بڑی تعداد جو آپ پر ایمان لے آئے تھے۔ اُن کی تعداد اس قدر بڑی تھی کہ سردار کاہنوں کو یہ اندیشہ لاحق ہوگیا تھا کہ "اگر ہم اس کو یونہی چھوڑدیں تو سب اس پر ایمان لے آئیں گے" (یوحنا ۱۱: ۴۷تا۵۳؛ لوقا ۶: ۱۷وغیرہ)۔ فریسی چلااٹھے کہ "سوچو تو تم سے کچھ بن نہیں پڑتا۔ دیکھو جہاں اس کا پیرو ہو چلا"۔ (یوحنا ۱۲: ۱۹) مقدس پولُس نے مسیحی ہونے کے بعد ایمان داروں کی ایک جماعت سے ملاقات کی جس کی تعداد "پانچ سو سے زیادہ" تھی (۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۶) مقدس لوقا ایمان داروں کی ایک اور جماعت کا ذکر کرتے ہیں جو "تخمیناً ایک سو بیس (۱۲۰) شخصوں کی جماعت تھی (اعمال ۱: ۱۵) جن میں ایسے ایمان دار بھی تھے جو "یوحنا کے بپتسمہ سے لے کر خداوند کے ہمارے پاس اٹھائے جانے تک برابر ہمارے ساتھ رہے" (۱: ۲۲)۔

ایک اور جماعت تھی جس کی بابت لکھاہے کہ خداوند نے ۷۰ آدمی مقرر کئے "جن کو آپ نے اپنے آگے آگے بھیجا (لوقا ۱۰: ۱) تاکہ وہ خوشخبری کی منادی کریں۔

ان کے علاوہ آپ نے بارہ رسول خاص مقرر کئے (لوقا ۶: ۱۳) جو شب وروز آپ کی صحبت کا فیض حاصل کرتے رہے۔ جو آپ کے ساتھ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے رہے اور سفر وحضر میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ اور آپ کے ہر لفظ کے لب ولہجہ تک سے واقف تھے۔(لوقا ۲۲: ۲۸، مرقس ۳: ۱۴)۔ ان آخری دو جماعتوں کو آپ خاص ہدایات دیتے تھے (لوقا ۱۰: ۱، ۳۴۔ متی ۱۰ باب)۔ لیکن سب سے زیادہ توجہ آپ نے اپنے دوازدہ رسولوں کی تعلیم وترتیب کی طرف دی (مرقس ۴: ۱۰تا۳۴، ۶: ۳۰، ۷: ۱۷تا۲۳۔ متی ۶: ۱۳تا۲۸۔ لوقا ۹: ۲۸تا۳۶۔ مرقس ۹: ۳۳تا۳۷۔ لوقا ۹: ۴۴تا۴۸۔ مرقس ۱۰: ۳۳تا۴۵۔ مرقس ۱۳ باب یوحنا باب ۱۴تا۱۸: ۱۲وغیرہ)۔

اوّل الذکر ایمان داروں کا گروہ یروشلیم کی تباہی کے وقت آنخداوند کا جیتا جاگتا زندہ گواہ موجود تھا (متی ۱۶: ۲۸ وغیرہ) دوسرا تیسرا اور بالخصوص دوازدہ رسولوں کا گروہ ایسے لوگوں پر مشتمل تھا جنہوں نے آپ کی ظفریاب قیامت کے بعد تمام دنیا میں ہندوستان سے لے کر ہسپانیہ تک پہلی صدی کے اندر اندر آپ کی انجیل کی بشارت ممالکِ مشرق ومغرب اور اقوامِ عالم میں پہنچادی۔

(۴)

پس انجیل بیانات کے مصدق ہزارہا ہزار گواہ ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں سے ان واقعات کو دیکھا اور ان کلمات کو سنا جن کا ذکر اناجیل اربعہ میں موجود ہے۔ یہی لوگ ان واقعات کو بتلانے والے اور ان کلمات کو دوسروں تک پہنچانے والے تھے۔ اُن میں بوڑھے، اُدھیڑ عمر والے، جوان،

مرد عورتیں، آنخداوند کے شیدائی اور آپ کے جان لیوا غرض سبھی قسم کے لوگ شامل تھے۔ اُنہوں نے اناجیل اربعہ کے مندرجہ واقعات کو اپنی زبان سے بتلایا۔ اور اپنے قلم سے قلمبند کیا۔ یہ سب کے سب چشم دید گواہ تھے جن کے مرنے سے پہلے نہ صرف اناجیل لکھیں گئیں بلکہ یہود اور غیر یہود اقوام میں ارضِ مقدس کے اندر اور باہر مخالف وموالف کے ہاتھوں میں مختلف ممالک کے دور دراز مقامات اور رومی سلطنت کے کونے کونے میں پہنچ گئیں۔

ہم یہ امر ناظرین کے ذہن نشین کر دینا چاہتے ہیں کہ اناجیل اربعہ کے واقعات کو بتلانے والے اور لکھنے والے خود چشم دید گواہ تھے "جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے" (لوقا ۱: ۲)۔ ان اناجیل میں کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جو روایت پر مبنی ہو اور جس کی نسبت کسی نے کہا ہو کہ مجھ سے بیان کیا زید نے اور اس سے بیان کیا بکر نے اور اس سے بیان کیا عمر نے کہ اس نے سنا اپنے باپ سے کہ اس نے کہا میں نے سنا اپنے باپ سے جس کو بتلایا فلاں نے کہ حضرت کلمتہ اللہ نے فلاں مقام پر فلاں اندھے کی آنکھیں اس طرح کھولیں۔ اناجیل اربعہ میں نہ تو "تابعین کے اقوال پائے جاتے ہیں اور نہ "تبع تابعین" کے اقوال مندرج ہیں۔ اناجیل کے بیانات میں نہ تو کوئی حدیث مقطوع (تراشا ہوا) ہے اور نہ مقطع (چھانٹا ہوا) ہے۔ ان میں نہ حدیث مرسل (ارسال کیا گیا) ہے اور نہ مبہم (وہ جس کا مطلب صاف نہ ہو) ہے۔ ان میں کوئی بیان ایسا نہیں جو "عن فلاں" وعن فلاں" سے بیان کیا گیا ہو۔ یعنی جس میں صرف سماعی (سُنی سنائی، روائتی) اسناد ہوں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جن اندھوں، لنجوں، مفلوجوں وغیرہ کو آنخداوند نے اپنی معجزانہ طاقت سے شفا بخشی تھی انہوں نے اپنے بیٹوں، عزیزوں، دوستوں اور واقف کاروں کے حلقہ سے ضرور ان عجیب معجزوں کا چرچا کیا ہو گا اور اُن کے عزیز واقارب اور احباب نے اپنے بیٹوں پوتوں وغیرہ سے ضرور کہا ہو گا کہ میرے بھائی یا باپ دادا کو سیدنا مسیح نے فلاں مقام پر شفا بخشی تھی اور یوں روایات کا سلسلہ قدرتی طور پر تیسری چوتھی پشت تک بلکہ اس سے بھی آگے چلا ہو گا۔ چنانچہ جیسا ہم آگے چل کر بتلائیں گے۔ بشپ پے پئیس جیسے اشخاص ہمیشہ اس جستجو میں لگے رہتے تھے کہ "ایلڈروں (تابعین) کی زبان سے یہ معلوم کریں کہ اندریاس یا پطرس نے کیا کہا۔ یا یوحنا یا متی اور سیدنا مسیح کے شاگردوں میں سے کسی اور نے کیا کہا۔۔۔ کیونکہ میرا یہ خیال تھا کہ میں زندہ گواہوں کے بیانات سے کتابوں کے صفحوں کی نسبت زیادہ سیکھ سکتا ہوں" لیکن انجیلی بیانات جیسا ہم اوپر بتلا چکے ہیں اس قسم کی روایات سے بالکل مستغنی (آزاد، بری) ہیں اور ان بیانات کا روایات سے رتی بھر تعلق نہیں۔ کیونکہ ان بیانات میں تابعین یا تبع تابعین یعنی دوسری یا تیسری یا چوتھی پشت کے بیانات کا شائبہ (شک) بھی نہیں پایا جاتا۔ اناجیلِ اربعہ کو سمجھنے کے لئے نہ کسی روایت کی ضرورت ہے اور نہ راویوں کے سلسلہ کی ضرورت ہے۔ پس ہمیں نہ تو راویوں کے بیان کے صدق وکذب (سچ اور جھوٹ) کو جانچنے کے لئے اصول قائم کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اسماالرجال (لوگوں کے نام، اصطلاح محدثین میں احادیث کے راویوں کے نام، علم حدیث کا شعبہ جس میں راویانِ حدیث کے نام اور حالات سے بحث کی جاتی ہے) کے علم کی ضرورت ہے۔ اس نکتہ کو ہم انشاءاللہ جلد دوم کے حصہ چہارم کے باب ہشتم میں مفصل طور پر واضح کریں گے۔ انجیلی بیانات سیدھے سادے معتبر بیانات ہیں جو سب کے سب بغیر کسی استثناء (دوہرائی) کے صادق چشم دید گواہوں کے بتلائے ہوئے اور لکھے ہوئے ہیں۔ دور اولین کی پہلی پشت اور رسولوں کے گذرنے سے پہلے (جیسا ہم انشاءاللہ ثابت کردیں گے) نہ صرف اناجیل اربعہ بلکہ رسولوں کے اعمال، مقدس پوُلس کے خطوط وغیرہ لکھے گئے اور نقل ہو کر آنخداوند کی وفات کے چالیس پچاس سال کے اندر اندر پہلی صدی کے اختتام سے بہت پہلے دور دراز کے مقامات اور کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں پہنچ گئے تھے۔

(۵)

اس سلسلہ میں ایک اور امر ناظرین کو فراموش نہیں کرنا چاہیے ۔ یہ ہزاروں مخالف وموالف گواہوں کی جماعت سب کی سب خواندہ (وہ جو پڑھنالکھنا جانتا ہو) تھی۔اہل یہود میں بچوں کی تعلیم جبریہ اور لازمی تھی۔ بچوں کو پہلے اُن کے گھروں میں تعلیم دی جاتی تھی۔ وہ پیدائش ہی سے مذہبی فضامیں تعلیم پاتے تھے۔ تورات اور صحائف ِانبیاء کے مطالعہ پر زور دیا جاتا تھا۔ چنانچہ ربی جنائی(Jannai) کا یہ قول تھا کہ

بچہ تورات کا علم ماں کے دودھ کے ساتھ حاصل کرتا ہے"۔ کتب ِعہد عتیق وجدید اس حقیقت کی گواہ ہیں کہ یہودی مائیں اپنے بچوں کی روحانی تربیت اور ذہنی پرورش میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کرتی تھیں (۲۔تمیرا: ۵ وغیرہ)۔

ہر یہودی باپ پر یہ فرض عائد تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو تورات اور کتب ِعہد عتیق کا علم سکھلائے ۔ جونہی یہودی بچہ بولنے کے قابل ہوتا اس کو کتاب ِمقدس کی آیات حفظ کرائی جاتیں اور جُوں جُوں وہ قدو قامت میں بڑھتا اُس کو کتاب ِمقدس کے حصص اور مزامیر حفظ کرائے جاتے تھے۔ یہودی فلاسفر فائلو[1] کہتا ہے

"یہود گویا اپنی پیدائش ہی سے والدین، استادوں اور معلموں سے یہ سیکھتے ہیں کہ خدا جو دنیا کا خالق ہے وہ ایک ہے۔ یہ حقیقت اُن کو پہلے سکھلائی جاتی ہے اور اس کے بعد ان کو موسوی شرع اور یہودی رسوم کی باتیں بتلائی جاتی ہیں"۔

یہودی مورخ یوسیفس کہتا ہے [2]۔

"ہماری قوم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دیں اور وہ شریعت کے قوانین اور آئین پر عمل کریں تاکہ کسی کو بھی یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ وہ شریعت سے بے خبر ہے"۔

پانچ چھ سال کی عمر میں یہودی بچہ مکتب کو بھیجا جاتا تھا۔ پہلی صدی مسیحی میں ارض ِمقدس کے ہر شہر قصبہ اور گاؤں میں یہ مکتب موجود تھے۔ چھ برس کے اُوپر کے بچوں کی جبریہ تعلیم لازمی تھی اور اُن کی تعلیم پر اس قدر زور دیا جاتا تھا کہ ربیوں کا یہ فتویٰ تھا کہ کسی یہودی کے لئے ایسے مقام میں رہنا حرام ہے جہاں مکتب نہ ہو۔ عبادت خانے اکثر اوقات مکتب کا کام بھی دیتے تھے اور عبادت خانہ کا خادم یا امام مکتب کا استاد اور بچوں کی ذہنی ترتیب اور شریعت کی تعلیم کا ذمہ دار ہوتا تھا۔

انجیل جلیل کی کتب سے ظاہر ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ کے زمانہ میں ارض ِمقدس کے کونے کونے میں عبادت خانے موجود تھے جن میں آپ اور مقدس پولُس اکثر تعلیم دیا کرتے تھے (لوقا ۴: ۱۱؛اعمال ۱۳: ۱۵، ۴۴؛ ۱۷: ۱، ۱۲؛ ۱۸: ۴، ۱۹وغیرہ)۔ آنخداوند کے دنوں میں فقط یروشلیم میں عبادت خانوں کا شمار چار اور پانچ سو کے درمیان[3] تھا۔ جو مکتبوں کا کام بھی دیتے تھے۔ تمام ارض ِمقدس میں ان عبادت خانوں نے یہودیت کو ایک واحد قوم بنا دیا تھا۔ پس وہ قوم کی تقویت، اتحاد اور یک جہتی کا باعث تھے۔ اُن کے مکتبوں کے تعلیمی نصاب کی واحد غرض یہ تھی کہ یہودی قوم کا تحفظ ہو اور یہودیت

---

[1] Philo, Leg ad Caium 31
[2] Josephus, Against Apion, 1,12, and 2,26
[3] Fairweather, The Background of the Gospels pp.25-26

پائندہ اور زندہ رہے۔اور وہ اسی مقصد کے تحت مرتب کیا جاتا تھا کہ قوم اسرائیل میں قومیت کا جذبہ اور قومی اتحاد پھلے پھولے۔دیہات اور قصبات کے مکتبوں سے طالب علم ابتدائی اور ثانوی تعلیم حاصل کرکے یروشلیم کے "کالجوں" میں جایا کرتے تھے(اعمال ۲۲: ۳)۔ان تعلیمی اداروں کے طفیل ارضِ مقدس کے مختلف صوبوں میں اور یروشلیم کے درمیان نہ صرف تبادلہ خیالات ہوجاتا بلکہ طلباء کی تمام زندگی ایک خاص ڈھانچہ میں ڈھل جاتی جو قوم اسرائیل کی مضبوطی اور استحکام کا باعث تھی[1]۔

ان مکتبوں اور کالجوں میں قوتِ حافظہ پر خاص طور پر زور دیا جاتا تھا۔ تعلیمی نصاب میں نہ صرف کتابِ مقدس کے حصص (حصہ کی جمع) حفظ یا دکرائے جاتے تھے بلکہ اداروں کے ربی اپنی اور بزرگوں کی خاص تعلیم کے الفاظ اپنے شاگردوں کو رٹایا کرتے تھے۔قدرتاً حافظہ کی قوت بڑھ جاتی اور ان تعلیمی اداروں کے شاگرد کتبِ تورات اور "بزرگوں کی روایات" کو ازبر کرنے میں طاق ہوتے تھے،اور طوطے کی طرح رٹ کر سنایا کرتے تھے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ ہزاروں چشم دید مخالف وموالف گواہ سب کے سب لکھے پڑھے خواندہ لوگ تھے جن کی قوتِ حافظہ سالوں کی تربیت سے نہایت تیز ہوگئی تھی۔پس اگران ہزاروں گواہوں میں سے ایک یا دو تین سو شخص بھی ایسے ہوں جنہوں نے "اس پر کمر باندھی جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں "اُن کو قلمبند کریں اور حضرت کلمۃ اللہ کے کلمات کو احاطہ تحریر میں لائیں یا ان کو حفظ یاد کرکے دوسروں تک پہنچائیں تو یہ ایک نہایت قدرتی بات ہوگی کیونکہ بالفاظِ مقدس پطرس "ممکن نہیں کہ جو ہم نے دیکھا اور سنا ہے وہ نہ کہیں"(اعمال ۴: ۲۰)۔ بالخصوص جب ایمانداروں کی جماعت کے اُستاد نے اُن سے فرمایا تھا کہ "تم میرے گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو"(یوحنا ۱۵: ۲۷)پس آنخداوند کی ظفریاب قیامت کے بعد یہ جان کر کہ "آسمان اور زمین کا کل اختیار" سیدنا مسیح کو دیا گیا ہے"(متی ۲۸: ۱۸) یہ چشم دید گواہ پہلی صدی کے ختم ہونے سے قبل "تمام قوموں" میں گئے اور اُن کو خوشخبری دی کہ "جو کچھ ہم نے دیکھا اور سنا ہے تم کو بھی اس کی خبر دیتے ہیں تاکہ تم بھی ہمارے شریک ہو"(۱۔یوحنا ۱: ۳)۔اُنہوں نے انجیلی واقعات کو قلمبند کیا اور کہا کہ "یہ اس لئے لکھے گئے ہیں کہ تم ایمان لاؤ کہ عیسیٰ ہی خدا کا بیٹا مسیح ہے اور ایمان لاکر اس کے نام سے زندگی پاؤ"(یوحنا ۲۰: ۳۱)۔ایمان داروں کی جماعت کے صدہا گواہوں میں سے ہر ایک کو یہی احساس تھا کہ "یہ میرے لئے ضروری بات ہے کہ خوشخبری سناؤں بلکہ مجھ پر افسوس اگر خوش خبری نہ سناؤں"(رومیوں ۹: ۱۶)وہ کہتے تھے "یہ باتیں ہم اس لئے لکھتے ہیں کہ ہماری خوشی پوری ہوجائے"(۱۔یوحنا ۱: ۴)۔

[1] Edersheim, Jesus the Messiah vol.1 Ch.9pp.227-232.

باب دوم

مسیحی کلیسیا کا آغاز اور انجیل جلیل کی اشاعت

باب اوّل میں ہم بتلا چکے ہیں کہ حضرت کلمتہ اللہ (۳۰ء) میں مصلوب ہوئے اور آپ کی جوانا مرگ کے واقعہ جانکاہ کے بعد ہزارہا لوگ جو آپ کے سوانح حیات، معجزاتِ بینات اور کلمات طیبات کے چشم دید گواہ تھے آپ کی وفات کے بعد کم از کم چالیس (۴۰) برس تک یعنی یروشلیم کی تباہی (۷۰ء) تک زندہ رہے۔

یہ چالیس (۴۰) سال کا عرصہ انجیلِ جلیل کے بیانات اور ان بیانات کی صحت کے لئے نہایت اہم زمانہ ہے۔ کیونکہ اگر انجیلی بیانات میں کوئی فتور پڑ سکتا تھا تو ان ہی پہلے چالیس سالوں کے عرصہ میں پڑ سکتا تھا۔ یہ زمانہ گویا زنجیر کی اولین کڑیاں ہیں اور اگر یہ کڑیاں کمزور ہیں تو ان کے بعد کی کڑیوں کا مضبوط ہونا عبث ہے۔ ہم نے اپنی کتاب **"صحتِ کتبِ مقدسہ"** میں ثابت کر دیا ہے۔ کہ پہلی صدی کے بعد انجیلِ جلیل کے متن میں کسی قسم کا فتور واقع نہیں ہوا۔ اس کے برعکس اس کے متن کی صحت بے مثال ہے، لیکن اگر پہلی صدی کے دوران میں انجیلی بیانات کی صحت میں فتور واقع ہو گیا ہو تو مابعد کی صدیوں میں ان کی صحت کا ثابت کرنا بیکار ہے۔ پس اصل سوال وہ چالیس (۴۰) یک سال کا وقفہ ہے جو واقعات کے رونما ہونے اور اناجیل کے لکھے جانے کے درمیان حائل ہے۔ یہ زمانہ اناجیل اربعہ کی تالیف اور مسیحی کلیسیا کے وجود میں آنے اور اُس کی حیرت ناک ترقی سے تعلق رکھتا ہے۔ پس لازم ہے کہ ہم اس زمانہ کے خیالات، واقعات اور حالات کا مطالعہ کریں تاکہ ہم معلوم کر سکیں کہ اناجیل اربعہ کا وجود کن حالات میں رونما ہوا اور وہ ضرورت کیا تھیں جن کے تحت یہ امر ناگریز ہو گیا کہ کلمتہ اللہ کے کلمات اور سوانح حیات یونانی زبان میں لکھے جائیں۔ اس زمانہ کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے مقدس لوقا کی تصنیفات کی جلد ثانی "رسولوں کے اعمال" اور مقدس پولُس رسول کے خطوط اور یہودی مورخ یوسیفس کی تصانیف خاص طور پر قابلِ اعتبار اور کارآمد تواریخی ماخذ ہیں۔

ان کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنخداوند آسمان کو صعود فرمائے گئے تو آپ کے رسول، ایمانداروں کی جماعت دس روز "دعا میں مشغول" رہی۔ دسویں دن اہل یہود کی عید تھی اور اس دن روح القدس سے معمور ہو کر انہوں نے اپنی تبلیغی مہم شروع کی۔ عید کو منانے کے لئے نہ صرف ارضِ مقدس کے یہودی آئے ہوئے تھے بلکہ یروشلیم شہر میں "پارتھی، مادی، عیلامی اور مسوپتامیہ، کپدکیہ پنطس آسیہ، فروگیہ، پمفولیہ، مصر اور لیوا کے رہنے والے اور کریتی اور عرب" بھی تھے۔ مقدس پطرس نے ایک زبردست تقریر کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ "اسی روز تین ہزار آدمیوں کے قریب اُن میں مل گئے"۔ اور اس کے بعد جو نجات پاتے تھے اُن کو خداوند ہر روز اُن میں ملا دیتا تھا (اعمال ۲ باب)۔ لوگ چاروں طرف سے رسولوں اور مبلغوں کے "پاس دوڑے" آتے تھے (اعمال ۳: ۱۱)۔ جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ "کاہن اور ہیکل کے سردار اور بزرگ اور فقیہ اور سردار کاہن حنا اور کائفا اور یوحنا اور اسکندریہ اور جتنے سردار کاہن کے گھرانے کے تھے یروشلیم میں جمع ہو گئے" (اعمال ۴: ۱تا ۵)۔ ایک قیامتِ صغریٰ برپا ہو گئی۔ رسولوں کو عدالت میں گھسیٹا گیا۔ دھمکایا، پٹوایا گیا۔ حوالات میں قید کر دیا گیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ الٹا مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی، کلام کے سننے والوں میں سے بہتیرے ایمان لائے یہاں تک کہ مردوں کی تعداد پانچ ہزار کے قریب ہو گئی" (اعمال ۴: ۴)۔

تین سال کی متواتر سزاؤں کے باوجود تعداد بڑھتی ہی گئی "اور ایمان لانے والے مرد و عورت خداوند کی کلیسیا میں اور بھی کثرت سے آملے" (اعمال ۵: ۱۴)۔ "خدا کا کلام پھیلتا گیا اور یروشلیم میں شاگردوں کا شمار بہت ہی بڑھ گیا" معاملہ یہاں تک بڑھا کہ "کاہنوں کی بڑی گروہ اس دین کی تحت ہو گئی (اعمال ۶: ۷)۔ تب تو سردار کاہن، وغیرہ تلملا اٹھے اور اُنہوں نے "اُن کو قتل کرنا چاہا"۔ ہر جگہ پروانے بھیجے گئے کہ "جو اس طریق پر پائے جائیں خواہ مرد خواہ عورت اُن کو باندھ کر یروشلیم میں "لایا جائے"۔ یروشلیم میں بڑا ظلم برپا ہو"۔ ستفنس جو ایک عالم شخص اور جوشیلا مبلغ تھا شہید کر دیا گیا۔ پس رسولوں کے سوا سب لوگ یہودیہ اور سامریہ کی اطراف میں پراگندہ ہو گئے" (اعمال ۸: ۱)۔ کیونکہ سردار کاہن کے ایجنٹ کلیسیاؤں کو" اس طرح تباہ کرتے کہ گھر گھر گھس کر اور مردوں اور عورتوں کو گھسیٹ کر قید" کرتے تھے (اعمال ۸: ۳) لیکن ان تمام آفتوں کے باوجود مسیحی کلیسیا دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتی گئی، کیونکہ "جو پراگندہ ہوئے تھے وہ کلام کی خوشخبری دیتے پھرے"۔ (اعمال ۸: ۴) اور یوں یہودیہ گلیل، سامریہ انطاکیہ، کپرس، فینیکے، لسترہ، دربے، قیصریہ، حبش وغیرہ دُور دراز کے مقامات کے رہنے والوں کو نجات کا پیغام مل گیا۔

۳۳ء میں اہل یہود کا سب سے زبردست جوشیلا ایذا دینے والا ایجنٹ دمشق کی کلیسیا کو ایذا دینے گیا لیکن مسیحی ہو گیا اور اس کا نام پولُس رکھا گیا (اعمال ۹: ۱۸)۔ وہ جو پہلے مسیحیوں کو قتل کرنے کی "دھن" میں لگا رہتا تھا اب نہایت جوش و خروش سے ہر یہودی مرد اور عورت کو صلیب کا پیغام سنانے لگ گیا۔ اس پر اہل یہود بھڑک اٹھے اور بادشاہ ہیرودیس کے پاس فریاد پہنچی جس نے (۴۳ء) میں ستانے کے لئے کلیسیا میں سے بعض پر ہاتھ ڈالا اور یعقوب کو تلوار سے شہید کر دیا" (اعمال ۱۲: ۲)۔ مقدس پولُس جہاں کہیں گئے اہلِ یہود نے آپ کو ہر جگہ ستایا اور فتنہ برپا کر دیا (اعمال ۱۳: ۵۰؛ ۱۷: ۵؛ ۱۸: ۱۲؛ ۲۰: ۳؛ ۲۱: ۲۷ تا ۳۰ وغیرہ)۔ آپ کو بینتوں سے پٹوایا گیا، قید کرایا گیا اور سنگسار کر دیا گیا حتیٰ کہ آپ کی جان لینے کی بار بار کوشش کی گئی (اعمال ۱۴: ۱۹؛ ۱۶: ۳۳؛ ۲۱: ۳۶؛ ۲۲: ۲۲؛ ۲۳: ۱۲ وغیرہ)۔ لیکن کوئی حکمت کارگر ثابت نہ ہوئی۔ اس کا الٹا نتیجہ یہ ہوا کہ منجی جہاں کی موت کے پندرہ سال بعد مقدس پولُس نے نہ صرف یہود بلکہ غیر یہود میں بھی پرچار کرنا شروع کر دیا (اعمال ۱۳: ۱؛ ۱۳: ۴۶؛ ۱۸: ۶ وغیرہ)۔ آپ سلطنتِ روما کے مختلف شہروں اور قصبوں میں گئے۔ اور ہر جگہ تقریریں کیں اور "ایسی تقریر کی کہ یہودیوں اور یونانیوں کی ایک بڑی جماعت ایمان لے آئی؟ (اعمال ۱۴: ۱)۔" خدا نے غیر یہود کے لئے بھی ایمان کا دروازہ کھول دیا" (اعمال ۱۴: ۲۷)۔ اور وہ ہر جگہ ایمان لے آئے (اعمال ۱۳: ۴۸) بالخصوص انطاکیہ اور سوریہ اور کلکیہ میں ہر جگہ کلیسیائیں قائم ہو گئیں (اعمال ۱۵: ۲۳)۔ اور یہ "کلیسیائیں ایمان میں مضبوط اور شمار میں روز بروز زیادہ ہوتی گئیں" (اعمال ۱۶: ۵)۔ ان کے ساتھ ساتھ سلطنت روما کے مختلف شہروں میں " خدا پرست یونانیوں کی ایک بڑی جماعت اور بہتیری شریف عورتیں بھی اُن کے شریک ہو گئیں (اعمال ۱۷: ۴)۔ اور یہ ایماندار ہر جگہ انجیل جلیل کے جانفزا پیغام کے علمبردار ہو گئے اور انہوں نے بے شمار لوگوں کو خداوند کا حلقہ بگوش کر لیا (اعمال ۱۹: ۱۸) اور "اسی طرح خداوند کا کلام زور پکڑ کر پھیلتا اور غالب ہوتا گیا" (اعمال ۱۹: ۲۰)۔ یوں خداوند کی نجات کا پیغام مقدونیہ، تھسلنیکے، بیریہ، کرنتھس، افسس، روم غرض یہ کہ سلطنتِ روم کے ہر بڑے شہر اور دور دراز کے مقامات بلکہ ہسپانیہ تک پھیل گیا۔ مقدس پولُس نے ان شہروں میں (۴۶ء) کے بعد دو تین بار دورہ کیا۔ کلیسیاؤں کو خطوط لکھے تاکہ اُن کو ایمان کی استقامت حاصل ہو اور وہ دوسروں کی نجات کا باعث بنیں۔

پس دوازدہ رسولوں اور اُن کے مُریدوں نے ارض مقدس کے مختلف صوبوں کے شہروں، قصبوں اور گاؤں میں انجیل جلیل کی اشاعت کر دی۔ خاص "یروشلیم میں شاگردوں کا شمار بہت ہی بڑھ گیا اور کاہنوں کی بڑی گروہ" منجی جہان کے قدموں میں آگئی (اعمال ۶: ۷؛ ۱۰: ۴۵؛ ۱۴: ۱؛ ۱۸: ۲۸ وغیرہ)۔ سیدنا مسیح کے یہ جوشیلے مبلغین اپنے منجی کی محبت میں اس قدر سرشار تھے کہ انہوں نے صلیب کے پیغام کی خاطر ہر طرح کی ایذائیں

برداشت کیں۔اُن کو بینت لگے۔اُنہوں نے کوڑے کھائے، سنگسار کیے گئے۔قید خانوں میں ڈالے گئے۔وہ سمندر اور دریاؤں کے خطروں میں، خشکی اور ڈاکوؤں کے خطروں میں، بیابانوں کے خطروں میں پڑے۔بھوک اور پیاس کی شدت، فاقہ کشی، سردی اور ننگے پن وغیرہ کی اُنہوں نے مطلق پروانہ کی، اُنہوں نے جان بکف ہو کر تیس (۳۰) سالوں کے اندر اندر ارضِ مقدس اور دیگر ممالک کے کٹر یہود کو اور یونانی مائل یہود کو اور بُت پرست مشُرک غیر یہود کو صلیب کے نیچے لاکر کلیسیا میں سب کو شامل کر کے ایک واحد رسولی اور پاک جامع کلیسیا کی بنیاد ڈال دی۔اور "یہودی قوم کی ساری اُمید توڑدی"(اعمال ۱۲: ۱۱)۔

(۲)

جب ہم ان تیس (۳۰) سالوں کے واقعات پر تفصیلی نظر ڈالتے ہیں تو ہم پر عیاں ہو جاتا ہے کہ ان ابتدائی ایام کی مسیحی کلیسیا میں حسب ذیل گروہ تھے:

(۱۔) دوازدہ رسول:

(۲۔) یہودی مرید جو ہزاروں کی تعداد میں منجی جہان کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے۔(اعمال ۴:۴؛ ۶:۷؛ ۱۰: ۴۵)۔نہ صرف ارضِ مقدس کے یہودی سیدنا مسیح پر ایمان لے آئے تھے بلکہ ارضِ مقُدس کے باہر رہنے والے یہود بھی کلیسیا میں جوق در جوق شامل ہو گئے تھے۔۔۔۔(اعمال ۲: ۴۱؛ ۱۴: ۱؛ ۱۳: ۵وغیرہ)ارضِ مقدس کے اندر خاص یروشلیم میں "یہودیہ میں ہزارہا آدمی ایمان لے آئے تھے"(اعمال ۲۱: ۲۰)اور اُن میں خاص طور پر قابل ذکر "کاہنوں کی بڑی گروہ" ہے جو آنخداوند پر ایمان لے آئی تھی (اعمال ۶: ۷)اُن کی مادری زبان ارامی تھی۔

(۳۔) ان کٹر یہودیوں کے علاوہ "یونانی مائل یہود" ہزاروں کی تعداد میں مشرف بہ مسیحیت ہو گئے تھے۔یہ یہود یونانی تہذیب اور علم کے دلدادہ اور فراخ دل کشادہ خیالات کے مالک تھے "(اعمال ۲: ۱۰؛ ۶: ۱وغیرہ)۔ان کی مادری زبان یونانی تھی۔کلیسیا کے پہلے ڈیکن اسی گروہ میں سے تھے اور کلیسیا کا پہلا شہید ان ڈیکنوں میں سے ایک تھا (اعمال ۷: ۶۰)۔

(۴۔) ان کٹر یہود اور یونانی مائل یہود کے علاوہ ایک کثیر تعداد اُن لوگوں کی منجی عالمین پر ایمان لے آئی تھی جن کو اہل یہود "خدا پرست نومرید" کہتے تھے۔(اعمال ۲: ۱۰؛ ۱۳: ۴۳وغیرہ)۔یہ لوگ مذہب کے یہودی تھے لیکن قوم اسرائیل میں سے نہیں تھے۔یہ وہ یہودی "نومرید" تھے جن کی نسبت حضرت کلمتہ اللہ نے فقیہوں اور فریسیوں کو ملامت کر کے فرمایا تھا کہ "تم ایک مرید کرنے کے لئے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دونا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو"(متی ۲۳: ۱۵)۔یہ یہودی نومرید عبادت خانوں میں جاتے اور یہودی شرح پر عمل کرتے تھے اگرچہ وہ نامختون تھے۔یہ لوگ مسیح موعود کے تصور سے واقف تھے۔کیونکہ انہوں نے مسیح موعود کی بابت یہودی ربیوں سے تعلیم پائی تھی اور وہ عبادت خانوں میں عہد عتیق کی کتُب کو سننے کے عادی ہو چکے تھے۔اُن کو بعض اوقات "خدا سے ڈرنے والے" کہا جاتا تھا (اعمال ۱۰: ۲؛ ۱۳: ۱۶)ان یہودی نومریدوں نے بھی ہزاروں کی تعداد میں صلیب کے پرچم کے نیچے دنیا۔نفس اور شیطان سے پناہ لے کر روحانی تسلی حاصل کی۔

(۵۔) مذکورہ بالا چاروں گروہ یہودی مذہب کے ذریعہ منجی جہان پر ایمان لائے تھے لیکن اگرچہ اُن کی تعداد "ہزارہا" لوگوں پر مشتمل تھی تاہم کلیسیا کی اکثریت اُن کی نہ تھی۔بلکہ کلیسیا کی اکثریت اُن لوگوں کی تھی جو بُت پرست مشُرک اقوام میں سے منجی جہان پر ایمان لے آئے تھے۔مقدس پولُس رسول نے جب دیکھا کہ اہلِ یہود "خدا کا کلام" رد کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ہمیشہ کی زندگی کے ناقابل" ٹھہراتے ہیں (اعمال ۱۳: ۴۶

وغیرہ)توآپ نے غیر یہود مشرک اقوام کو "زندگی کا کلام" سنناشروع کیا جس کی وجہ سے آپ "غیر اقوام کے رسول" کہلائے (گلتیوں ۲: ۹؛افسیوں ۳: ۷)۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنتِ روم کے ہزارہاہزار بُت پُرست پردیسی اور مسافر نہ رہے بلکہ مقدسوں کے ہم وطن اور خدا کے گھرانے کے ہوگئے "(افسیوں ۲: ۱۹)۔ یہ تعداد روزافزوں ترقی کرتی گئی حتیٰ کہ پہلی صدی کے اواخر میں لاکھوں پر مشتمل ہوگئی۔

ان ہزراہاہزار مسیحیوں کو جوبُت پرست اقوام سے آنخداوند کے حلقہ بگوش ہوگئے تھے قدرتی طورپر یہودی شریعت سے کوئی خاص اُنس نہ تھا۔ یہودی رسوم وروایات اُن کے لئے کوئی معنی نہ رکھتی تھیں۔ وہ گناہوں سے نجات پانے کے طالب تھے اور بس۔ لہذا اس گروہ میں اور کٹر یہودی مسیحیوں میں بالخصوص اُن میں جو یروشلیم کے رہنے والے تھے قدرتی طورپر کشمکش شروع ہوگئی۔ پہلا گروہ اُن مختونوں کا تھا جو یہودی رسوم وروایات کے عاشق تھے اور "شریعت کے بارے میں سرگرم" تھے (اعمال ۲۱: ۲۰)۔ یہ گروہ کہتا تھا کہ "اگر موسیٰ کی رسم کے موافق تمہارا ختنہ نہ ہو تو تم نجات نہیں پاسکتے "(اعمال ۱۵: ا تا ۵ وغیرہ)۔ لیکن آخری گروہ مقدس پولُس کے ساتھ اتفاق کرکے کہتا تھا کہ "اگر تم ختنہ کراؤگے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا' (گلتیوں ۵: ۲)۔ پس اِس بات کو نپٹانے کے لئے کلیسیا کی پہلی کونسل ۴۸ءمیں یروشلیم میں منعقد ہوئی جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ "ضروری باتوں کے سوا تم پر (موسوی شرح کا کوئی) اور بوجھ نہ ڈالیں کہ تم بُتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کر "(اعمال ۱۵: ۲۹)۔ جوُں جوُں سال گذرتے گئے ان غیر یہود اقوام سے نو مرید بڑھتے گئے اور اُن کی تعداد یہودی مسیحیوں کی تعداد سے بڑھتی گئی۔ یروشلیم کی تباہی (۷۰ء) کے واقعہ نے یہودی قوم کا شیرازہ بکھیر دیا اور وہ پراگندہ ہوکر دنیا کے مختلف ممالک میں جابسے۔ اس واقعہ نے مسیحی کلیسیا کی بھی کایاپلٹ دی کیونکہ اس واقعہ کے بعد غیر یہود مسیحیوں کی تعداد میں بڑی تیزی سے روز بروز اضافہ ہوتا گیا لیکن چونکہ یہودی پراگندہ ہوکر تتر بتر ہوگئے تھے اُن کا رسوخ اور اُن کی تعداد قدرتی طورپر مسیحی کلیسیا میں ہر سال کم ہوتی گئی حتےٰ کہ پہلی صدی کے آخر میں غیر یہود مسیحیوں کی تعداد اس قدر غالب تھی کہ کلیسیا عملی طورپر اُن ہی پر مشتمل تھی۔

باب سوم

اناجیلِ اربعہ کا پسِ منظر

گذشتہ باب میں ہم نے ناظرین کے سامنے ابتدائی ایام کی کلیسیا کے حالات پیش کئے ہیں تاکہ وہ اُن حالات سے واقف ہو کر یہ جان سکیں کہ اناجیل کیوں لکھی گئیں اور وہ کس طرح اور کن حالات کے ماتحت لکھیں گئیں اور وہ تقاضائے زمانہ کیا تھے جن کی وجہ سے وہ موجودہ یونانی صورت میں لکھیں گئیں۔

ہم بابِ اوّل میں بتلا چکے ہیں کہ اُس زمانہ میں ایسے ہزارہا لوگ زندہ تھے جنہوں نے آپ اپنے کانوں سے حضرت کلمۃ اللہ کے کلماتِ طیبات کو سُنا تھا اور خود اپنی آنکھوں سے آپ کے معجزاتِ بینات کو دیکھا تھا اُن میں سے صدہا (سینکڑوں) تھے جو ایمان داروں کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے اور اپنے ہم مذہب اور قوم والوں کو آپ کی جانفزا تعلیم اور "طریق نجات "(اعمال ۱۶: ۱۷؛ ۱۸: ۲۶؛ ۹: ۹، ۲۳؛ ۲۴: ۱۴) کا پیغام دیتے تھے۔ جب کلیسیا میں لوگ جوق در جوق شامل ہو گئے تو یہ ضرورت پیش آئی کہ ایمان داروں کی یہ جماعت نومریدوں کو آنخداوند کی تعلیم وسوانح حیات سے مطلع کرے۔ اُن کے ایمان کی استقامت میں مدد دے تاکہ یہودی ایذار سانیوں کے طوفان سے اور اُن کے ایمان کی کشتی ڈگمگانہ جائے۔ پس رسولوں نے اس چشم دید گواہوں کی ایماندار جماعت کو نئی تشکیل و تنظیم دی تاکہ کلیسیا منظم ہو جائے۔ چنانچہ اب کلیسیا میں "رسول " تھے۔ پھر وہ پہلے شاگرد (یعنی صحابہ) جنہوں نے "خداوند کو دیکھا تھا"۔ اور جو "یوحنا کے بپتسمہ سے لے کر سیدنا مسیح کے ہمارے پاس سے اٹھائے جانے تک برابر ہمارے ساتھ رہے "(اعمال ۱: ۲۱)۔ اس نظام میں "نبی " تھے جو انبیائے سابقین کی طرح روح القدس کے وسیلے خدا کی مرضی لوگوں پر ظاہر کرتے تھے کلیسیا میں شفا دینے والے پر سبٹر، ڈیکن، پاسٹر، مبشر اور معلم وغیرہ بھی تھے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ "خدا نے کلیسیا میں الگ الگ شخص مقرر کئے۔ پہلے رسول دوسرے نبی، تیسرے اُستاد، پھر معجزے دکھانے والے، پھر شفا دینے والے، مددگار، منتظم، طرح طرح کی زبانیں بولنے والے۔ بشارت دینے والے چرواہے بنا کر دے دیا تاکہ مقدس لوگ کامل بنیں اور خدمت گزاری کا کام کیا جائے اور مسیح کا بدن ترقی پائے "(اعمال ۱۳: ۱؛ ۱۵: ۲۲؛ ۱۹: ۶؛ ۱۔ کرنتھیوں ۱۲: ۲۸؛ افسیوں ۴: ۱۱ وغیرہ)۔ رسول مختلف آدمیوں کو اُن کی لیاقت کے مطابق مختلف کاموں کے لئے دُعا اور روزہ کے بعد چُن لیتے تھے (اعمال ۱۵: ۲۲؛ ۶: ۳ وغیرہ)۔

ہم ان اقسام میں سے خاص طور پر یہاں دو قسم کے لوگوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں یعنی اوّل وہ جو بشارت یا منادی کرتے تھے اور دوسرے وہ جو معلم اور استاد تھے اور تعلیم (Didache) دیتے تھے۔ مقدس پولُس رسول کے خطوط میں ان دونوں قسم کے لوگوں میں تمیز کی گئی ہے۔ مناد مسیحیت کے اُصول کی تعلیم دیا کرتے تھے لیکن معلموں کا یہ کام تھا کہ وہ اس منادی کی تشریح اور توضیح کرکے اپنے علم کے زور سے یہود کو قائل کریں۔

بعض مثلاً پطرس رسول صرف مناد ہی تھے (اعمال باب ۲ وغیرہ؛ ۲۔ پطرس ۳: ۱۵تا۱۶)۔ لیکن بعض مناد اور معلم دونوں تھے۔ مثلاً پولُس رسول فرماتا ہے کہ "ہم مسیح مصلوب کی منادی کرتے ہیں "(۱۔ کرنتھیوں ۱: ۲۳) لیکن وہ ساتھ ہی معلم بھی ہے اور کہتا ہے کہ "ہم کاملوں میں حکمت کی باتیں کہتے ہیں "(۱۔ کرنتھیوں ۲: ۶ وغیرہ)۔ یہ منادی مسیحیت کے اصول پر مشتمل تھی۔ یہ منادی "نیو " تھی جس کو اُس توفیق کے موافق جو خدا نے منادوں کو بخشی تھی "وہ دانا معمار کی طرح رکھتے تھے اور دوسرے اُس نیو پر عمارت اٹھاتے تھے "(۱۔ کرنتھیوں ۳: ۱۰)۔ یہ عمارت اٹھانے والے معلم یا استاد یا مسیحی "ربی " تھے جن کو رسول فرماتا ہے "ہر ایک خبر دار رہے وہ کیسی عمارت اٹھاتا ہے "۔ اگر کوئی اس نیو پر سونا یا چاندی یا بیش قیمت پتھروں یا

لکڑی یا گھاس یا بھوسے کا ردار کھے تو اُس کا کام ظاہر ہو جائے گا"(ا۔کرنتھیوں ۳: ۱۲)۔پس "نیو"ایک ہی تھی جس کے کونے کے سرے کا پتھر خود مسیح یسوع ہے۔اُسی میں ہر ایک عمارت (یعنی ہر معلم کی نظامِ تعلیم) مل ملا کر خداوند میں ایک پاک مقدس بنتا جاتا ہے"(ا۔کرنتھیوں ۳: ۱۱؛افسیوں ۲: ۲۱ وغیرہ)۔ہر رسول کی "منادی"کا نفس مضمون ایک ہی تھا۔چنانچہ پولُس رسول فرماتا ہے "خواہ میں ہوں خواہ دوسرے رسول ہوں ہم یہی منادی کرتے ہیں اور اسی پر تم ایمان بھی لائے"(ا۔کرنتھیوں ۱۵: ۱۱)۔

مقدس پولُس نے یہ خط یہود نو مریدوں کو آنخداوند کی صلیبی موت کے ۲۳ سال بعد ۵۳ء میں لکھا تھا۔پس ان ۲۳ سالوں میں اور ان کے پہلے بھی تمام نو مریدوں کو خواہ وہ یہود تھے یا غیر یہود ایک ہی منادی کی جاتی تھی۔اگر "منادی" کے اُصولوں کی تشریح اور توضیح قدرتی طور پر یہود کے لئے ایک طریقہ سے کی جاتی تھی اور غیر یہود کو اُسی منادی کے اُصول دوسرے طریقوں سے سمجھائے جاتے تھے۔

پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس منادی کا نفس مضمون کیا تھا؟لفظ منادی کے لئے انجیل میں یونانی لفظ(Kerygma)"کرگما"استعمال کیا گیا ہے۔اس لفظ کے فعل کے معنی ہیں "نقیبِ شاہی یا خبر دینے والے منادی کرنے والے کے فرائض یا اعلان کرنا"۔اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی پیغام کا اختیار کے ساتھ اعلان کرنا۔پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس "منادی"کا نفسِ مضمون کیا تھا جس کا اعلان اختیار اور قدرت سے کیا جاتا تھا؟

اس منادی کے نفسِ مضمون کو معلوم کرنے کے لئے ہمارے پاس دو ماخذ ہیں۔**اوّل** پولُس رسول کے خطوط کے وہ مقامات جن میں وہ ابتدائی کلیسیا کے عقائد کا ذکر کرتے ہیں مثلاً(رومیوں ۱: ۲،الخ؛۱۰: ۹؛ا۔کرنتھیوں ۱۱: ۲۳الخ؛۱۵: ۳۔الخ)وغیرہ۔**دوم** رسولوں کے اعمال کی کتاب کی تقریر جن میں قدیم ترین ایام کے بیانات ہیں جو قدیم سے ہی ارامی زبان میں لکھے گئے تھے۔

پولُس رسول کے خطوط ۵۰ءاور ۶۰ء کے درمیان لکھے گئے تھے۔لہٰذا وہ بھی قدیم ترین خوشخبری اور منادی کے نفسِ مضمون کو معلوم کرنے کے لئے نہایت کار آمد ہیں۔یہ منادی ان خطوط کے احاطہ تحریر میں آنے سے بیس(۲۰)سال پہلے شروع تھی اور کلیسیا میں ابتدا ہی سے رائج ہوتی چلی آتی تھی(ا۔کرنتھیوں ۱۵: ۳)۔مقدس پولُس رسول آنخداوند کی وفات کے صرف تین سال بعد مسیحی ہوگئے تھے لیکن یہ ظاہر ہے کہ وہ مسیحی ہونے سے پہلے ہی اس نئے "طریق" کے اُصولوں سے واقف تھے جب وہ یروشلیم میں ربی گملی ایل کے شاگرد تھے(اعمال ۲۲: ۳تا۵؛۲۰: ۳۵وغیرہ)۔اگر وہ ان اصولوں سے واقف نہ ہوتے تو اُن کو مسیحیوں کو "قتل کرنے کی دھن"نہ ہوتی۔

پولُس رسول کے مکتوبات سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ اس منادی کا نفسِ مضمون حسب ذیل تھا:

(ا۔) انبیائے سابقین کی نبوتیں پوری ہوگئی اور اب مسیح موعود کی آمد سے اس دنیا میں ایک نیا دور شروع ہو گیا ہے۔

(۲۔) سیدنا مسیح جو مسیح موعود ہیں وہ ابن داؤد ہیں جنہوں نے خدا کی قدرت سے معجزات کئے۔

(۳۔) گو سیدنا مسیح اہل یہود کے مسیح موعود ہیں لیکن کتابِ مقدس کی نبوتوں کے مطابق ضرور تھا کہ آپ صلیبی موت مریں تاکہ آپ دنیا کو اس بُرے زمانہ سے نجات عطا فرمائیں۔

(۴۔) موت کے بعد آپ دفن کئے گئے۔

(۵۔) آپ کتابِ مقدس کے مطابق موت پر فتح پاکر تیسرے روز مردوں میں سے جی اُٹھے۔

(۶۔) آپ خدا کے داہنے ہاتھ سر فراز ہیں۔آپ "خدا کا بیٹا"ہیں اور مردوں اور زندوں پر حکمران ہیں۔

(۷۔) آپ بنی آدم کے منجی ہیں اور منصف ہو کر عدالت کے لئے پھر آنے والے ہیں۔

(۸۔) پیغام سننے والوں کو نصیحت، کہ وہ توبہ کریں اور بپتسمہ پاکر گناہوں کی معافی حاصل کریں۔

یہ ہے نفسِ مضمون اِس خوشخبری کا جس کی رسول منادی کرتے تھے۔ انجیل میں اس منادی کو" خدا کی بادشاہت کی منادی" کہا گیا ہے۔ مقدس پولُس اس منادی کو" مسیح کی منادی" کہتے ہیں۔ رسولوں کے اعمال کی کتاب میں یہ دونوں نام موجود ہیں۔ جس کے مطابق رسول"یسوع" کی یا" مسیح" کی یا" خدا کی بادشاہت" کی منادی کرتے تھے۔

مقدس پطرس رسول کی پہلی چار تقریریں یہ ثابت کر دیتی ہیں کہ ابتدا ہی سے رسول مذکورہ بالا باتوں کی منادی کرتے تھے (اعمال ۲: ۱۶؛ ۳: ۱۸؛ ۳: ۲۴؛ ۲: ۳۰۔۳۱؛ ۲: ۲۲؛ ۳: ۲۲؛ ۳: ۱۳۔۱۴؛ ۲: ۲۴۔۳۱؛ ۳: ۱۵؛ ۴: ۱۰؛ ۲: ۳۳۔۳۶؛ ۳: ۱۳؛ ۴: ۱۱؛ ۵: ۳۱؛ ۲: ۱۷۔۲۱؛ ۵: ۳۲؛ ۳: ۲۱؛ ۱۰: ۴۲؛ ۲: ۳۸۔۳۹؛ ۳: ۱۹؛ ۵: ۲۵۔۲۶؛ ۴: ۱۲؛ ۵: ۳۱؛ ۱۰: ۴۳)۔

پس مقدس پطرس رسول بھی مقدس پولُس کی تائید کرتے ہیں۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قدیم ترین ایام سے تمام رسولوں کی منادی کا نفسِ مضمون واحد تھا خواہ وہ اہل یہود کو نجات کا پیغام دیتے تھے اور خواہ وہ بُت پرست غیر یہود اقوام میں منادی کرتے تھے۔ اناجیلِ اربعہ اس بات کی گواہ ہیں کہ دوازدہ رسولوں کی منادی کا نفسِ مضمون بجنسہ وہی تھا جو حضرت کلمتہ اللہ نے خود اپنی زبان معجز بیان سے ان کو سکھلایا تھا۔ ہم اس نکتہ پر انشاء اللہ آگے چل کر مفصل بحث کریں گے۔

(۲)

منجی کونین (دونوں جہاں کا بچانے والا) کی وفات کے دو سال کے اندر اندر خاص یروشلیم میں ایمان داروں کا" شمار بہت ہی بڑھتا گیا" (اعمال ۶: ۷)۔ اس مختصر عرصہ میں ایمان دار ارضِ مقدس کے مختلف مقاموں، شہروں اور قصبوں اور گاؤں میں پھیل گئے تھے اور شمار میں ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ اتنی بڑی تعداد کو تعلیم دینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن رسولوں نے ایمانداروں کی جماعت کو نئی تشکیل دے دی تھی۔ پس اُن کے حُسن انتظام کی خوبی نے یہ مسئلہ حل کر دیا۔ اُنہوں نے قابل اور دیانتدار" خادموں" (کلسیوں ۱: ۷؛ ۴: ۷؛ ۴: ۱۲؛ رومیوں ۱۶: ۶، ۹، ۱۲ وغیرہ)۔ اور عالم ایمانداروں کے ہاتھوں میں تعلیم کا کام سونپ دیا"۔ مثلاً پولُس رسول نے کلسے کے غیر یہود طالبانِ حق کے لئے اپفراس کو مقرر کیا تھا کہ اُن کو مسیحی طریق نجات کی تعلیم دے" (کلسیوں ۱: ۷؛ ۴: ۷، ۱۲ وغیرہ)۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ" کاہنوں کی بڑی گروہ" بھی آنخداوند کی حلقہ بگوش ہو گئی (اعمال ۶: ۷)" فریسیوں کے علم پرور فرقہ میں سے بھی ایمان لے آئے تھے" (اعمال ۱۵: ۵) وہ نہایت مقتدر اور بارسوخ شمار کئے جاتے تھے (اعمال ۲۱: ۱۸۔ ۲۵ وغیرہ) یہ دونو گروہ اُن لوگوں کو جو رسولوں اور دیگر مبلغوں کی" منادی" کے ذریعہ کلیسیا میں شامل کئے جاتے تھے تعلیم دیتے تھے تاکہ" جس طرح انہوں نے مسیح یسوع خداوند کو قبول" کیا اسی طرح اس میں چلتے رہیں اور اس میں جڑ پکڑتے اور تعمیر ہوتے جائیں اور جس طرح انہوں نے تعلیم پائی اسی طرح ایمان میں مضبوط رہیں" (کلسیوں ۲: ۷)۔ یہ کاہن اور فریسی آنخداوند کی تعلیم اور سوانح حیات کے چشم دید جیتے جاگتے گواہ بھی تھے۔ اُن میں سے بعض حضرت کلمتہ اللہ کے خفیہ شاگرد بھی رہ چکے تھے اور اپنی قوم کے سر برآوردہ لوگوں میں شمار ہوتے تھے (یوحنا ۳: ۲، ۲۳: ۵۰)۔ ایسے سرداروں کی تعداد بہت تھی جو سیدنا مسیح کی حینِ حیات میں آپ پر ایمان لاچکے تھے۔ مگر علانیہ اقرار نہیں کرتے تھے (یوحنا ۱۲: ۴۲)۔ اب یہ تمام سر برآوردہ لوگوں کی جماعت علانیہ سیدنا مسیح پر ایمان لے آئی تھی (اعمال ۶: ۷؛ ۱۵: ۵؛ ۲۱: ۲۰ وغیرہ)۔ اور علماء کا طبقہ کلیسیا میں تعلیم اور درس وتدریس کے کام پر مامور ہوا۔

(۳)

ظاہر ہے کہ اُن بے شمار ایمانداروں کو سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیم اور کلماتِ طیبات سے واقف ہوں۔اُن کے استادوں اور معلموں نے خود اپنے کانوں سے سیدنا مسیح کی زبانِ معجز بیان سے مختلف اوقات پر تعلیم سنی تھی۔ پس وہ اس بات کے اہل تھے کہ دوسروں تک آپ کی تعلیم کے اُصول پہنچائیں اور اُن پر انبیائے سابقین اور آنخداوند کی خصوصی تعلیم میں جو فرق ہے تفصیلی طور پر ظاہر کریں۔

حسنِ اتفاق سے ان معلموں کے ہاتھوں میں ایک رسالہ بھی تھا جو حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیم اور آپ کے کلماتِ طیبات پر مشتمل تھا۔اس رسالہ میں سیدنا مسیح کے دوازدہ رسولوں میں سے ایک نے یعنی مقدس متی رسول نے آپ کے کلمات کو جمع کر رکھا تھا۔اس رسالہ کا ہم مفصل ذکر آگے چل کر کریں گے۔ان معلموں کے لئے یہ رسالہ نہایت معتبر اور کار آمد تھا۔وہ اس کی مدد سے اُن نو مریدوں کو ایسی باتیں بتلا سکتے تھے جن کے وہ خود چشم دید گواہ نہیں تھے۔اس رسالہ کی نقلیں کی گئیں تاکہ آنخداوند کی تعلیم سے ہر کس وناکس (تمام لوگ) واقف ہو جائے۔اس رسالہ کلمات کے علاوہ ان ابتدائی ایام میں حضرت کلمتہ اللہ کے اقوالِ زریں (بیش قیمت باتیں) دیگر پاروں میں بھی تحریری شکل میں موجود تھے، مثلاً ہم کو حال ہی میں ملکِ مصر میں بعض پارے (ٹکڑے) دستیاب ہوئے ہیں جو پپائرس پر لکھے ہیں جن میں "(سیدنا مسیح کے نئے کلمات) New Sayings of Jesus سب سے زیادہ مشہور ہے[1]۔

ان کے علاوہ آنخداوند کے بعض ایسے مستند اقوال موجود تھے جو اناجیل اربعہ میں درج نہیں ہیں۔ مثلاً مقدس پولُس افسس کے بزرگوں سے آخری وصیت کر کے کہتا ہے کہ "خداوند مسیح کی باتیں یاد رکھنا چاہئیں کہ اُس نے خود کہا کہ دینا لینے سے زیادہ مبارک ہے" (اعمال ۲۰: ۳۵)۔ بعض ایسے معتبر اور مستند کلمات غیر مروجہ اناجیل میں بھی محفوظ ہیں جو سینہ بہ سینہ اُن کے مصنفوں تک پہنچے تھے۔

(۴)

رسول اپنی "منادی" میں بار بار انبیائے سابقین کی کتابوں اور نبیوں کا حوالہ دیتے تھے (اعمال ۲: ۱۶، ۲۵، ۳۴؛ ۴: ۱۱؛ ۷ باب؛ ۱۰: ۴۳؛ ۱۳: ۲۷، ۳۲۔ ۳۸ وغیرہ)۔ وہ یہود کے ساتھ "کتابِ مقدس سے بحث کرتے اور اس کے معنی کھول کھول کر دلیلیں پیش" کیا کرتے تھے (اعمال ۱۷: ۲)۔ اہل یہود کو سیدنا مسیح کے قدموں میں لانے کا یہ قدرتی طریقہ تھا تاکہ اُن پر واضح ہو جائے کہ جن باتوں کی رسول "منادی" کرتے ہیں وہ "کتابِ مقدس کے مطابق" ہیں (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۳)۔

اُس زمانہ میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے چشم دید گواہوں سے آنخداوند کی بابت سنا تھا۔ایک ایسے شخص کا اعمال میں ذکر پایا جاتا ہے (اعمال ۱۸: ۲۴۔ ۲۸)۔اپلوس ایک عالم شخص تھا جو "سکندریہ کا رہنے والا خوش تقریر، فصیح البیان (خوش کلام) اور کتابِ مقدس کا ماہر تھا"۔جب وہ افسس میں آیا تو وہ یوحنا بپتسمہ دینے والے کا شاگرد تھا۔پس اس کو "خدا کی راہ اور زیادہ صحت سے بتائی" گئی اور وہ کرنتھس کی کلیسیا کا استاد بنا کر وہاں بھیجا گیا۔اس طریقہ کار سے پتہ لگتا ہے کہ مختلف اور دور دراز کے مقامات کے ایمانداروں کو تعلیم دینے کا کس طرح بندوبست کیا جاتا تھا اور یہ معلم کس پایہ کے

[2] Rev.R. Dunkerely, The Reliability of the Gospels, Expositor Aug.1924

عالم ہوتے تھے۔اپلوس نے "وہاں پہنچ کران لوگوں کی بڑی مدد کی جو فضل کے سبب سے ایمان لائے تھے۔کیونکہ وہ کتابِ مقدس سے یسوع کا مسیح ہونا ثابت کرکے بڑے زور وشور سے یہودیوں کو علانیہ قائل کرتا رہا"(اعمال۱۸: ۲۷۔۲۸)۔

اہلِ یہود میں مسیحی نجات کی خوشخبری کا احسن طور پر پرچار نہیں ہو سکتا تھا تاوقت یہ کہ عہدِ عتیق کے حوالوں سے "منادی" کی تائید ثابت نہ ہو۔ پولُس رسول کا بھی یہی وطیرہ(طریقہ) تھا مثلاً وہ تھسلنیکے میں" دستور کے موافق کتابِ مقدس سے یہود کے ساتھ بحث "کرتے رہے اور"کھول کھول کر دلیلیں پیش "کرکے یہ ثابت کرتے تھے کہ یسوع ہی مسیح موعود ہے اور مسیح کے لئے دکھ اٹھانا ضرور تھا اور کہ مسیح کتابِ مقدس کے مطابق مردوں میں سے جی اٹھا(اعمال۱۷: ۲۔۳)۔

پس مسیحی معلموں اور استادوں کی فاضل جماعت کے مسیحی کاہنوں اور مسیح فریسیوں نے انبیائے سابقین کی کتابوں اور عہدِ عتیق کی دیگر کتُب کا غائر(گہرا) مطالعہ کیا تاکہ کتابِ مقدس کے اُن تمام مقامات کا سب ایمانداروں کو علم ہو جائے جن کی رو سے آنخداوند کی زندگی کے واقعات کا ہونا ضرور تھا۔ پس انہوں نے اپنے استادِازل کے نمونہ کے مطابق ایمانداروں کو" موسیٰ سے اور سب نبیوں سے شروع کرکے سب نوشتوں میں جو باتیں اُس کے حق میں لکھی ہوئی ہیں وہ اُن کو سمجھادیں"(لوقا۲۴: ۲۷)۔

ڈاکٹر ہیرسDr.Rendel Harris نے یہ نظریہ قائم کیا کہ قدیم کلیسیا نے سیدنا مسیح کی مسیحائی ثابت کرنے کے لئے ایک مستقل رسالہ میں کل آیات اور مقامات جمع کردیئے تھے۔اس رسالہ کو اس عالم نے (Testamonies)(رسالہ اثبات) کا نام دیا۔ تیسری صدی کے درمیان میں مقدس سپرین نے بھی ایک اسی قسم کا رسالہ تالیف کیا تھا۔ لیکن اُس نے یہ کتاب خود تصنیف نہیں کی تھی بلکہ وہ پہلے ہی سے لکھی ہوئی تھی۔اس نے صرف اس کی نظر ثانی کرکے اُس میں چند ایزادیاں(اضافت) کی تھیں۔ڈاکٹر ہیرس نے یہ بھی ثابت کردیا ہے کہ اس قسم کی آیات کے مجموعے طرطلیان ،آئرنیوس اور جسٹن شہید کی تصنیفات میں بھی پائے جاتے ہیں۔اس عالم نے یہ بھی ثابت کردیا ہے کہ

(۱)انجیل جلیل کے مختلف مصنفین اس قدیم کلیسیا کے"رسالہ اثبات" سے اقتباسات پیش کرتے ہیں اور کہ

(۲)ان اقتباسات کا متن عام طور پر سپٹواجنٹ کے متن کے مطابق نہیں ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کسی دوسرے یونانی ترجمہ کا استعمال کرتے ہیں۔ڈاکٹر موصوف کا یہ بھی نظریہ ہے کہ

(۳)انجیل کی کتب کے مصنفین کے استعمال سے پہلے ہی اس" رسالہ اثبات" کی بعض مختلف آیات ایک دوسرے سے باہم پیوستہ تھیں۔ اور اسی واسطے انجیل کے مصنفین نے ان آیات کا اکٹھا اقتباس کیا ہے۔ مثلاً(مرقس۱: ۲،۳) میں ملاکی اور یسعیاہ کی کتب کی آیات جو اکٹھی لکھی ہیں وہ اس واسطے اکٹھی لکھی گئیں ہیں کیونکہ وہ اس انجیل کے لکھے جانے سے پہلے" رسالہ اثبات" میں اکٹھی کی گئی تھیں۔

ڈاکٹر موصوف کا یہ خیال ہے کہ اس رسالہ اثبات میں اس کے مصنفوں نے کتابِ مقدس کی آیات کو مختلف عنوانات کے ماتحت اُن کے موضوع کے مطابق اکٹھا جمع کیا گیا تھا جس طرح تیسری صدی میں مقدس سپرین نے کیا تھا۔

تمام حالات کو مدِ نظر رکھ کر یہ عالم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ یہ "رسالہ اثبات "اگر قدیم ترین رسالہ نہیں تو کم از کم قدیم ترین زمانہ سے متعلق ہے اور انجیل جلیل کی تمام کُتب سے پہلے احاطہ تحریر میں آیا تھا[1]۔

اُن یہودی نومریدوں کے لئے یہ لازمی امر تھا کہ اس بات کو جانیں کہ مسیح موعود کے لئے یہ کیوں "ضرور" تھا کہ وہ" سردار کاہنوں اور فقیہوں کے حوالہ کیا جائے اور وہ اس کے قتل کا حکم دیں"اور یہود اپنے مسیح کو" غیر قوموں کے حوالہ کریں جو اسے ٹھٹھوں میں اڑائیں اور اُس پر تھوکیں اور اسے کوڑے ماریں اور قتل کریں"(مرقس ۱۰: ۳۳۔ ۳۴)۔انجیلِ جلیل کے ناظرین کو یاد ہوگا کہ جب آنخداوند نے اپنے رسولوں کو صلیب کی خبر دی تھی تو اُن کا ردِ عمل یہ تھا"۔اے خداوند، خدا نہ کرے۔یہ تجھ پر ہر گز نہیں آنے کا"(متی ۱۶: ۳۲)۔اہلِ یہود کے خیال میں مسیح موعود اور صلیبی موت دو متضاد تصور تھے۔" مسیح مصلوب یہودیوں کے نزدیک ٹھوکر" تھا(۱۔کرنتھیوں ۱: ۲۳)۔پس مسیحی معلموں کے لئے ضرور ہوا کہ وہ نومریدوں کو مفصل طور پر ان واقعات اور اسباب سے مطلع کریں جن کی وجہ سے مسیح موعود مصلوب ہوئے اور آپ کے "دکھوں" کی تفصیلات بتلائیں جو آپ کی زندگی کے آخری چوبیس گھنٹوں میں آپ کے پیش آئیں۔ان معلموں نے نومریدوں پر یہ بھی ثابت کرنا تھا کہ "صلیب کا پیغام ہلاک ہونے والوں کے نزدیک تو بے وقوفی ہے مگر ہم نجات پانے والوں کے نزدیک خدا کی قدرت ہے"(۱۔کرنتھیوں ۱: ۱۸)۔

پس معلموں کو ابتدائی ایام ہی میں یہ ضرورت پیش آئی کہ صلیبی واقعہ کا ایک مربوط اور مسلسل بیان مرتب کریں تاکہ نومرید اس واقعہ کی تفصیلات سے آگاہ ہو جائیں اور اُن پر ان واقعات کی اصل وجہ اور غائت بھی منکشف (ظاہر) ہو جائے کہ اس قسم کے روح فرسا اور جاں کا واقعات کا مسیح موعود کے درپیش ہونا کیوں ضرور تھا۔

صلیبی واقعہ کی چشم دید گواہ "ایک بڑی بھیڑ" تھی (مرقس ۱۵: ۱۲؛ لوقا ۲۳: ۲۷ وغیرہ)۔جو عید کے موقعہ پر ارض مقدس کے مختلف مقامات سے یروشلیم میں جمع ہوئی تھی۔اس بھیڑ میں یروشلیم کے رہنے والے بھی تھے۔جب ان چشم دید گواہوں میں سے صدہا آنخداوند کے حلقہ بگوش ہو گئے تو انہوں نے جو دیکھا اور سنا تھا لوگوں سے بیان کیا۔اناجیل اربعہ کے غائر مطالعہ سے ثابت ہے کہ جس طرح مختلف مقامات کی کلیسیاؤں نے آنخداوند کے اقوال کو مختلف پاروں میں جمع کر رکھا تھا، اسی طرح صلیبی واقعہ کے مختلف بیانات مختلف کلیسیاؤں میں مروج تھے۔ان بیانات میں قدرتی طور پر تفصیلی اور جزوی باتوں میں معمولی اختلافات تھے تاہم یہ بیانات مجموعی طور پر ایک دوسرے سے اتفاق کرتے تھے۔چنانچہ انجیل مرقس کا بیان بنیادی ہے اور مقدس متی کی انجیل کا بیان اس کی محض دوسری ایڈیشن ہے جس میں چند دیگر باتیں ایزاد (اضافی) کر دی گئی ہیں۔مقدس لوقا کا بیان زیادہ مکمل ہے اس کی پلان دہی انجیل دوم کی ہی ہے جس سے ظاہر ہے کہ مقدس مرقس کی انجیل کے صلیبی واقعہ کا بیان قدیم ترین زمانہ سے چلا آتا ہے۔اور یہ وہ بیان ہے جس کو ابتدائی ایام کی کلیسیا کے معلموں نے مختلف چشم دید گواہوں کے بیانات سے "ترتیب دار" مرتب کیا تھا۔(لوقا ۱: ۱)تاکہ نومریدوں کو آنخداوند کے صلیبی واقعات اور ان کی تفصیلات سے آگاہی ہو جائے۔چنانچہ بی۔ایچ برنیز کومب اپنی تفسیر میں کہتا ہے کہ سیدنا مسیح کے "صلیبی واقعہ کا بیان تحریر میں آچکا تھا"۔[2]

[1] C.H.Dodd, According to Scriptures (1953)
[2] B.H.Brans Comb Moffat, Commentary on Mark p.xxxiv.

دورِ حاضرہ کے نقاد جو "فارم کرٹک "Form Critic کہلاتے ہیں متفقہ آواز سے بانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ قدیم کلیسیا میں سب سے پہلے صلیبی واقعہ کے بیان مسلسل طور پر لکھے گئے تھے۔

انگریز عالم ونسنٹ ٹیلر Vincent Taylor کہتا ہے[1]۔

"صلیبی واقعہ کا بیان جو اناجیل اربعہ میں محفوظ ہے دیگر انجیلی بیانات سے اس بات میں مختلف ہے کہ وہ مسلسل اور مربوط ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ شروع سے چلا آتا ہے۔اس کا طرز بیان اور ترتیب اس کی صداقت پر گواہ ہے اور ثابت کرتی ہے کہ یہ بیان ایک تواریخی حقیقت ہے"۔

جرمن عالم ایڈورڈ مائر Edward Meyer کہتا ہے[2] کہ "آخری فسح کا بیان انجیل کے قدیم ترین حصص (حصہ کی جمع) سے متعلق ہے گتسمنی اور گرفتاری کے بیان صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ مقدس پطرس کی زبان کے بیان ہیں۔(مرقس ۱۲ باب) کے واقعات اس وضاحت سے لکھے گئے ہیں کہ آنکھوں کے سامنے ان کا سماں بند جاتا ہے اور وہ خارجی حالات کے بھی عین موافق ہیں۔اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں کہ اس بیان کا سرچشمہ معتبر ترین ہے۔اگر یہ بیانات بعد کے زمانہ کے لکھے ہوتے تو وہ اس قسم کے نہ ہوتے۔مثلاً لکھا ہے کہ مسیح دورانِ مقدمہ میں تقریباً خاموش رہے لیکن اگر یہ بیان بعد کے زمانہ میں لکھے جاتے تو وہ اناجیل موضوعہ کے بیانات کے سے ہوتے۔ جن میں آنخداوند یوحنا رسول سے ، صدر عدالت والوں سے ، ہیرودیس سے اور پلاطوس وغیرہ سے لمبی چوڑی گفتگو اور بحث کرتے ہیں۔پس واقعہ صلیب کے انجیلی بیانات قدیم ترین اور صحیح ترین ہیں"۔

ڈاکٹر ونسنٹ ٹیلر اپنی کتاب میں سوال کرتا ہے[3]۔کہ "جب مقدس پولُس فرماتا ہے کہ مسیح کتابِ مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لئے موا" (ا۔کرنتھیوں ۱۵: ۳) تو وہ کتابِ مقدس کے کس حصہ کی طرف اشارہ کرتا ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ آپ کا مطلب یسعیاہ ۵۳: ۵۔۶،۸،۱۱۔۱۲؛ دانی ایل ۹: ۲۶؛ زکریاہ ۱۳: ۷؛ یوناہ ۱: ۱۷؛ زبور ۱۶: ۸۔۱۱) وغیرہ کے مقامات سے تھا۔لیکن بس مین Bus Mann کہتا ہے کہ نہ صرف ان مقامات میں سے کوئی بھی پولُس رسول کے ذہن میں نہ تھا بلکہ وہ عہد عتیق کی کسی کتاب کی طرف اشارہ نہیں کرتے بلکہ "کتابِ مقدس" سے آپ کا مطلب صلیبی واقعہ کے اُن بیانات سے تھا جو کلیسیا میں موجود تھے۔آپ کا مطلب درحقیقت اُن ابتدائی بیانات سے ہے جن کا ذکر مقدس لوقا اپنے دیباچہ میں کرتے ہیں (لوقا ۱: ۱)۔یہ عالم کہتا ہے کہ (ا۔کرنتھیوں ۱۵: ۳) سے ظاہر ہے کہ صلیبی واقعہ کا بیان احاطہ تحریر میں آچکا تھا اور کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں موجود تھا۔

شمٹ Schmidt بھی کہتا ہے کہ صلیبی واقعہ کا ایک مسلسل اور مربوط بیان، سارے کا سارا عبادت کے دوران میں درد کے طور پر پڑھا جاتا تھا[4]۔

پس ظاہر ہے کہ ابتدائی ایام سے ان معلموں نے جو علم وفضل کے لحاظ سے ممتاز تھے کلیسیا کے ہاتھوں میں نہ صرف "رسالہ کلمات" اور "رسالہ اثبات" دے دیا تھا بلکہ اُن نو مریدوں کی خاطر ایک رسالہ میں مسلسل مربوط بیان بھی لکھ دیا تھا۔جس میں منجی عالمین کی زندگی کے آخری دنوں اور آخری واقعات کا بیان ترتیب وار مرتب تھا۔

---

[1] Vincent Taylor, The Formation of the Gosple Tradition (1933).p45
[2] Ibid.p.46
[3] Ibid p.49
[4] Ibid p.48

چونکہ صلیبی واقعہ یروشلیم کے شہر میں واقعہ ہوا تھا لہٰذا اس کا ترتیب وار مسلسل بیان بھی عالمِ وجود میں جلدی آگیا۔ لیکن آنخداوند اپنی ظفریاب قیامت کے بعد مختلف لوگوں کو ارضِ مقدس کے مختلف صوبوں اور مقاموں میں نظر آئے تھے۔ لہٰذا وہ بیانات جو آپ کی قیامت سے متعلق ہیں مسلسل اور ترتیب وار نہیں ہیں بلکہ منتشر (بکھرا ہوا) قسم کے ہیں کیونکہ وہ مختلف کلیسیاؤں میں مروج تھے۔ جن کو انجیل نویسوں نے بڑی کاوش کے بعد مختلف لوگوں اور مقاموں سے بعد میں اکٹھا کیا۔ چنانچہ مقدس پولُس کی ایک فہرست ہے (۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۴۔۸) اعمال ۲۲ اور ۲۶ باب میں آپ کے بیانات ہیں۔ بعض بیانات یروشلیم سے مخصوص ہیں۔ لوقا ۲۴ باب میں صوبہ گلیل میں دکھائی دینے کے بیان نہیں ہیں۔ (لوقا ۲۴: ۳۴ اور ۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۵) میں ذکر ہے کہ آنخداوند مقدس پطرس کو نظر آئے۔ لیکن اناجیل اربعہ میں اس واقعہ کا بیان پایا نہیں جاتا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند کے واقعہ قیامت میں کوئی ایسی ترتیب موجود نہیں جیسی واقعہ صلیب میں پائی جاتی ہے جس کا بیان مسلسل اور مربوط ہے۔

(۵)

جب غیر یہود اقوام میں سے بھی نو مرید جوق در جوق مسیحی کلیسیا میں داخل ہوگئے تو اُن کے لئے بھی یہ تینوں مندرجہ بالا رسالے بڑے کام کے تھے۔ پس یہ رسالے اُن نو مریدوں کے لئے یونانی زبان میں ترجمہ کئے گئے کیونکہ پہلے پہل جب یہ لکھے گئے تھے تو قدرتی طور پر وہ ارامی زبان میں مرتب کئے گئے تھے۔ ان رسالوں میں سے بالخصوص "رسالہ کلمات" غیر یہود کی ضروریات کو پورا کرتا تھا۔ پس اس کے یونانی زبان میں کئی ترجمے کئے گئے۔ ان میں سے دو ترجموں کا ذکر ہم انشاء اللہ آگے چل کر کریں گے۔

جب کلیسیا میں یہودی اور غیر یہودی ہزاروں کی تعداد میں شامل ہوگئے تو استادوں اور معلموں کی فاضل جماعت کے سامنے طرح طرح کے مسئلے اور قسم قسم کے سوال نو مریدوں کی دونوں مختلف جماعتوں نے پیش کئے تاکہ وہ اُن کا حل ڈھونڈیں اور ان کے سوالوں کا جواب دیں تاکہ مسیحی کلیسیا کے افراد کی روحانی ضروریات پوری ہو سکیں۔ بعض نقادوں نے جو "فارم کرٹکس" form critics کہلاتے ہیں ان سوالات کو چار اقسام کے بتلایا ہے۔

(۱۔) یہ نو مرید چاہتے تھے کہ مسیحی ایمان اور عمل کے بارے میں اُن کی ہدایت ہو سکے۔ مثلاً بزرگوں کی روایات اور سبت کے احکام کے متعلق اُن کا کیا رویہ ہونا چاہیے (مرقس ۷: ۱تا ۶)۔ موسوی شریعت کے متعلق اُن کو کیا کرنا چاہیے (اعمال ۱۵: ۱وغیرہ)۔ فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی اور اُن کی راستبازی میں کیا فرق ہے (متی ۵: ۲۰؛ ۳: ۱۵وغیرہ)۔ دشمنوں سے محبت کیوں کریں؟ خیرات، دُعا، روزہ، حرام حلال وغیرہ کے کیا احکام ہیں۔ بے ایمانوں کا اور ایمانداروں کا انجام کیا ہوگا؟ سیدنا مسیح کب واپس آئیں گے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان سوالوں کے جواب میں وہ گواہ اور رسول جنہوں نے آنخداوند سے ان اور دیگر مسائل پر گفتگو کی تھی حضرت کلمتہ اللہ کے اُن کلمات کا ذکر کرتے تھے جو انہوں نے کانوں سے سنے تھے۔ ان واقعات اور کلمات کو مختلف پاروں میں جمع کیا گیا تاکہ دور دراز کے مقامات کے نو مرید اُن سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

(۲۔) یہ نو مرید قدرتی طور پر آنخداوند کے سوانح حیات اور کلماتِ طیبات سے واقف ہونا چاہتے تھے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے "رسالہ کلمات" کی نقلیں کی گئیں۔ تاکہ قصبات، مضافات اور دیار و امصار کی کلیسیائیں ایمان میں مضبوط ہو جائیں۔ اس کے علاوہ ہزاروں چشم دید گواہ زندہ تھے جو مختلف مقامات میں رہائش گزیں تھے اور مقامی کلیسیاؤں سے آنخداوند کے معجزاتِ بینات اور سوانح حیات کا ذکر کرتے تھے اور یوں

نومریدوں کے ایمان کی استقامت (قیام) کا باعث تھے۔اُن کے بیانات مختلف پاروں میں مختلف کلیسیاؤں کے لئے لکھے گئے تھے اور معلموں کی جماعت ان کو تعلیم دیتی تھی۔

(۳۔) تیسری قسم کے سوالات کا تعلق عبادت کے ساتھ تھا۔اعمال کی کتاب سے ظاہر ہے کہ یہودی نومرید قدیم الایام میں ہیکل میں عبادت کرنے کے علاوہ اپنی خاص عبادت کیا کرتے تھے (اعمال ۱: ۱۳۔ ۲: ۱، ۴۶؛ ۴: ۲۳۔ ۳: ۱ وغیرہ)۔ان عبادتوں میں وہ اُن خاص باتوں کو ادا کرتے جو اُن سے مخصوص تھیں یعنی عشائے ربانی وغیرہ (اعمال ۲: ۴۶ ؛۱۔ کرنتھیوں ۱۰: ۱۶ تا ۱۷ وغیرہ)۔ان عبادتوں میں وعظ بھی ہوتے جن میں منجی عالمین کے کردار وگفتار بتلائے جاتے تھے (اعمال ۲۰: ۹ وغیرہ)۔یہود اور غیر یہود قربانیاں کرتے تھے اور نذریں گذارنتے تھے۔پس یہ سوال پیدا ہوئے کہ کیا بتوں کے آگے قربانی کرنا یا ہیکل میں قربانیاں گذارنا جائز ہے؟ کیا قربانیوں کے گوشت کو کھانا جائز ہے وغیرہ وغیرہ۔

(۴۔) چوتھی قسم کے سوالوں کا تعلق بحث سے تھا۔جب یہود یا غیر یہود میں سے کوئی نوُمرید ہوتا تو قدرتاً لوگ اس پر ٹوٹ پڑتے اور ایذاؤں کے علاوہ اس پر سوالوں کی بوچھاڑ ہوتی تھی۔پس نومریدوں کو جائز وناجائز سوالوں کا جواب دینا ہوتا تھا۔اس کے لئے اُن کے پاس بہترین جواب وہ تھے جو آنخداوند نے ایسے موقعوں پر خود دیئے تھے۔ہزاروں لوگوں نے حضرت کلمۃ اللہ کے جوابات کو خود سنا تھا جن کو سن کر وہ "تعجب کرتے تھے"۔(لوقا ۲۰: ۲۶) ایسا کہ "پھر کسی کو سوال کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی (لوقا ۲۰: ۲۶) ایسے واقعات اور اقوال بھی قدرتی طور پر مختلف اوقات میں اور مختلف مقامات میں پاروں میں جمع کئے گئے تھے تاکہ کلیسیاؤں کے لئے اور نومریدوں کے لئے شمع ہدایت ہوں۔

پس کلیسیا کے وجود کے ابتدائی ایام کے پہلے دس (۱۰) سالوں میں ہی ان استادوں اور معلموں کی فاضل جماعت نے وہ تمام بیانات جمع کرلئے جن کا تعلق کلیسیا کی ضروریاتِ زندگی سے تھا۔اس دوُراندیش رویہ کی وجہ سے کلیسیا کو بقا اور ایمان کی استقامت ملی۔یہ بیانات چشم دید گواہوں کی بیان کردہ معتبر باتیں تھیں جن کو ہزارہا لوگوں نے خود اپنے کانوں سے سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اور جن میں سے بعض واقعات کے یہ فاضل معلم خود بھی چشم دید گواہ تھے۔یہ بیانات مختلف پاروں میں جمع تھے جو مختلف لوگوں اور مقاموں کی کلیسیاؤں اور بالخصوص یروشلیم کی کلیسیا کے پاس محفوظ تھے۔استادوں اور معلموں کی فاضل جماعت ہر جگہ اور بالخصوص یروشلیم میں ان پاروں اور رسالوں کی حفاظت کی ذمہ دار تھی۔

(۶)

اسلامی تاریخ میں رسول عربی کی رحلت کے بعد ہی مختلف سیاسی جماعتیں پیدا ہوگئیں جنہوں نے اپنے اغراض ومقاصد کی تکمیل اور فریقِ مخالف کو زک (شکست) دینے کے لئے قرآنی آیات میں کم وبیشی کی اور احادیث کو وضع کیا۔ان جماعتوں کا اختلاف قومی، مذہبی، سیاسی اور اعتقادی، غرض سبھی قسم کا تھا۔لیکن سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت کے بعد مسیحی کلیسیا کا یہ حال نہ تھا۔سب ایمان دار "ایک دل ہوکر جمع ہوا کرتے اور خوشی اور سادہ دلی سے "زندگی گذارتے تھے "(اعمال ۱: ۱۴؛ ۲: ۴۶؛ ۴: ۲۴؛ ۵: ۱۲ وغیرہ)۔حتیٰ کہ جب غیر یہود کا ختنہ ہونے کی وجہ سے اُن میں افتراق (جُدائی) پیدا ہوا تب بھی "رسول اور بزرگ اور سب ایماندار" ایسے نازک ایام میں "یکدل" رہے (اعمال ۱۵: ۲۲۔ ۲۴)۔پس سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت کے بعد اناجیل اربعہ کی تالیف کے زمانہ تک حالاتِ زمانہ کی وجہ سے ان قدیم ترین پاروں اور سالوں میں کسی قسم کا فرق یا فتور پیدا نہ ہوا، بلکہ وہ بجنسہ (ویسے ہی) لفظ بلفظ ویسے ہی جیسے اُن کے ثقہ (معتبر) اور چشم دید گواہوں نے لکھا تھا۔اور کلیسیا کے استادوں اور معلموں کی فاضل جماعت ان پاروں اور رسالوں کی حافظ اور ذمہ دار رہی۔

باب چہارم

چشم دید گواہوں کے زبانی اور تحریری بیانات

فصل اوّل

زبانی بیانات کے نظریہ کی تنقید

گذشتہ باب میں ہم نے بتلایا ہے کہ کلیسیا کے فاضل اُستادوں اور معلموں کی جماعت نے صدہا چشم دید گواہوں کے بیانات کو جمع کرکے اُن کو رسالوں کی شکل میں ترتیب دے دیا تھا اور کہ ارضِ مقدس کے دیگر شہروں اور قصبوں میں بھی صدہا(سینکڑوں) چشم دید گواہ موجود تھے، جس کی شہادتیں مختلف پاروں میں اُن مقامات کی کلیسیاؤں نے اُن ابتدائی ایام میں محفوظ رکھی تھیں۔ چنانچہ مقدس لوقا اپنی انجیل کے دیباچہ میں ان رسالوں اور پاروں کی جانب اشارہ بھی کرتا ہے لیکن مغربی ممالک کے بعض قابل علماء مثلاً بشپ وسٹکٹ اور ڈاکٹر رائٹ جیسے پایہ کے فاضل کہتے ہیں کہ چشم دید گواہوں کے بیانات احاطہ تحریر میں سالہا سال تک نہیں آئے تھے بلکہ جب تک اناجیل لکھی نہیں گئیں یہ بیانات سینہ بسینہ چالیس پچاس سال تک زبانی حفظ کئے جاتے تھے۔اور دوسروں تک پہنچائے جاتے تھے۔اور وہ لوگ بھی اُن کو رٹ کر حفظ کرلیا کرتے تھے اور یوں تواتر اور تسلسل کا سلسلہ اناجیل اربعہ کے لکھے جانے تک جاری رہا۔یہ تواتر اور تسلسل انجیل کی صحت کا ذمہ دار ہے۔

ان علماء کا خیال ہے کہ آنخداوند نے اپنے شاگردوں اور رسولوں کو اپنے کلمات اور خطبات زبانی یاد کروائے اور چونکہ مشرق کے لوگوں کا حافظہ تیز اور زبردست ہوتا ہے، لہٰذا ان لوگوں کے حافظہ میں حضرت کلمتہ اللہ کے خطبات اور کلمات کا نقش فی الحجر (نہ مٹنے والا، پتھر کی لکیر) ہوگئے۔ اور اُنہوں نے اپنی باری میں سیدنا مسیح کے کلمات کو دوسروں کو حفظ کرایا چنانچہ پادری رائٹ صاحب لکھتے ہیں [1]۔

"زبانی تعلیم اس طرح شروع ہوئی کہ مقدس پطرس نے ایک تختی پر سبق لکھا اور اُس کو اپنے شاگردوں کو پڑھ کر سنایا جنہوں نے اس سبق کو اپنی تختیوں پر لکھ لیا اور وہ اُن کو بلند آواز سے پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ سبق حفظ یاد ہوگیا۔ اگلے روز وہ حافظہ سے اس یاد کردہ سبق کو سنادیتے تھے اور پھر دوسرا سبق پڑھ لیتے تھے۔ یہ طریقہ کار روز بروز جاری رہا ہوگا جب تک کہ مسیحی تعلیم کا ایک اچھا خاصہ حصہ حفظ یاد ہوگیا ہوگا۔ ممکن ہے کہ مقدس پطرس کے پاس ایسی نصف درجن تختیاں ہوں گی جن سے وہ اپنی یاد کو بھی تازہ کرلیتے ہوں گے ایسا کہ آپ کامل طورپر سب باتیں خود یاد ہوگئیں۔ آپ نے ان شاگردوں کو جن کے حافظے تیز ہوں گے استاد بنادیا ہوگا تاکہ وہ اسی طرح دوسروں کو بھی سکھلائیں۔ جب کلیسیاؤں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو اُن استادوں کی ضرورت پڑی جن کا ذکر اعمال کی کتاب اور مقدس پولُس کے خطوط میں پایا جاتا ہے"۔

---

[1] Rev.Arthur Wright," Prof, Stanton on the Synoptic Problem in Exp. Times for Feb.1910. pp.211ff.

"اسی قسم کی عارضی دستاویزیں شروع ہی سے موجود تھیں۔ مقدس مرقس نے بعد کے زمانہ میں مقدس پطرس کے ارامی خطبات کو یونانی میں اس طرح لکھا کہ اس نے پہلے ارامی کے ایک حصہ کو ایک تختی پر لکھا۔ پھر ایک دوسری تختی پر اُس حصہ کا یونانی ترجمہ کر دیا۔ تب اس نے اس ترجمہ کی نظر ثانی کرکے "یونانیوں" کو سکھلایا۔ جس طرح مقدس پطرس نے "عبرانیوں" کی جماعت کو سکھایا تھا"۔

یہی صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں[1]:۔

"مشرقی ممالک میں مغربی ممالک سے زیادہ حافظہ پر زور دیا جاتا ہے۔ چنانچہ قاہرہ کے ازہر یونیورسٹی میں جوان طلباء قرآن کو حفظ کرتے ہیں"۔

ایک اور مقام میں یہ صاحب حضرت محمد عربی کی نظیر دے کر کہتے ہیں کہ " جس طرح آنخضرت نے اپنے صحابہ کو قرآن اور پارے حفظ کرائے تھے اسی طرح حضرت کلمتہ اللہ کا وطیرہ (طریقہ) ہوگا"۔

(۲)

ہم نے باب اول میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ اہل یہود کا ہر بالغ آدمی اور ہر نابالغ چھ سات سال کی عمر سے زیادہ کا بچہ پڑھا لکھا ہوتا تھا کیونکہ ہر بچہ کی تعلیم جبریہ اور لازمی تھی۔ زبانی بیانات کے نظریہ کے حامی اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ حضرت کلمتہ اللہ کے ہم عصر یہود حضرت محمد کے ہم عصر عرب کی مانند ناخواندہ اوراُمی قوم تھے اور کہ اہل یہود کے پاس نوشت وخواند کے لئے صرف نصف درجن کے قریب تختیاں ہی ہوں گی جس طرح اہل عرب کے پاس قرآن کو لکھنے کے لئے " کھجور کے پتے، سفید پتھر کی تختیاں، چمڑے کے پارچے اور شانوں کی ہڈیاں" وغیرہ تھیں۔ اور کہ حضرت کلمتہ اللہ کے شاگردوں نے آپ کے خطبات کو اسی طرح رٹ لیا ہوگا جس طرح ازہر یونیورسٹی کے طلبا قرآن کو حفظ کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ سب اُن کا محض ظن (وہم، تہمت) ہے جو حقیقت سے کوسوں دور ہے۔

(۱) اناجیل اربعہ کی بنیاد حافظہ پر قائم نہیں رہی۔ آپ چاروں انجیلوں کو پڑھیں اور اُس کے ایک ایک صفحہ کی ایک ایک سطر کو چھان ماریں آپ کو اس بات کا شائبہ بھی کہیں نہیں ملے گا کہ حضرت کلمتہ اللہ خطبہ دے کر اپنے شاگردوں کو خلوت میں خطبہ کا ایک ایک لفظ زبانی حفظ کرواتے تھے۔ یہ آنخداوند کا طریقہ کار ہی نہ تھا اور نہ کوئی صاحبِ عقل شخص اناجیل کے مطالعہ کے بعد اس قسم کے طریقہ کو آنخداوند سے متعلق کرنے کا خیال بھی کر سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے سامعین آپ کی تعلیم کو سن کر " حیران رہ جاتے تھے کیونکہ وہ اُن کو فقیہوں کی طرح نہیں۔ بلکہ صاحب اختیار کی طرح تعلیم دیتے تھے" (مرقس ۱: ۲۲ وغیرہ) آپ کے جان لیوا تک اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ "انسان نے کبھی ایسا کلام نہیں کیا" (یوحنا ۷: ۴۶)۔ سیدنا مسیح کا طریقہ یہودی ربیوں کا طریقہ ہی نہ تھا جن کو بات بات پر اپنے استادوں کے کلام کی سند لانی پڑتی تھی اور بغیر سند کورٹ سنائے وہ ایک قدم بھی نہ چلتے تھے۔ آنخداوند تو استادِ ازل تھے۔ ان کے شاگردوں نے بھی رٹنے کا طریقہ کبھی استعمال نہ کیا۔ عہد جدید کی تمام کی تمام کتب اس حقیقت کی گواہ ہیں کہ آپ کے شاگردوں نے نہ تو کوئی خطبہ طوطے کی طرح خود رٹا اور نہ دوسروں کو رٹوایا۔ ڈاکٹر رائٹ صاحب کا یہ قول کہ مقدس پطرس ایک تختی پر سبق لکھتے اور اپنے مصاحبوں سے حفظ کرواتے تھے محض آپ کی قوتِ متخیلہ کے ظن پر مبنی ہے جس میں رتی بھر حقیقت نہیں۔

---

[1] Quoted in Dr, Sanday's article, "The Bearing of Criticism upon the Gospel History in Exp. Times, Dec, 1908.pp.103 ff.

اگر اناجیل کی بنیاد سینہ بسینہ روایات پر ہوتی تو ویڈ کے الفاظ میں "یہ احتمال رہتا ہے کہ قدیم ترین انجیل بھی قابل اعتماد نہیں۔ جب کسی شخص کے خواہ وہ رسول ہی کیوں نہ ہوں) گذشتہ مشاہدات صرف حافظہ کی بناپرے ۳سال کے بعد ایک ایسا شخص لکھے جو ان واقعات میں سے صرف ایک دو کا ہی عینی گواہ ہو تو یہ کہنا زیادہ قرینِ عقل ہے کہ واقعات میں شک کی گنجائش رہ جاتی ہے[1]۔ جو اصحاب حافظہ کے نظریہ پر زور دیتے ہیں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ انسانی حافظہ کسی واقعہ کو صرف اجمالی (مختصر) طور پر ہی درستی سے پیش کر سکتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حافظہ ہر لفظ کی صحت کا بھی ذمہ دار ہو۔ حافظہ کے لئے کسی خطبہ یا تقریر کا ایک ایک لفظ صحت کے ساتھ واقعہ کے چالیس (۴۰) سال بعد دہرانا ایک ناممکن امر ہے۔

"فارم کرٹک Form Critic جو زبانی روایات کے حامی ہیں کہتے ہیں کہ جو روائت سینہ بسینہ چلی آئے وہ کچھ مدت کے بعد ایک خاص جامد صورت اختیار کر لیتی ہے اور اس کے الفاظ تک پکے ہو کر جمہور کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور گویا منجمد ہو جاتے ہیں لیکن پروفیسر برکٹ ایک ایسی مثال دیتے ہیں جس سے اس خیال کا کھوکھلا پن ہر شخص پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ وہ پوچھتے ہیں "کیا یہ لفظ اس قدر پکے ہو جاتے ہیں کہ پانچ ہزار کے کھانے کے معجزہ کے وقت تو "بارہ ٹوکریاں" اٹھائی جائیں (مرقس ۶: ۴۳)۔ اور چار ہزار کے کھانے کے وقت سات "پٹارے" یا "ٹوکرے" اٹھائے جائیں (مرقس ۸: ۸)۔ انجیل مرقس میں الفاظ "ٹوکریاں اور "ٹوکروں" میں تمیز کی گئی ہے اور انجیل اوّل میں بھی یہ تمیز برقرار رکھی گئی ہے۔ (۱۶: ۹تا۱۰، مرقس ۸: ۱۹تا ۲۰)۔ حیرت پر حیرت یہ ہے کہ اس معجزہ میں زبانی روایت کے الفاظ تو اس قدر پکے ہو جائیں کہ دونوں انجیلوں میں ان کا الگ الگ ذکر ہو اور وہ محفوظ نہ کئے جائیں لیکن واقعہ صلیب اور واقعہ قیامت جیسے اہم ترین واقعات کے بیان کرنے میں ان کی تفاصیل اور ان کے الفاظ میں اس قدر اختلاف ہو[2]۔

حق تو یہ ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ نے اپنے رسولوں کو "دعائے ربانی" کے علاوہ اور کوئی شے حفظ نہ کرائی۔ لیکن اس دعا کی بھی دو قرائتیں ہیں جن کے الفاظ میں اختلاف ہے (متی ۶: ۹تا۱۳؛ لوقا ۱۱: ۲تا۴)۔ اگر آنخداوند اپنے مبارک منہ کے الفاظ کو رسولوں سے رٹوایا کرتے تھے تو اس اختلاف کے کیا معنی؟

پروفیسر برکٹ کہتے ہیں "سیدنا مسیح نے اپنے ہاتھوں سے کچھ نہ لکھا۔ آپ نے اپنے شاگردوں کو دعائے ربانی کے الفاظ کے علاوہ اور کچھ نہ سکھلایا اور یہ دعا بھی دو مختلف قرائتوں میں ہم تک پہنچی ہے۔ آپ کا یہ طریقہ ہی نہ تھا کہ شاگردوں کو کوئی مخصوص الفاظ یا مقررہ ترتیب سے جملے حفظ کرائیں۔ اناجیل یہ ظاہر کر دیتی ہیں کہ آپ نے اپنی تعلیم کو کسی خاص نظام میں نہ ڈھالا اور نہ اس کے مختلف حصوں کو آپ نے مسلسل اور مربوط (وابستہ) کیا۔ آپ کی تعلیم میں کوئی تکلف نہ تھا بلکہ وہ سیدھی سادی غیر رسمی تعلیم تھی جو نہ مبہم اور نہ غیر معین اور نہ غیر واضح تھی۔ وہ ہمیشہ صاف اور واضح تعلیم تھی جس کا صحیح مطلب ہر کس و ناکس سمجھ لیتا تھا۔ وہ موقعہ اور محل کے مطابق اور اقتضائے ضرورت کے موافق تھی۔ اس کا تعلق کسی واقعہ یا تقریب کے ساتھ ہوتا تھا۔۔۔ حافظہ کا تعلق باقاعدہ تعلیم سے ہوتا ہے جو کسی خاص نظام میں مربوط اور منسلک ہو۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ فلاں ربی کے شاگردوں نے اپنے استاد کے کلام کا ایک ایک لفظ دوسروں تک پہنچایا۔ لیکن یہ ربی اپنے شاگردوں کو اپنی تعلیم رٹاتے تھے جس طرح قرآن کے حافظ کرتے ہیں اور قافیہ بندی وغیرہ کے طریقوں سے وہ تعلیم حفظ کرائی جاتی تھی۔ لیکن سیدنا مسیح کا یہ طریقہ نہ تھا۔۔ حق تو یہ ہے کہ سیدنا مسیح اور فقیہوں کے درمیان جو تصادم

[1] Wade, N.T. History (1922).

[2] Burkitt, Gospel History and its Transmission (1907)p.35

ہوا اُس کا اصلی سبب یہی یہ تھا کہ وہ بزرگوں کی روایات کو ہر حال میں قائم اور استوار رکھنا چاہتے تھے لیکن جنابِ مسیح کا کلام انوکھا، فطری طور پر بدیع (ایک علم جس میں کلام کی لفظی اور معنوی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں) اور اپنے اندر تخلیقی قوت رکھنے والا تھا[1] "۔

اگر ناظرین خود چالیس (۴۰) سال پہلے کے کسی ایک آپ بیتی واقعہ یا تقریر کو قوتِ حافظہ پر زور دے کر یاد کرنے کی کوشش کریں تو وہ خود معلوم کر سکتے ہیں کہ کس حد تک اُن کو اس واقعہ کی تفصیل یا تقریر کے الفاظ صحت کے ساتھ یاد رہ سکتے ہیں۔ وہ اجمالی طور پر ہی واقعہ یا تقریر کو صحیح طور پر یاد کر سکیں گے لیکن واقعہ کی ہر تفصیل کو یا تقریر کے ہر لفظ کو صحت کے ساتھ دہرانا اُن کے لئے ناممکن ہوگا۔ پس چالیس (۴۰) سال کے عرصہ کے بعد جو ایک پُشت سے بھی زیادہ کا عرصہ ہے رسولوں کا آنخداوند کے معجزات کی تفاصیل اور آپ کے خطبات کے الفاظ کو صحیح طور پر یاد رکھنا اعجاز سے کم نہیں۔ ہم کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ چالیس (۴۰) سال کا عرصہ گزرنے کے بعد دوازدہ رسول بوڑھے ہو گئے تھے اور زندگی کے آخری ایام میں حافظہ جواب دے دیتا ہے۔ ہاں اجمالی طور پر خطبہ یا واقعہ کی صحت اور بات ہے لیکن یہاں تو ہر لفظ اور تفصیل کی صحت کا سوال ہے۔ چالیس (۴۰) سال کے بعد عقل سلیم کے لئے انجیلی بیانات کے ہر لفظ کو قطعی طور پر درست اور حکمی طور پر خطا سے بری ماننا ایک ناممکن ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ دنیا میں ایسی ہستیاں بھی ہوئی ہیں جن کی قوتِ حافظہ اعجازی تھی مثلاً پاسکل Paschal کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ کبھی کسی شے کو جو اس نے پڑھی ہو یا جس کا خیال بھی اُس کے ذہن میں کبھی آیا ہو فراموش نہیں کرتا تھا۔ لیکن یہاں ایک دو غیر معمولی انسانوں کا ذکر نہیں۔ اس نظریہ کے حامی تو یہ سمجھتے ہیں کہ مشرق کے تمام لوگوں کی قوتِ حافظہ ہی اعجازی ہے اور وہ یہ نہیں جانتے کہ قرآن کے قاری اور حافظ تو الگ رہے خود حضرت محمد قرآن کی آیات کو بھول جایا کرتے تھے **(بخاری کتاب فضائل القرآن باب نسیان القرآن)**۔

جرمن نقاد ولہاسن درست کہتا ہے[2] کہ طویل مکالمات کے معاملہ میں مشرقی ممالک کے رہنے والوں کا حافظہ مغربی ممالک کے رہنے والوں کے حافظہ سے بہتر نہیں تھا۔ مثال کے طور پر وہ حضرت محمد کے اقوال کی نظیر (مثال) پیش کرتا ہے جو احادیث میں مندرج ہیں اور کہتا ہے کہ یہ احادیث یقینی طور پر قابل اعتماد نہیں ہیں اور یہی مسلمان علماء کا متفقہ فیصلہ ہے۔

(۲) بہر حال ہمارے پاس یہ ماننے کی کوئی وجہ موجود نہیں کہ حضرت کلمتہ اللہ کے سامعین اور رسول اور چشم دید گواہ سب کے سب ایسا حافظہ رکھتے تھے جو اعجازی تھا۔ اس نظریہ کے حامی یہ بھول جاتے ہیں کہ آنخداوند کے ہزاروں چشم دید گواہ سب کے سب لکھے پڑھے انسان تھے اور کہ جیسا ہم گذشتہ باب میں بتلا چکے ہیں تقاضائے وقت ہی ایسا تھا کہ اُن گواہوں کی شہادتیں ابتدا ہی میں قلمبند کی جائیں تاکہ کلیسیاؤں کی روحانی ضروریات اور تقاضے پورے ہو سکیں۔ اُس زمانہ میں لکھنے کے لئے گو کاغذ نہیں تھے لیکن پے پائرس کے طومار (جس سے انگریزی لفظ Paper بمعنی کاغذ نکلا ہے) ہر جگہ دستیاب ہوتے تھے۔ جو سرکاری کام، کاروباری معاملات، نجی خط و کتابت، کتابوں کے لکھنے وغیرہ کے کام آتے تھے۔

پپائرس پر مستقبل کی تحریریں لکھی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ چرمی کاغذ "رق کے طومار" بھی استعمال ہوتے تھے (۲۔ تیمتھیس ۴: ۱۳)۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہمارے ملک ہندوستان میں آریہ لوگ اپنی کتابوں کو بھوج پتر کی کھال پر لکھا کرتے تھے۔ موجودہ قسم کا کاغذ (۱۰۵ء) عیسوی میں ملکِ چین میں پہل پہل بنا۔

---

[1] Ibid, pp.143-145 and 174
[2] Quoted by Rev.G.C Montefiore in the Synoptic Gospels. Vol.I.p.xcix

معلوم نہیں کہ کیوں فرض کر لیا جاتا ہے کہ آنخداوند کے رسولوں اور دیگر شاگردوں نے جب تک آپ اس دنیا میں ان کے ساتھ رہے آپ کے کلمات طیبات کو لکھنے کے لئے قلم کو ہاتھ نہ لگایا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عرب جیسی جگہ میں بھی حضرت محمد کے صحابہ اُن کے منہ کی باتیں لکھ لیا کرتے تھے ۔ پھر حضرت کلمتہ اللہ کے رسولوں کو کون چیز مانع (روکنے والا، روک) تھی کہ وہ ایسا نہ کرتے ؟ انبیائے سابقین کا کلام مثلاً حضرت یرمیاہ کا کلام اُن کے مصاحب باروک نے لکھا۔ فاضل جارج ایڈم سمتھ G.A.Smith کہتا ہے[1] کہ وہ "دبورہ کا گیت" بغیر کسی شک وشبہ کے اُسی زمانہ کا لکھا ہوا ہے جس زمانہ میں وہ واقعات ہوئے تھے جو اُس میں درج ہیں"۔ عہدِ عتیق کے دیگر حصوں کی نسبت بھی علماء کی ایک بڑی تعداد کا یہی خیال ہے۔ پس ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اناجیل کے متعلق کیوں کلیتہً حافظہ پر زور دیا جاتا ہے اور تحریری مسالہ کو غیر متعلق قرار دے کر اس بحث سے بالکل خارج کیا جاتا ہے ؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت کلمتہ اللہ کے خطبات وغیرہ اناجیل کے تحریر ہونے سے بہت پہلے احاطہ تحریر میں آچکے تھے تو ان کلمات کا معتبر ہونا حافظہ کی قوت پر انحصار کرنے سے زیادہ بہتر طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔

جب انبیائے سابقین کا کلام اُن کی حین حیات میں ہی احاطہ تحریر میں آجاتا تھا تو اس امر میں کونسی بات مانع تھی کہ آنخداوند کے لکھے پڑھے ہزارہا چشم دید گواہ جن کا یہ ایمان تھا کہ "ایک بڑا نبی ہم میں برپا ہوا ہے" (لوقا ۷: ۱٦؛ مرقس ٦: ۱۵؛ ۸: ۲۸؛ متی ۲۱: ۱۱ وغیرہ)۔ خاموش رہتے اور آپ کی حین حیات میں آپ کے کلماتِ طیبات کو قلمبند نہ کرتے ؟ اناجیل اربعہ تو یہ بتلاتی ہیں کہ یہ عوام خاموش رہنے والے انسان نہیں تھے (۷: ۳٦؛ متی ۹: ۳۱؛ لوقا ۴: ۳۷؛ لوقا ۵: ۱۵۔ ۲۵؛ ۱۷: ۵؛ یوحنا ۹: ۳۰ وغیرہ)۔ زبانی روایات کے نظریہ کے حامی ان ہزارہا چشم دید جوشیلے گواہوں کی ہستی کو ایسا نظر انداز کر دیتے ہیں کہ گویا آنخداوند کی وفات کے فوراً بعد اُن کو پر لگ گئے تھے یا وہ کہیں نقل مکانی کر کے چلے گئے یا اُن کے ہاتھ شل ہو گئے تھے کہ اُن سے ایک لفظ بھی لکھا نہ گیا!! صرف اُن کی قوتِ حافظہ ہی تیز ہو گئی تھی!!!

اگر کوئی دوسرا شخص آنخداوند کے کلماتِ طیبات اور معجزاتِ بینات کو قلمبند کرنے والا نہیں تھا تو کم از کم آپ کے دوازدہ رسول تو تھے جو اپنے عزیز واقارب، گھر بار، کام کاج وغیرہ سب کچھ "چھوڑ کر آپ کے پیچھے ہو لئے تھے" (مرقس ۱: ۲۰ وغیرہ)۔ کیا یہ رسول جو شب وروز آپ کی رفاقت سے فیض حاصل کرتے تھے لکھے پڑھے نہ تھے ؟ کیا اُنہوں نے جب یہ "نئی تعلیم سنی" جو اُن کا خداوند ایک "صاحب اختیار" شخص کی طرح دیتا تھا (اور جس کو سن کر عوام الناس حیران رہ جاتے تھے)۔ یہ خیال کبھی نہ کیا کہ وہ آپ کے کلماتِ طیبات کو قلمبند کر لیں؟ قیاس تو یہی چاہتا ہے کہ جس طرح باروک نے حضرت یرمیاہ کی نبوتوں کو قلمبند کر لیا تھا اور جس طرح مقدس لوقا نے جب وہ مقدس پولُس کے ساتھی تھے اُن کے سفروں کا ایک باقاعدہ روزنامچہ لکھا تھا (جس کی انہوں نے بعد کے زمانہ میں اپنی کتاب اعمال الرسل میں شامل کر لیا) اسی طرح آنخداوند کے شاگرد اور بالخصوص مقدس متی آنخداوند کے خطبات اور کلماتِ کو ضبط تحریر میں لے آتے۔ ایسا کرنے میں کوئی بات مانع نہیں تھی کہ اس ابتدائی زمانہ میں آنخداوند کی زندگی کے دوران میں شاگردوں میں سے بعض نے دوسروں کو بتلانے کے لئے اور اپنی یاد کو تازہ کرنے کے لئے آنخداوند کے کلمات کو لکھا تھا۔ انشاءاللہ ہم آگے چل کر یہ ثابت کر دیں گے کہ مقدس متی نے سیدنا مسیح کی حینِ حیات میں اپنا رسالہ "کلمات" کو مرتب کیا تھا۔ یہ وہی رسالہ تھا جس کو ابتدائی ایام کی کلیسیا کے معلموں کی فاضل جماعت نے ایمانداروں کے ہاتھوں میں دیا تھا اور جس کی نقلیں انہوں نے مختلف مقامات کی کلیسیاؤں میں بھیجی تھیں۔

---

[1] G.A. Smith, Historical Geography of the Holy Land.

یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مقدس متی رسول کا پیشہ ہی ایسا تھا جس میں یہ ضروری اور لازمی شرط تھی کہ وہ اس بات کے اہل ہوں کہ اشیاء وغیرہ کو اور لوگوں کے اقوال وغیرہ کو فوراً نوٹ کر لیا جائے۔ پس یہ امر قرین قیاس ہے کہ ایسی قابلیت رکھنے والے شخص نے آنخداوند کے اقوال اور تمثیلوں کو سننے کے بعد فوراً نوٹ کر لیا تھا۔

(۳۔) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو علماء زبانی روایات کے حامی ہیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ آنخداوند کا زمانہ گویا دورِ جہالت کا زمانہ تھا۔ یہ اصحاب خیال کرتے ہیں کہ نوشت وخواند کوئی حال ہی کی بات ہے اور قدیم زمانہ میں اس کا رواج نہ تھا، لیکن موجودہ زمانہ کی تحقیقات نے اس کا پول کھول دیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ فنِ تحریر نہایت قدیم فن ہے اور بحر متوسط کے مشرق کی جانب کے ممالک میں قدیم زمانہ سے مروج تھا۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ سیدنا مسیح کے زمانہ میں ارضِ مقدس سلطنتِ روم کا حصہ تھا اور کہ یہ سلطنت نہایت مہذب سلطنت تھی جس کے قوانین اور جس کا کلچر ممالکِ مغرب کی موجودہ کلچر کی بنا ہے۔ اس سلطنت میں مختصر نویسی یا شارٹ ہینڈ کا رواج تھا چنانچہ پلوٹارک Plutarch کہتا ہے[1] کہ کیٹو Cato The Younger نے جو تقریر Senate (مجلس اکابر) میں کیٹا ٹین Cotatane کے خلاف کی تھی وہ شارٹ ہینڈ میں لکھی تھی۔ لارڈ میکالے ہم کو بتلاتا ہے[2] کہ سینیکا Seneca کے مطابق شارٹ ہینڈ روم میں اس درجہ کے کمال تک پہنچ گیا تھا کہ جلدی سے جلدی بولنے والے کی تقریر کو بھی مختصر نویس احاطہ تحریر میں لا سکتا تھا۔ مختصر نویسی کا یہ فن یونانیوں میں بھی رائج تھا۔ مثال کے طور پر اوکس ری نیکس Oxyrhnachus کا غذات (جو ۱۵۵ء کے ہیں) ایک ٹھیکہ کا ذکر ہے جس کی رُو سے میونسپلٹی کے ایک افسر نے اپنے غلام کو کسی اُستاد کے سپُرد کیا تھا تاکہ وہ غلام کو دو سال کے اندر مختصر نویسی میں طاق کر دے[3]۔ اُن ایام میں کاتب بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ پولُس رسول کاتب استعمال کرتے تھے (گلتیوں ۶: ۱۱۔ کرنتھیوں ۱۶: ۲۱ وغیرہ) ڈاکٹر مافٹ کہتا ہے۔ کہ پولُس رسول کا کاتب ترتیس (رومیوں ۱۶: ۲۲) ان عہدیداروں Notaril میں سے تھا جن کو تمسکات کی رجسٹری وغیرہ کرنے کا اختیار تھا جو اکثر اوقات مختصر نویس ہوتے تھے[4]۔ ڈاکٹر سامن بھی کہتا ہے "یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مختصر نویسی اُن دنوں میں عام تھی"[5]۔ ڈاکٹر A.T.Robertson کہتا ہے[6]۔

> **"بعض علماء یہاں تک کہتے ہیں کہ مقدس متی نے آنخداوند کے کلمات کو آپ کی حینِ حیات میں ہی قلمبند کرنا شروع کر دیا تھا۔ چونکہ وہ ایک محصول لینے والے افسر اور عہدیدار تھے۔ پس ان کا یہ کام تھا کہ وہ جلدی نوٹ لکھیں اور غالباً انہوں نے شارٹ ہینڈ میں ان اعجازی الفاظ کو قلمبند کر لیا جو ایسے عظیم الشان معلم کی زبان سے نکلے تھے"۔**

لیکن اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ مقدس متی رسول شارٹ ہینڈ نہیں جانتے تھے تو بھی یہ امر زیادہ قرین قیاس ہے کہ آپ نے حضرت کلمۃ اللہ کی تعلیم کو جس کا ہر سُو چرچا ہو رہا تھا قلمبند کر لیا تھا۔ اس کا ذکر ہم انشاء اللہ آگے چل کر کریں گے۔

---

[1] Quoted, by Rev. R. Dunkerely in "The Reliability of the Gospels". Expositor, Aug, 1924.
[2] Macaulay, Essay on Lord Bacon.
[3] Expositor, Aug,1924
[4] Introd, to Lite of the N.T.p50
[5] Salmon, Thoughts on the Textual Criticism of the N.T.
[6] Dr.A.T. Robertson, Expositor, Feb.1922

(۳)

(ا۔) جب ہم اناجیل کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو چند اشارات پائے جاتے ہیں جن سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے[1]۔ کہ بعض آیات اور مقامات فوراً اُسی وقت لکھے گئے تھے جن کو بعد کے زمانہ میں اناجیل میں شامل کیا گیا۔ مثلاً ہیرودیس کی ضیافت کا احوال مقابلتہً طویل ہے۔ اس کو پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس کو حال ہی میں کسی نے لکھا ہے۔ اگر یہ واقعہ سالوں بعد حافظہ پر زور لگا کر لکھا جاتا تو وہ اس قدر وضاحت سے مفصل اور طویل بیان نہ ہوتا۔ بیت عنیاہ کے گھر کے متعلق اور بالاخانہ کے متعلق اناجیل کی خاموشی نہایت معنی خیز ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ بیان اُس زمانہ میں لکھا گیا تھا جب ان جگہوں کا پتہ بتلانا خطرہ سے خالی نہ تھا (اعمال ۱۲: ۱۱)۔ اگر انجیل مرقس حضرت یعقوب کی شہادت (۴۳ء) کے سالہا سال بعد لکھی گئی ہوتی تو اس میں "پطرس اور یعقوب اور یعقوب کا بھائی یوحنا" (مرقس ۵: ۳۷) اس ترتیب سے نہ لکھے جاتے۔ کیونکہ اس زمانہ میں مقدس یوحنا کلیسیا کے رُکنِ اعظم تھے۔ چنانچہ مقدس لوقا اس ترتیب کو دو دفعہ الٹا کر مقدس یوحنا کو مقدس یعقوب سے پہلے لکھتا ہے (لوقا ۸: ۵۱؛ ۹: ۲۸؛ دیکھو اعمال ۱: ۱۳)۔ انجیلِ اوّل میں "نیم مثقال" کا ذکر (متی ۱۷: ۲۴) تب ہی موزوں ہو سکتا ہے، جب یہ بیان کسی ابتدائی تحریری ماخذ سے لیا گیا ہو۔ کیونکہ اگر سالہا سال بعد حافظہ سے یہ بیان لکھا جاتا تو اس کی تشریح درکار ہوتی۔ کیونکہ بعد کے زمانہ کے غیر یہودی پڑھنے والے اس سکہ رسم اور قصہ کے کنایہ (اشارہ) سے ناواقف تھے۔ یہی بات ہم (لوقا ۱۳: ۱) کی نسبت کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس قسم کی جھڑپیں اور آویزشیں اکثر ہوتی رہتی تھیں۔ (مرقس ۴ اور ۵ باب) بھی اسی زمانہ کا لکھا ہوا ہے جب یہ واقعات ہوئے تھے کیونکہ ان میں صرف دو دن کے واقعات کا حال بہت طویل اور مفصل ہے۔ حالانکہ مرقس کی انجیل میں تقریباً تین سالوں کے واقعات کو نہایت اختصار سے بیان کیا گیا ہے اور اس تناسب سے سالہا سال بعد دونوں کے واقعات کی طویل بیانی نہایت غیر متناسب ہو جاتی ہے۔ پس بظاہر یہی سبب نظر آتا ہے کہ کسی چشم دید گواہ نے اُسی وقت ان باتوں کو لکھ لیا تھا۔ یہ امر بھی قابلِ غور اور معنی خیز ہے کہ اناجیلِ اربعہ میں جب آنخداوند اپنے رسولوں کے ساتھ راہ چلتے باتیں کرتے ہیں تو ان باتوں کا خلاصہ چند فقرات میں ہی ملتا ہے جن میں آپس میں کوئی ربط نہیں ہوتا، لیکن جب کبھی آپ کسی جگہ بیٹھ کر اپنے رسولوں سے گفتگو کرتے ہیں (مثلاً مرقس ۱۳: ۳) تو ان کلمات کی رپورٹ زیادہ طولانی (لمبا، دراز) ہوتی ہے جس سے ہمارے نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ رسول آپ کی ان تقریروں کے نوٹ فوراً بعد لے لیا کرتے تھے۔

(۲۔) ایک اور امر قابلِ غور ہے۔ آنخداوند کا خطاب "ابن آدم" اناجیل اربعہ کے علاوہ انجیلی کتب کے مجموعہ میں کسی اور جگہ نہیں ملتا۔ اور اناجیل میں بھی قیصریہ فلپی کے واقعہ کے بعد پایا جاتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان مقامات کو انہی ایام میں لکھا گیا تھا۔

(۴)

اس امر کو بھی ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے کہ گو ابنِ آدم کا تصور، اور فاتح کاہن بادشاہ کا تصور اور ابن آدم کے دُکھ اٹھا کر جلال میں داخل ہونے کا تصور تینوں تصورات عہدِ عتیق میں موجود تھے لیکن ان تصورات کو ابتدا ہی سے مسیح موعود کے تصور کے ساتھ یکجا کرنے کا کام صرف حضرت کلمۃ اللہ ہی کا زبردست تخلیقی دماغ کر سکتا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس (اسی طرح) یسعیاہ کی کتاب کے "خادم یہوداہ" کا تصور اور زبور کی کتاب کے "راستباز کے دکھ اٹھانے کا تصور" اور خدا کی برگزیدہ قوم اسرائیل کے گرنے اور بحال ہونے کی نبوتیں انبیائے سابقین کی کتُب میں پہلے ہی سے موجود تھیں لیکن ان مختلف

[1] Expositor, Aug.1924

تصورات کوایک ہی ہستی (یعنی مسیح موعود) سے منسوب کرنے کاکام مسیحی کلیسیا کے استاد اور معلموں کی فاضل جماعت نے نہ کیا۔ وہ اس قسم کے دل ودماغ کے مالک ہی نہ تھے۔ اگرچہ ان میں اپلوس، پوُلس اور عبرانیوں کا مصنف اورانجیل چہارم کے مصنف جیسے زبردست عالم موجود تھے۔ ان مختلف تصورات کے تاروپود سے ایک نئے تصور کو حضرت کلمتہ اللہ نے ہی خلق کیاجوان تمام تصورات کی صحیح تاویل اور درست تفسیر تھااور جس کی روشنی میں آپ کے تمام کلمات اور سوانح حیات کے پنہائی (پوشیدہ) مطلب واضح ہوگئے۔ اناجیل سے واضح ہے کہ آنخداوند نے رسولوں کی توجہ بار بار انبیائے سابقین کے ان تصورات کی جانب مبذول فرمائی تاکہ وہ ان کی روشنی میں آپ کے کلام اور سوانح حیات، آپ کی صلیبی موت اور ظفریاب قیامت کے صحیح مفہوم کو سمجھ سکیں۔ چنانچہ آپ نے (۱۱۰زبور) کی جانب اشارہ کرکے اپنے رسولوں کو سمجھایا تاکہ وہ آپ کی زندگی اور موت کے حقیقی مقصد کو سمجھ جائیں۔ آپ نے تصور "خداوند" کو اور "خدا کی دہنی طرف" بیٹھنے کے تصور کو اور دانی ایل کی کتاب کے "ابن آدم" کے تصور کو یکجا کردیا۔ جس سے مسیحیت میں ایک نیا باب کھل گیا۔ گو اس امر کو سمجھانے کے لئے آپ نے اپنے رسولوں کے ساتھ بہتیرا مغز کھپایا لیکن رسولوں نے نہ سمجھنا تھااور نہ وہ سمجھے (لوقا۱۸: ۳۴؛مرقس ۶: ۵۲؛لوقا ۹: ۴۵؛۲۴: ۲۵۔۲۷؛۴۴: ۴۵وغیرہ)۔ اب ظاہر ہے کہ اگر اناجیل کے یہ مقامات جن میں آنخداوند نے ان مختلف تصورات کو یکجا کردیا تھااُسی وقت نہ لکھے جاتے تومابعد کے زمانہ میں کہاں اس قسم کا تخلیقی دل ودماغ تھا جو اُن کو یکجا کرتا۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ ان مقامات نے عہدِ عتیق کی نبوتوں وغیرہ کی اصلیت کو سمجھنے کاایک نیاطریقہ قائم کردیااور آپ کے بعد کلیسیا کے فاضل معلموں کی جماعت نے اسی طریقہ کااختیار کیا۔ یہ طریقہ ابتدائی ایام میں اسی واسطے رائج ہوگیا کیونکہ یہ مقامات تحریری شکل میں ان عالموں کے ہاتھوں میں تھے۔ اوراس طریقہ کو نہ صرف مقدس پوُلس نے بلکہ انجیل چہارم اور عبرانیوں کے خط کے مصنفوں نے منزل بہ منزل تکمیل تک پہنچایا۔

(۵)

پس آنخداوند کے بہت سے کلماتِ طیبات اور سوانحِ حیات قدیم الایام سے ہی تحریری شکل میں موجود تھے جن کواُن لوگوں نے لکھا تھا جنہوں نے خود ان کو سنااور دیکھا تھا۔ یہ امر موجودہ زمانہ کے لئے سبق آموز ہے کہ جن باتوں کو گذشتہ پشت کے علماء کہتے تھے کہ وہ سینہ بسینہ روایات سے زبانی چلی آتی تھیں وہ اب پچاس (۵۰) سال کی چھان بین کے بعد موجودہ علماء کے مطابق زبانی روایات سے اخذ نہیں کی گئی تھیں بلکہ تحریری پاروں میں اناجیل کی تالیف سے پہلے موجود تھیں۔ مثلاً اس صدی کے اوائل میں پادری آرتھر رائٹ صاحب نے لکھا تھا کہ "اناجیل کے الفاظ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ابتدائی ایام میں مبشر اور معلم ان الفاظ کو زبانی حفظ کرلیا کرتے تھے [1]"۔ لیکن اب سب علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اناجیل کے الفاظ ایک دوسرے سے اس لئے ملتے ہیں کیونکہ ان کے مولفوں نے ایک ہی تحریری ماخذ استعمال کئے تھے جن میں سے ایک تحریری ماخذ **"رسالہ کلمات"** ہے۔ اس رسالہ کے تحریری شکل میں ہونے پر سب علماء متفق ہیں [2]۔ چنانچہ ویڈ تک یہ تسلیم کرتا ہے کہ "غالباً متی کے رسالہ کلمات کا مجموعہ اکیلا مجموعہ ہی نہ تھااور یہ اغلب ہے کہ یہ رسالہ آنخداوند کے کلمات کے اُن مختصر مجموعوں سے جمع کیا گیا تھا جو بغیر کسی شک وشبہ کے لوگوں میں مسیح کی زندگی کے واقعات لکھے جانے سے پہلے مروج تھے"۔ ویڈ کو اس بات کا بھی اقبال ہے کہ مقدس متی اس بات کے اہل تھے کہ وہ اُن کلمات کو جمع کرتے اور اپنی رپورٹ کے نفس مضمون کو پرکھ سکتے۔

---

[1] Quoted in Dr. Sanday's article, "The Bearing of Criticism upon the Gospel History". Exp.Times Dec.1908
[2] A.Richardson, The Gospel in the making, (S.C.M 1938)p.20

آکسفورڈ کے دو علماء گرین فیل اور ہنٹ Grenfell and Hunt کو گذشتہ صدی کے اواخر میں مقام آکسی رینلس Oxyrhynachus سے آنخداوند کے چند اقوال کے نسخہ کے پارے دستیاب ہوئے [1]۔ اس دریافت نے ثابت کر دیا ہے کہ مقدس متی کے رسالہ کلمات کے علاوہ قدیم زمانہ میں دیگر لوگوں نے بھی سیدنا مسیح کے مختلف اقوال کو جمع کیا تھا۔ ان پاروں کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ تیسری صدی میں اس مقام میں اور وادی نیل کے دیگر مقامات میں "یسوع کے کلمات" کا مجموعہ کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں تھا جو عام طور پر مروج تھا۔ اِن پاروں کے اقوال آنخداوند کے اصلی کلمات معلوم دیتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض پر اناجیل اربعہ کے اقوال اور شائد مقدس پوُلس کے خطوط اور مکاشفات کی کتاب کا اثر پایا جاتا ہے۔ یہ مجموعہ غالباً ۱۵۰ء کے قریب لکھا گیا تھا۔ ان میں سے بعض کلمات سے ظاہر ہے کہ وہ سیدنا مسیح کے اپنے منہ کے ہیں۔ مثلاً "خدا کی بادشاہی آسمان پر ہے لیکن وہ تمہارے اندر بھی ہے"۔ تمام فطرت اور بالخصوص انسانی فطرت مقناطیس کی طرح ہے جو تم کو خدا کی طرف کھینچ لے جاتی ہے"۔ اعمال کے ظاہری فعل کی طرف نہ دیکھو بلکہ ان کے اصلی منبع اور چشمہ کی جانب دیکھو"۔ "سچائی انسانی زندگی کی کافی اور وافی۔۔۔ رہنما ہے۔ اگر تم اس دنیا میں حق کی پیروی کرو گے تو تم کو خدا کے دیدار کا کامل علم حاصل ہو گا"۔ مقدس پوُلس کی ایک تقریر میں سیدنا مسیح کا ایک اور قول محفوظ ہے۔ آپ نے کہا" خداوند کی باتیں یاد رکھنا چاہیے کہ اس نے خود فرمایا کہ دینا لینے سے زیادہ مبارک ہے"(اعمال ۲۰: ۳۵)۔

گذشتہ پچاس (۵۰) سالوں میں مغربی ممالک کے علماء نے اپنی عمر گرانمایہ اناجیلِ اربعہ کے ایک ایک لفظ کی چھان بین میں صرف کر دی ہے اور اب وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اناجیلِ اربعہ کی تالیف سے پہلے تحریری بیانات اور پارے کلیسیا کے ہاتھوں میں موجود تھے۔ اور گو زبانی بیانات بھی ان ابتدائی ایام میں ہر مقام میں پائے جاتے تھے لیکن اناجیل کی تالیف کے لئے وہ ایسے اہم شمار نہیں کئے جاتے اور نہ اب ان کی اہمیت پر اس قدر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اناجیلِ اربعہ کا مطالعہ یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ ان کے مولفوں نے زبانی اور تحریری بیانات دونوں سے کام لیا تھا اور ان میں سے جیسا ہم بتلا چکے ہیں، بعض مقامات ایسے ہیں جو واقعہ کے فوراً بعد لکھے گئے تھے اور دیگر آنخداوند کی حینِ حیات میں لکھے گئے تھے۔

فصل دوم

سیدنا مسیح کی آمدِ ثانی کا انتظار اور زبانی بیانات کا مفروضہ

عصرِ حاضرہ میں جو لوگ تحریری بیانات کا انکار کرتے ہیں اور انجیلی پیغام کا سینہ بسینہ بیانات پر انحصار رکھتے ہیں اُن کی اکثریت یہ وجہ بتلاتی ہے کہ آپ کے رسُول اور شاگرد آپ کی فوری آمد کے منتظر تھے کیونکہ حضرت کلمۃ اللہ نے ان سے فرمایا تھا کہ آپ ایک نیا دور شروع کرنے کے لئے آنے والے ہیں لیکن آپ کی آمد کے "دن اور گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانا"(متی ۲۴: ۳۶)۔ کیونکہ آپ اچانک آئیں گے جب کوئی آپ کی "راہ نہ دیکھتا ہو"(مرقس ۱۳: ۳۲۔ ۳۶؛ متی ۲۴: ۳۷۔ ۴۴؛ لوقا ۱۲: ۳۵۔ ۳۷؛ ۱۷: ۲۶۔ ۳۶وغیرہ)۔ "پس جاگتے رہو کیونکہ نہ تم اس گھڑی کو جانتے ہو اور نہ اس دن کو"(متی ۲۵: ۱۳)۔ کیونکہ "ابن آدم اپنے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئے گا۔ اس وقت ہر ایک کو اس کے کاموں کے مطابق بدلہ دے گا۔

[1] H.B.Swete"The New Oxyrhynchus Sayings." Exp. Times. Vol.xv No.11.p.488 ff.

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں اُن میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اس کی بادشاہی میں آتے ہوئے نہ دیکھ لیں گے وہ موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے "(متی ۱۶: ۲۷: ۱۰: ۲۳؛ مرقس ۹: ۱؛ لوقا ۹: ۲۷)۔

زبانی بیانات کے حامی کہتے ہیں کہ چونکہ رسول اور شاگرد سب کے سب آپ کی فوری آمد کے شدید انتظار میں لگے تھے لہٰذا انہوں نے اس بات کی ضرورت ہی نہ سمجھی کہ آنخداوند کے کلماتِ طیبات، معجزات بینات اور سوانح حیات کو بقید تحریر لائیں۔ وہ ہر آن اسی انتظار میں رہتے تھے کہ مولا اب آئے کہ آئے۔ پس انہوں نے زبانی بیانات پر ہی اکتفا کرنا دانشمندی سمجھی لیکن جب پہلی پشت گذر گئی اور وہ ضیعف العمر (عمر رسیدہ، بوڑھے) ہوگئے اور انہوں نے دیکھا کہ آنخداوند کی آمد میں تاخیر ہے تو انہوں نے آنے والی پشت کے لئے اناجیل لکھیں۔

یہاں ہمیں سیدنا مسیح کی آمدِ ثانی کے وسیع مضمون پر بحث کرنا منظور نہیں ہے۔ پس ہم چند اُمور پر ہی جو ہمارے مضمون سے متعلق ہیں غور کریں گے :۔

(ا۔) ہم گذشتہ باب میں رسولوں کی "منادی" کا ذکر مفصل طور پر کر آئے ہیں۔ اگر ناظرین اسی مقام کے حوالوں کا بغور مطالعہ کریں تو اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ گو رسول یہ تعلیم ضرور دیتے تھے کہ آنخداوند عدالت کے لئے آنے والے ہیں لیکن وہ کسی فوری آمد ثانی کی تعلیم نہیں دیتے تھے اعمال کی کتاب میں رسولوں کی کسی تقریر سے یہ نہیں پایا جاتا۔ کوئی شخص جس نے ان تقریروں کو (۲، ۳، ۵، ۱۰، ۱۳ باب) میں پڑھا ہے یہ نہیں کہہ سکتا آنخداوند کی فوری آمدِ ثانی کا عقیدہ رسولوں کی "منادی" کا جزو تھا۔ پس یہ مفروضہ سرے سے بے بنیاد ہے کہ رسول اس قسم کی فوری آمد کے منتظر تھے کہ وہ سیدنا مسیح کے اقوال وسوانح حیات کے لکھنے میں رکاوٹ کا باعث ہو۔

(۲۔) فرض کرو کہ سیدنا مسیح کے شاگرد اور رسول اور تمام چشم دید گواہ جو ایمان لے آئے تھے سب کے سب آمدِ ثانی کے فوراً اور اچانک وقوع میں آنے کے منتظر بھی ہوں پھر بھی قیاس یہی چاہتا ہے کہ سیدنا مسیح کے کلمات، خطبات اور واقعاتِ زندگی احاطہ تحریر میں آجاتے۔ تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ سیدنا مسیح کے ظہور سے پہلے اہل یہود "خداوند کے دن" کے انتظار میں تھے (صفنیاہ ۲: ۲: ۱: ۱۸)۔ چنانچہ یوایل نبی کہتا ہے "سیدنا مسیح کا دن نزدیک ہے وہ قادرِ مطلق کی طرف سے بڑی ہلاکت کی مانند آئے گا" (یوایل ۱: ۱۵ وغیرہ)۔ سیدنا مسیح کا ہم عصر مقدس یوحنا بپتسمہ دینے والا بھی اسی "خداوند کے دن" کی طرف اشارہ کرکے اہل یہود کو تنبیہ کرتا ہے (متی ۳: ۷)۔ لیکن اس کے باوجود اہل یہود نے کتابیں لکھیں جن میں سے بعض مثلاً دانی ایل عہدِ عتیق کے مجموعہ میں موجود ہیں۔ خود مقدس پولُس نے اپنی کلیسیاؤں کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر ان کو خطوط لکھے بلکہ جب آپ نے دیکھا کہ آمد ثانی کے انتظار کی وجہ سے تھسلنیکے کی کلیسیا میں گڑبڑ ہو رہی ہے تو آپ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ یہ "سمجھ کر کہ خداوند کا دن آپہنچا ہے تمہاری عقل دفعتہً پریشان نہ ہو جائے اور نہ تم گھبراؤ۔ کسی طرح سے کسی کے فریب میں نہ آنا کیونکہ وہ نہیں آئے گا، جب تک کہ پہلے برگشتگی نہ ہو۔۔۔ کیا تم کو یاد نہیں کہ جب میں تمہارے پاس تھا تو تم سے یہ باتیں کہا کرتا تھا۔۔۔ پس اے بھائیو ثابت قدم رہو" (۲۔ تھسلنیکیوں ۲ باب)۔

جس طرح پہلی صدی میں ایماندار سیدنا مسیح کی آمد ثانی کے منتظر تھے اسی طرح موجودہ زمانہ کے بہت سے مومنین اس بات کے قائل ہیں کہ آنخداوند بس آئے کہ آئے۔ لیکن وہ بھی کتابیں خود لکھتے ہیں کیونکہ اُن کا یہ خیال ہے کہ اگرچہ آپ آنے والے ہی ہیں تاہم چونکہ "اس دن گھڑی کو کوئی نہیں جانتا" اُن کی کتابیں درمیانی عرصہ کے لئے کام آئیں گی۔

موجودہ زمانہ "ایٹمی زمانہ " کہلاتاہے جس میں ہائیڈروجن بم اور سپٹینک وغیرہ پر زور دیا جاتاہے دُنیا کی طاقتور سلطنتوں کے ہاتھوں میں ایسے خوفناک بم ہیں کہ اگر دنیا کے کسی ایک کونے میں بھی جنگ چھڑ گئی توسیاسی حالات کی وجہ سے وہ عالمگیر ہو جائے گی اور دنیا کا چندہ (کچھ) لمحوں میں خاتمہ ہو جائے گا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ گویا آتش فشاں پہاڑ کے دہانہ پر بیٹھا ہے لیکن اس کے باوجود ہر ملک اور ہر شخص اپنے روزانہ کاروبار میں بدستور مشغول رہتاہے اور دبک کر کسی کونے میں اس انتظار میں نہیں رہتا کہ اب مرے کہ مرے۔

(۳۔) پس یہ گمان باطل ہے کہ کلیسیا پہلی صدی کے نصف سے زیادہ عرصہ تک اپنے آقا ومولا کی آمدِ ثانی کے خیال میں اس قدر محو تھی کہ وہ آپ کے سوانح حیات میں لکھنے کی جانب سے بالکل بے پرواہ رہی۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس عیسیٰ کی آمد کی کلیسیا اس بیقراری سے منتظر تھی وہ وہی مسیح موعود تھا جو آچکا تھا (اعمال ۱: ۱۱)۔ کوئی صحیح العقل شخص یہ نہیں مان سکتا کہ ابتدائی زمانہ کے مسیحی آنخداوند کی سی وسہ سالہ (تین سال) زندگی کی طرف سے غافل تھے۔ یہ بات قابل قبول نہیں ہو سکتی کہ وہ لوگ جنہوں نے آپ کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا خاموش بیٹھ رہے اور اُن کو آپ کے کلمات اور معجزات سے اتنی دلچسپی بھی نہ تھی کہ وہ اُن کو احاطہِ تحریر میں لانے کی زحمت گوارا کرتے۔ اعمال کی کتاب (۲: ۲۳؛ ۱۰: ۳۸ وغیرہ) میں آپ کے معجزاتِ بینات کا خلاصہ موجود ہے اور اس کتاب میں کلیسیا کا رویہ صاف بتلارہاہے کہ آپ کی تعلیم اور آپ کا نمونہ کلیسیا میں کارفرما ہے (اعمال ۲: ۴۴؛ اعمال ۴: ۳۳ الخ وغیرہ)۔ اگر انجیل مسیح کی "خوشخبری" کے طور پر پیش کی جاتی تھی تو لازم آتا ہے کہ آپ کی مسیحائی کا اعلان، موت، قیامت، آمدِ ثانی، آپ کے کلمات اور معجزات وغیرہ وغیرہ کسی خاص شکل میں احاطہ تحریر میں آچکے تھے۔ جن پر یہ "خوشخبری" مشتمل تھی اور پیش کی جاتی تھی اور جو رسولوں کی منادی کی تائید کرتی تھی اور ان کے مواعظ (نصیحتیں) کو زندہ نقش بنا کر اُن میں زندگی کا دم پھونکتی تھی۔

(۴۔) جوں جوں کلیسیا کا شمار بڑھتا گیا تعلیم کا کام بھی ساتھ ساتھ بڑھتا گیا اور مختلف مقامات کی کلیسیاؤں میں یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ معلموں کی زیادہ سے زیادہ تعداد اس کام پر مقرر کی جائے۔ پس قدرتی طور پر ان معلموں کی تعداد چشم دید گواہوں کی تعداد سے بڑھ گئی اور سینہ بسینہ زبانی پیغام بہت جلدی اس مقصد کے لئے ناکافی ثابت ہوا۔ چشم دید گواہ بھی یکے بعد دیگرے مرتے جارہے تھے (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۶)۔ لوگ سینہ بسینہ زبانی پیغام کے الفاظ بھول سکتے تھے اور ان میں آمیزش بھی ہو سکتی تھی۔ آمدِ ثانی میں تاخیر واقع ہو رہی تھی اور سیدنا مسیح کی فوری آمد کے انتظار کے خلاف کلیسیا کو متنبہ (آگاہ) کیا جارہا تھا (۲۔ تھسلنیکیوں ۲: ۲)۔ پس بہت جلدی ان واقعات کو احاطہِ تحریر میں لانے کی ضرورت کا احساس ہر جگہ ہونے لگا اور مختلف مقامات کے لوگوں نے اِس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی اور پہلے پہل چند اوراق اور پارے اور رسالے لکھے گئے جن کو بعد کے زمانہ میں انجیل نویسوں نے (جیسا ہم آگے چل کر بتلائیں گے) اپنی تصانیف لکھتے وقت بطور ماخذ استعمال کئے۔

(۵۔) سیدنا مسیح نے رسولوں اور شاگردوں کو تو حکم دیا تھا کہ "تم یروشلیم سے شروع کرکے سب قوموں میں توبہ اور گناہوں کی معافی کی منادی کرو۔ تم ان باتوں کے گواہ ہو۔ اُن کو شاگرد بناؤ اور ان کو تعلیم دو کہ ان سب باتوں پر عمل کریں جن کا میں نے تم کو حکم دیا ہے اور دیکھو میں دنیا کے آخر تک تمہارے ساتھ ہوں" (لوقا ۲۴: ۴۷۔ ۴۸؛ متی ۲۸: ۱۹۔ ۲۰)۔ ان رسولوں کی زندگی کا واحد مقصد ہی یہ تھا کہ بڑی سے بڑی تعداد کو سیدنا مسیح کا حلقہ بگوش کریں۔ ان کی تقریروں کا مضمون ہی سیدنا مسیح کی تعلیم، زندگی، موت اور قیامت کے حیرت انگیز واقعات تھے کیونکہ یہ اشد ضروری تھا کہ وہ دنیا کے لوگوں کو آپ کی آمدِ ثانی کے لئے تیار کریں لیکن یہ مقصد صرف معدودے چند لوگوں کی چند ایک تقریروں سے پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اُن تقریروں میں صرف موٹی موٹی باتیں جن کو "منادی" Kerygma کہتے تھے لوگوں کو بتلا سکتے تھے۔ ہم اِس نکتہ پر باب سوم میں بحث کر چکے ہیں۔

مقدس پطرس کی تقریر (اعمال ۱۰: ۳۶۔۴۳)۔اس بات کو واضح کر دیتی ہے کہ رسول منادی اور تعلیم دونوں دیتے تھے ، لیکن اگرچہ لوگ ہزارہا کی تعداد میں کلیسیا میں شامل ہورہے تھے لیکن ابھی کروڑہااس کے باہر تھے جنھوں نے نجات کا پیغام سنا بھی نہ تھا۔پس رسولوں اور مبشروں کی جماعت نے ان سب ضروریات کو پورا کرنے کے لئے تحریری یادداشتیں اور تحریری شہادتیں بہم پہنچائیں جو چشم دید گواہوں نے لکھیں یا لکھوائیں (لوقا ۱: ۱)تاکہ معلموں اوراستادوں کی فاضل جماعت اور دیگر مقامات کی کلیسیاؤں کے مُبشّر اُن کا استعمال کرکے لوگوں کو سیدنا مسیح کے قدموں میں لائیں۔اس سلسلہ میں مقدس پطرس کے الفاظ ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنے چاہئیں "پس توبہ کرواور رجوع لاؤتاکہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں اوراس طرح سیدنا مسیح کے حضور سے تازگی کے دن آئیں اوروہ مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے "(اعمال ۳: ۱۹)۔

(۶۔) سیدنا مسیح کی بعض تمثیلیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ حضرت کلمتہ اللہ کا اپنی آمدِ ثانی سے یہ مطلب نہیں تھا کہ یہ دنیا ختم ہوجائے گی بلکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ دور ختم ہو جائے گااور وہ ایک نیادور اور زمانہ شروع ہو جائے گا جس میں آسمان کی بادشاہی کے اُصول کا رواج ہو گا جس میں رفتہ رفتہ نیکی بدی کی طاقتوں پر غالب آتی جائے گی۔ یہاں تک کہ خدا کی محبت واحد حکمران ہو گی۔ مثلاً بیج بونے والے کی تمثیل ،کڑوے دانے کی تمثیل ،رائی کے دانے کی تمثیل ،بیج کے پوشیدگی میں بڑھنے کی تمثیل ،وغیرہ سب سے ظاہر ہے کہ دنیا آنخداوند کی وفات کے کچھ مہینے یاسالوں کے اندر اندر فنا نہیں ہو گی بلکہ خدا کی بادشاہی اس دنیا میں آچکی ہے اور وہ رفتہ رفتہ بڑھتی جائے گی اور ترقی ہی کرتی جائے گی۔ لیکن سیدنا مسیح نے ترقی کی تکمیل کا زمانہ متعین نہیں کیا جس سے ظاہر ہے کہ آمدِ ثانی فوری نہیں ہو گی بلکہ بتدریج (درجہ بدرجہ)رائی کے درخت کی طرح بڑھتی جائے گی اور آپ کی تعلیم کا خمیر سب میں تاثیر کرکے نیادور شروع کردے گا۔

(۷۔) یہ بات غلط ہے کہ تمام ابتدائی کلیسیا سیدنا مسیح کی فوری آمد کی منتظر تھی خواہ دنیا اخلاقی طور پر آپ کے آنے کے لئے تیار ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ مقدس پطرس کے الفاظ (اعمال ۳: ۱۹)اس نظریہ کے قطعاً خلاف ہیں۔ آنخداوند کے رسولوں کا یہ خیال تھا کہ دنیا آپ کا اخلاقی اور روحانی چیلنج قبول کرلے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دنیا میں ایک نیا دور شروع ہوجائے گا جس کی بناء ظلم اور استبداد کی بجائے انصاف پر اور بدی کی بجائے نیکی اور محبت[1] پر ہو گی۔ لیکن یہ گہرا نکتہ پہلے پہل خود شاگرد نہیں سمجھتے تھے جس طرح وہ سیدنا مسیح کی بہتری دوسری باتیں نہیں سمجھتے تھے (متی ۱۵: ۱۷؛ ۱۶: ۹۔۱۱؛ لوقا ۲۴: ۴۵وغیرہ)۔ پس جب رسولوں نے پہلے پہل منادی شروع کی تو یہ ممکن ہے کہ بعض کا خیال ہو کہ اگر چند ماہ میں نہیں تو سالوں کے اندر اندر آنخداوند کی آمدِ ثانی ہو گی لیکن جب سالہا سال گذر گئے اور آپ کی آمد میں تاخیر ہی واقع ہوتی گئی۔ تو کلیسیائے مقدس پولُس اور مقدس یوحنا جیسے معلموں اور فاضل اُستادوں کی قیادت اور رہنمائی میں واقعات کی روشنی میں آنخداوند کے کلمات پر غور کیا۔ جس طرح رسولوں کو بعد کے واقعات کی روشنی میں سیدنا مسیح کے دیگر کلمات کا اصل مفہوم معلوم ہو جاتا تھا (متی ۲۶: ۷۵؛ لوقا ۲۲: ۶۱؛ ۲۴: ۸؛ یوحنا ۲: ۱۷؛ ۱۲: ۱۶وغیرہ)۔ اسی طرح کلیسیا کے فاضل معلموں مقدس یوحنا اور مقدس پولُس رسول نے ان کلمات کے اصل مفہوم کو پالیا جن کا تعلق آمدِ ثانی کے ساتھ تھا جو عین سیدنا مسیح کے منشا کے مطابق تھا۔ چنانچہ پولُس رسول دوسرے شاگردوں سے سن کر اول اول یہی خیال کرتے تھے کہ آپ کی آمد فوری ہو گی (۱۔تھسلنیکیوں ۴: ۱۴۔ ۱۷، ۲۔تھسلنیکیوں ۱: ۷۔۱۰)۔ لیکن جب آمدِ ثانی میں تاخیر واقع ہوتی گئی تو آپ نے خود اس کا گہرا مطلب پالیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے مابعد کے

[1] A.T.Cadoux, Essays in Christian Thinking and Lily Dougal and Emmet's The Lord of Thought.

خطوط میں ایسے الفاظ نہیں پائے جاتے [1]۔ چنانچہ ا تھسلنیکیوں (۵۰ء) میں مقدس پولُس سیدنا مسیح کی آمدِ ثانی کے منتظر ہیں لیکن بعد کے خطوط میں آپ کی آمدِ ثانی پر زور نہیں دیتے بلکہ آپ کا تمام زور گناہ سے نجات حاصل کرنے کی تعلیم پر ہے [2]۔(۲۔کرنتھیوں ۵: ۱۶؛ کلسیوں ۱: ۱۳؛ ۶: ۶ وغیرہ)۔

لیکن معلموں میں سے بعض لوگ تھے جو ان گہرے مطالب کو نہ پاسکے۔اُنہوں نے آنخداوند کے کلمات کا انبیائے سابقین بالخصوص دانی ایل اور دیگر مکاشفاتی کتابوں کی اصطلاحات کا استعمال کرکے ایک نیا نقشہ پیش کیا جس کے بعض حصے ہم کو (مرقس ۱۳ باب) میں ملتے ہیں۔اس گروہ کے خیالات نے یوحنا عارف کے مکاشفہ میں تکمیل [3] پائی۔

بہر حال یہ ظاہر ہے کہ دونوں قسم کے خیالات کے گروہوں کے معلم ان قدیم ترین ایام میں رسالے اور کتابچے لکھتے تھے۔ہم حصہ دوم کے بابِ اول میں انشاءاللہ ذکر کریں گے کہ مقدس مرقس کی انجیل ۱۳ باب میں اسی طرح کا ایک ورق موجود ہے جو تحریری شکل میں [4] میں تھا۔ان کتابوں کی تصنیف اور اشاعت نہایت معنی خیز ہے کیونکہ زبانی بیانات کے نظریہ کے حامیوں کے نظریہ کے کلیتہً خلاف ہے اور ثابت کرتی ہے کہ آنخداوند کی فوری آمدِ ثانی کا انتظار آپ کے کلمات اور سوانح حیات کے احاطہ تحریر میں آنے اور جمع کئے جانے کی راہ میں رکاوٹ کا باعث نہ تھا۔

(۸۔) اگر حضرت کلمتہ اللہ کا مطلب یہ ہوتا کہ آپ کی آمدِ ثانی ایک فوری بات ہوگی تو آپ کا اخلاقی تعلیم کو دینا ایک فضول بات ہو جاتی۔ پہاڑی وعظ وغیرہ عبث ہو جاتی ہے کیونکہ جب دنیا کا خاتمہ ہی فوراً ہونے والا ہے تو لوگوں "نئی تعلیم" کی تلقین کرنے کا کیا مطلب ہے؟ پس آنخداوند کی تعلیم اس طرح در حقیقت بے معنی ہو جاتی ہے۔لیکن آپ اناجیل اربعہ کو ایک سرے سے دوسرے تک پڑھ جائیں آپ کو یہ کہیں نہیں ملے گا کہ آپ کی تعلیم صرف چند سال کے وقفہ کے اس درمیانی مدت کے لئے ہے جو آپ کی وفات اور آمدِ ثانی کے درمیان حائل ہوگا۔پہاڑی وعظ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اس دنیا میں انسانی زندگی ہزاروں سال چلتی جائے گی۔(مرقس ۱۲: ۹؛ متی ۲۱: ۴۰۔ ۴۱؛ ۲۲: ۸۔ ۹؛ لوقا ۱۴: ۲۲تا ۲۴) سے بھی ظاہر ہے۔ پس ان ہزاروں مخلوقِ خدا میں سے حضرت کلمتہ اللہ کی باتوں کو اپنے کانوں سے سننے والے تھے "بہتوں نے اس پر کمر باندھی" کہ اس جانفزا پیغام کو اپنی یادداشت کے لئے اور دوسروں کو بتلانے کے لئے لکھیں۔اس بات کا ثبوت کہ آنخداوند کے کلمات قلمبند نہیں کئے گئے تھے اُن لوگوں کی گردن پر ہے جو اس زیرِ بحث نظریہ کے قائل ہیں۔ لیکن یہ نظریہ حقیقت اور تاریخ دونوں سے کوسوں دُور ہے۔

ہمارا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ ہزارہا چشم دید گواہوں کی جماعت میں سے ہر ایک فرد نے تحریری بیان ہی دیا تھا یا جو اقوال اور واقعات ہر شخص نے دیکھے تھے وہ اُن کو احاطہ تحریر میں لے آیا تھا۔ہم تسلیم کرتے ہیں کہ زبانی بیانات دینے والے بھی ان قدیم ایام میں موجود تھے جو "خبر دیتے تھے کہ خداوند نے کیسے بڑے کام کئے" (مرقس ۵: ۱۹) اور وہ "اس بات کا چرچا کرتے" تھے۔ لیکن ہم اس حقیقت پر زور دینا چاہتے ہیں کہ زبانی بیانات کے ساتھ ساتھ تحریری بیانات موجود تھے جو ان قدیم ترین کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں تھے اور ارضِ مقدس کے طول و عرض میں پائے جاتے تھے۔ ہر ذی عقل شخص پر ظاہر ہے ہو جاتا ہے کہ ہزارہا مومنین کی جماعت کو (جو ان قدیم ترین ایام میں یروشلیم اور ارضِ مقدس کے اندر اور سلطنتِ روم کے مختلف قصبوں اور شہروں میں پھیل گئی تھی، صرف زبانی بیانات حفظ کرانے سے ایمان کی استقامت واصل نہیں ہو سکتی تھی۔ جو کام تحریری لفظ کر سکتا ہے وہ

---

[1] T.R. Glover, Pual of Tarsus pp.233-234
[2] C.H. Dodd, Apostolic Preaching pp.65-71
[3] C.H. Dodd, The Parnkles of the Kingdom (1935) pp.133-134
[4] C.J. Codoux, The Historic Mission of Jesus (1941) p.12

ایک یا متعدد اشخاص کی تقریروں کے الفاظ سرانجام نہیں دے سکتے۔ پس جوں جوں سال گذرتے گئے اور دور و دراز کی کلیسیاؤں کا شمار بڑھتا گیا، تحریری بیان، پارے، رسالے اور کتابیں زیادہ استعمال ہونے لگیں اور یہ پارے اور رسالے ہر مقام کی کلیسیاؤں میں مروج ہوگئے (لوقا ۱: ۱)۔

باب پنجم

اناجیلِ اربعہ

گذشتہ ابواب میں ہم ثابت کر آئے ہیں کہ حضرت کلمتہ اللہ کے کلمات اور خطبات کو سننے والوں اور آپ کے معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والوں کی تعداد ہزارہا تھی۔ یہ سب کے سب لکھے پڑھے یہودی عوام اور خواص (خاص کی جمع) تھے۔ اُنہوں نے جو دیکھا اور سنا اس کی اُن کے رشتہ داروں، واقف کاروں اور دوستوں کے حلقوں میں دھوم مچ گئی۔ آپ کی وفات کے بعد اُن میں سے ہزاروں آپ پر ایمان لے آئے، اور کلیسیا میں شامل ہو کر نجات سے بہرہ ور ہوگئے۔ پس رسولوں نے کلیسیا کی تنظیم کی۔ نو مریدوں کو مسیحی ایمان کی تعلیم دینے کے لئے اور ان کے ایمان کو مستحکم کرنے کے لئے رسالے لکھے گئے۔ اُن میں سے بعض رسالے اور پارے آنخداوند کی حینِ حیات میں ہی لکھے گئے اور دیگر پارے چشم دید گواہوں کے بیانات پر مشتمل تھے جو معتبر تھے۔ بعض رسالے رسولوں نے اور بعض رسالے معلموں اور استادوں کی فاضل جماعت نے مرتب کئے۔ بعض پارے یروشلیم کی کلیسیا میں مروج (رائج، جاری) تھے۔ چنانچہ اناجیل کو غور سے پڑھنے والوں پر ظاہر ہے کہ ان کے بعض حصوں میں الفاظ "میں" "ہم"، "تو"، "تم"، "تجھے" وغیرہ یعنی واحد حاضر، جمع حاضر، واحد متکلم، اور جمع متکلم کے صیغے آتے ہیں (لوقا ۱: ۳۔ ۴؛ یوحنا ۲۰: ۲۱ وغیرہ)۔ یہ حقیقت ظاہر کرتی ہے کہ یہ بیانات چشم دید گواہوں کے ہیں جو کلی وثوق کے ساتھ اپنے مخاطبوں کو ان باتوں کی نسبت تحریر کرتے ہیں جن کو "ہم نے سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ غور سے دیکھا اور اپنے ہاتھوں سے چھوا" (۱۔ یوحنا ۱: ۱)۔ یہ سب کے سب بیانات آنخداوند کی وفات کے چند سالوں کے اندر اندر لکھے گئے (لوقا ۱: ۱)۔ یہ پارے اور رسالے جو ابتدائی ایام میں لکھے گئے تھے اناجیل کی تالیف کرنے والوں کے ہاتھوں میں تھے۔ انجیل نویسوں نے ان رسالوں اور پاروں کو جو مختلف کلیسیاؤں میں مروج تھے اپنی انجیلوں کے ماخذ بنایا کیونکہ وہ سب سے معتبر شمار کئے جاتے تھے۔ اس باب میں ہم ان قدیم ترین رسالوں میں سے چند ایک کا مفصل ذکر کریں گے۔

فصل اوّل

رسالہِ کلمات

دوسری صدی کے اوائل میں افسس کے نزدیک شہر ہائراپولس کے بشپ، مقدس یوحنا کے شاگرد، پے پائس (تاریخ پیدائش ۶۰ء) نے ایک رسالہ لکھا جس میں نہ صرف اُن کے اپنے خیالات درج ہیں بلکہ اس میں انہوں نے روایات بھی جمع کی ہیں جو انہوں نے کلیسیا کے سربرآوردہ قائدین سے پہلے وقتوں میں سُنی تھیں۔ اس رسالہ میں یہ بشپ لکھتے ہیں:۔

"پس متی نے عبرانی زبان میں سیدنا مسیح کے کلام کو جمع کیا اور ہر شخص نے اپنے لیاقت کے مطابق اُن کا ترجمہ کیا"

اس فقرہ میں صرف بشپ پے پئس کا اپنا خیال ہی درج نہیں بلکہ اس کے وقت سے پہلے کے زمانہ کی یعنی ۱۰۰ء کی روایت کا بیان ہے۔اس مختصر فقرے سے ہم کو چار باتوں کا علم حاصل ہوتا ہے:۔

(۱۔) حضرت کلمتہ اللہ کے کلمات اور خطبات جمع کئے گئے تھے۔

(۲۔) یہ کلماتِ عبرانی زبان میں جمع کئے گئے۔غالباً "عبرانی" سے مراد ارضِ مقدس کے یہود کی زبان یعنی ارامی زبان ہے۔

(۳۔) ان کلمات کو جمع کرنے والے کا نام متی تھا اور اس سے غالباً متی رسول مراد ہے۔

(۴۔) مختلف لوگوں نے اپنی لیاقت کے مطابق ان کا ترجمہ کیا۔اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس سے مراد یونانی زبان میں ترجمہ ہے[1]۔

پس ۱۰۰ء کی روایت کے مطابق حضرت کلمتہ اللہ کے خطبات اور کلمات مقدس متی رسول نے جمع کئے تھے جس کے ۱۰۰ء سے مدتوں پہلے یونانی زبان میں مختلف ترجمے بھی کئے گئے تھے۔

اس روایت کو ابتدائی مسیحی مورخ بشپ یوسی ئیس اپنی کتاب تاریخ کلیسیا[2] میں لکھتا ہے۔جس میں وہ بشپ پے پئس کی کتاب "خداوند کے کلماتِ سماوی کی تفسیر[3]" کا اقتباس کرتا ہے۔اس کتاب میں یہ بشپ بدعتی معلموں کی غلط تفسیروں کے خلاف حضرت کلمتہ اللہ کے اقوال کی صحیح تاویل(بیان،بچاؤ کی دلیل) کرتا ہے جو کلیسیا کے نزدیک معتبر تھی۔

پس دوازدہ رسولوں میں سے مقدس متی رسول نے آنخداوند کے خطبات اور کلمات کو ارامی زبان میں جمع کیا۔پروفیسر رمزے کے مطابق یہ مجموعہ حضرت کلمتہ اللہ کے جیتے جی جمع کیا گیا تھا[4]۔جس طرح عاموس نبی کی کتاب اس کی حینِ حیات میں ہی لکھی گئی تھی۔اور یہ مجموعہ اس قدر مقبول عام ہو گیا تھا کہ اس کی بہت نقلیں کی گئیں۔کیونکہ ایمانداروں کی جماعت کو جو روز بروز بڑھتی ہی چلی جارہی تھی اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ وہ آنخداوند کی تعلیم سے واقف ہو۔بعد میں اس مجموعہ کی کئی ایڈیشن بھی لکھی گئیں جس میں بعض علماء مثلاً ہاکنس، سینڈے، سٹریٹر وغیرہ کے مطابق چند واقعات مثلاً آنخداوند کی آزمائشیں، صوبہ دار کے خادم کا شفا پانا اور چند دُوسری کہانیاں اور سیدنا مسیح کے اقوال کے "شانِ نزول" شامل کے گئے[5]۔یہ رسالہ غیر یہودی کلیسیاؤں میں بھی نہایت مقبول ثابت ہوا اور اُن کی خاطر مختلف اشخاص نے اس کے "ترجمے" "اپنی اپنی لیاقت کے مطابق"۔یونانی زبان میں کئے۔

(۲)

ان مختلف یونانی ترجموں میں سے ایک ترجمہ ہماری موجودہ انجیل اوّل کے یونانی متن میں محفوظ ہے۔یہ رسالہ انجیلِ اوّل اور سوم کے لکھنے والوں نے اپنی اپنی انجیلوں میں لفظ بہ لفظ نقل کر لیا کیونکہ یہ رسالہ نہایت معتبر تھا۔اس کو بارہ(۱۲) رسولوں میں سے ایک نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے لکھا تھا اور حضرت کلمتہ اللہ کی حینِ حیات میں جمع کیا تھا۔یہ رسالہ ابتدائی ایام سے ہی مختلف مقامات کی کلیسیاؤں میں مقبولِ عام ہو گیا تھا۔

---

1 The Mission & Message of Jesus p.309
2 Eusebius, H.E.111.p.39
3 Expositions of the Oracles of the Lord, by Papias, Bishop of Hierapolis.
4 Sir W. Ramsay, Luke the Physician.p.89.
5 Vincent Taylor, Formation of the Gospel Tradition (1938) pp.176-185

یہ رسالہ اُن مقامات پر مشتمل تھا جو پہلی اور تیسری انجیلوں میں پائے جاتے ہیں یہ مقام حسب ذیل ہیں[1]:۔

(۱۔) یوحنا بپتسمہ دینے والے کی منادی (لوقا۳:۷۔۹، ۱۲۔۱۷؛ متی۳:۷۔۱۳)۔

(۲۔) سیدنا مسیح کی آزمائشیں (لوقا۴:۱۔۱۳؛ متی۴:۱۔۱۱)۔

(۳۔) سیدنا مسیح کی تبلیغ (لوقا۶:۲۰۔۴۹؛ متی۵:۱۔۳، ۴، ۶، ۱۱۔۱۲، ۴۴، ۳۹، ۴۲؛ ۷:۱۲؛ ۵:۴۶۔۴۷، ۴۴۔۴۵، ۴۸؛ ۷:۱۔۲؛ ۱۵:۱۴؛ ۱۰:۲۴۔۲۵؛ ۷:۳۔۵، ۱۶۔۲۰؛ ۱۲:۳۳۔۳۵؛ ۷:۲۴۔۲۷)۔

(۴۔) کفرنحوم کا صوبہ دار (لوقا۷:۱۔۱۰، متی۸:۵۔۱۰، ۱۳)۔

(۵۔) حضرت یوحنا بپتسمہ دینے والا اور سیدنا مسیح (لوقا۷:۱۸۔۳۵؛ متی۱۱:۲۔۱۱، ۱۶۔۱۹)۔

(۶۔) شاگردی کے اُمیدوار (لوقا۹:۵۷۔۶۲؛ متی۸:۱۹۔۲۲)۔

(۷۔) مبلغوں سے خطاب (لوقا۱۰:۲، الخ۸۔۱۶؛ متی۹:۲۷، الخ؛ ۱۰:۱۶، ۱۵، ۱۱:۲۰۔۲۴؛ ۱۰:۴۰)۔

(۸۔) شاگردی کے حقوق (لوقا۱۰:۲۱۔۲۴؛ ۱۱:۹۔۱۳؛ متی۱۱:۲۵۔۲۷؛ ۱۳:۱۶۔۱۷، الخ؛ ۷:۷۔۱۱)۔

(۹۔) بعلزبول کی نسبت بحث (لوقا۱۱:۱۴۔۲۶؛ متی۱۲:۲۲۔۲۴؛ ۲۵:۳۰، ۴۳۔۴۵)۔

(۱۰۔) خوشامد کی ملامت (لوقا۱۱:۲۷۔الخ؛ متی۱۲:۴۶۔۵۰)۔

(۱۱۔) نشان کے طالب (لوقا۱۱:۲۹۔۳۶؛ متی۱۲:۳۸۔۴۱، الخ؛ ۵:۱۵؛ ۶:۲۶۔الخ)۔

(۱۲۔) فریسیوں کے خلاف (لوقا۱۱:۴۲۔۵۲؛ ۱۲:۲۔الخ؛ متی۲۳:۲۳، ۲۷؛ ۲۳:۴، ۲۹، ۳۱، ۳۴۔۳۶، ۱۹۔۲۱)۔

(۱۳۔) شاگردوں کی ایذارسانی (لوقا۱۲:۴۔۱۲، ۲۲۔۳۴؛ متی۱۰:۲۸۔۳۳؛ ۱۲:۳۲؛ ۶:۲۵۔۳۳، ۱۹۔۲۱)۔

(۱۴۔) عدالت کا نازک وقت (لوقا۱۲:۳۵۔۵۹؛ ۱۳:۱۸۔۲۱؛ متی۲۵:۱۔۱۳؛ ۲۴:۴۳۔۵۱؛ ۱۰:۳۴۔۳۶؛ ۵:۲۵۔۲۶؛ ۱۳:۳۱۔۳۳)۔

(۱۵۔) توبہ نہ کرنے والوں کا حشر (لوقا۱۳:۲۲۔۳۰، ۳۴۔۳۵۔الخ؛ ۱۴:۱۵؛ متی۸:۱۱۔الخ؛ ۲۳:۳۷، ۳۹۔۲۲:۱۔۱۰)۔

(۱۶۔) نازک وقت میں شاگردی (لوقا۱۴:۲۵۔۲۷، ۳۴۔۳۵۔الخ؛ ۱۶:۱۳، ۱۶۔۱۸؛ متی۱۰:۳۷۔۳۸؛ ۵:۱۳؛ ۶:۲۴؛ ۱۱:۱۲۔۱۳؛ ۱۸:۶۔۷)۔

(۱۷۔) ابنِ آدم کے دن (لوقا۱۷:۲۲۔۳۷؛ متی۲۴:۲۶۔۳۹؛ ۱۰:۳۹؛ ۲۴:۴۰۔۴۱)۔

اگر ناظرین مندرجہ بالا حوالہ جات کے ایک ایک لفظ کا مقابلہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ دونوں انجیلوں کے مندرجہ بالا مقامات لفظ بلفظ آپس میں ملتے ہیں۔اس کی وجہ یہی ہے کہ ان انجیلوں کے مصنفوں نے اپنی انجیلوں کے مختلف مقامات میں اپنے اپنے مقصد کے مطابق **"رسالہِ کلمات"**

[1] The Mission & Message of Jesus (1928) p.45

کے الفاظ کو لفظ بلفظ نقل کیا تھا۔اور اب اس رسالہ کی تمام آیات ہمارے ہاتھوں میں من وعن ویسی ہی موجود ہیں جیسی مقدس متی نے لکھی تھیں۔ بالفاظِ دیگر حضرت کلمتہ اللہ کے خطبات اور کلماتِ بابرکات نہایت صحت کے ساتھ ہماری اناجیل میں محفوظ ہیں۔اس رسالہ کلمات کے الفاظ انجیل سوم کا چھٹواں حصہ اور انجیل اوّل کا ۲؍۱۱ حصہ ہیں۔یہ رسالہ قریباً ۱۹۲ آیات پر مشتمل تھا۔

بشپ پے پئس نے اپنی کتاب میں بدعتی معلموں کے خلاف حضرت کلمتہ اللہ کے زرین اقوال کی صحیح تفسیر کی جو کلیسیا کے نزدیک معتبر تھی۔ بشپ پے پئس اور اُن کے ہمعصروں کے نزدیک رسالہِ کلمات کے مندرجہ اقوال کو وہی پایہ حاصل تھا جو حضرت موسیٰ کے دس احکام کو حاصل ہے [1]۔ اس سے ہم رسالہ کلمات کے پایہ اعتبار اور سند کا اندازہ کرسکتے ہیں۔

(۳)

جرمن نقاد ہارنیک کہتاہے کہ کلمات کے مضامین پر غور کرنے سے یہ ظاہر ہو جاتاہے کہ اس کا مرکزی پیغام یہ تھا کہ مسیح موعود ایک زبردست معلم اور خدا کی بادشاہت کا نبی تھا اُس میں صرف کلمتہ اللہ کی تعلیم کا ہی مجموعہ تھا۔اس کے مضامین صلیب کے واقعہ سے پہلے کے ہیں۔پس اس کا مرکزی پیغام "مسیح ہمارا نجات دہندہ" نہیں ہے [2]۔اس ایک بات سے یہ بھی ثابت ہو جاتاہے کہ یہ رسالہ صلیب کے واقعہ سے پہلے احاطہ تحریر میں آچکا تھا۔ کیونکہ اس جانکاواقعہ کے بعد لکھا جاتا تو یہ واقعہ اس رسالہ میں لازمی طورپر ہوتا کیونکہ دوزادہ رسول اپنی منادی کے پہلے ایام ہی سے اس واقعہ پر زوردیتے تھے (اعمال ۱: ۲۱ ؛ ۲: ۲۳ وغیرہ)۔ چنانچہ پروفیسر برکٹ بھی کہتاہے [3] کہ **"رسالہِ کلمات"** میں واقعہ صلیب کا ذکر نہ تھا بلکہ حق تو یہ ہے کہ بکریوں اور بھیڑوں کی تمثیل (متی ۲۵: ۳۱۔ ۴۶) سیدنا مسیح کے خطبات کا نہایت موزوں خاتمہ ہے۔یہ رسالہ اسی تمثیل پر ختم ہوتا تھا کیونکہ اس کے بعد متی کی انجیل میں رسالہ کلمات سے کوئی قول نقل نہیں کیا گیا"۔

پروفیسر ریمزے کہتاہے کہ اس قسم کے رسالہ کو کوئی مسیحی آنخداوند کی صلیبی موت کے بعد نہ لکھتا۔کم از کم عید پنتی کوست کے بعد اس قسم کے رسالہ کا لکھا جانا ناممکن ہے جس سے یہ ثابت ہوتاہے کہ یہ رسالہ حضرت کلمتہ اللہ کی حینِ حیات میں ہی لکھا گیا تھا [4]۔

دیگر علماء کا خیال ہے کہ یہ رسالہ حضرت کلمتہ اللہ کی وفات کے بعد لکھا گیا تھا۔ہم نے اوپر دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ قیاس درست نہیں ہے۔بہر حال تم علماء اس بات پر متفق ہیں کہ [5] یہ رسالہ قدیم ترین ہے اور پہلی صدی کے درمیان سے پہلے یعنی ۵۰ء سے پہلے کا لکھا ہواہے جس کا بالفاظ دیگر مطلب یہ ہے کہ ان علماء کے خیال میں یہ رسالہ آنخداوند کی وفات کے دس پندرہ سال کے اندر اندر لکھا گیا تھا۔لیکن متعدد علماء پروفیسر ریمزے کے ہم نوا ہو کر کہتے ہیں کہ "ہمارے پاس یہ ماننے کے لئے کافی وجوہ (وجہ کی جمع) ہیں کہ سیدنا مسیح کی تمثیلوں اور آپ کے کلمات کا مجموعہ آپ کے جیتے جی آپ کے زیر اہتمام پورا کیا گیا [6]،پروفیسر نسلٹ ٹیلر بھی اس عالم سے اتفاق کرتے ہیں [7]۔پروفیسر برکٹ کے الفاظ بھی قابل غور ہیں۔وہ کہتے ہیں "میرے لئے یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ سیدنا مسیح کے وہ اقوال اور تمثیلیں (جن کا تعلق خدا کی بادشاہی کے اس دنیا میں پورا ہونے سے ہے) سیدنا مسیح کے زمانہ کے

---

[1] B.W. Bacon, The Story of Jesus (1928). p.45
[2] W.C. Allen, Recent Criticism of the Synoptic Gospel's Exp.Times July 1909 pp.455ff.
[3] F.C. Burkitt, Gospel History & Its Transmission p.133 also T.W. Manson, The Teaching of Jesus pp.29-34.
[4] Sir W. Ramsay, Luke the Physician p.89
[5] A. Richardson, The Gospel in the Making (S.C.M.P.24)
[6] B.S. Easton, The Gospel before the Gospels (1928) p.41
[7] Vincent Taylor, Formation of the Gospel Tradition p.94.

بعد کی ہیں ان کی تازگی اور اُن کی فضا کی شگفتگی اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ آپ کے زمانہ کے بعد کی باتیں نہیں ہیں۔ قدیم مسیحی ادب میں اناجیلِ متفقہ کے باہر قدرتی مناظر اور انسانی فطرت کے متعلق اس قسم کا نظریہ زندگی کہیں نہیں ملتا جو آپ کی تمثیلوں میں موجود ہے۔ اعمال کی کتاب میں مختلف رسولوں کی تقریریں لکھی ہیں ان میں ایک بھی تمثیل موجود نہیں اور نہ اس قسم کے اقوال پائے جاتے ہیں جو آنخداوند کی زبانِ مبارک سے نکلے[1]۔

ناظرین نے ملاحظہ کیا ہو گا کہ "منادی" (باب سوم) میں حضرت کلمتہ اللہ کی مبارک تعلیم کی نسبت ایک لفظ بھی موجود نہیں ہے۔ اناجیل اربعہ میں بار بار آیا ہے کہ سامعین آپ کی تعلیم سن کر "دنگ رہ جاتے تھے"۔ اور مخالفین تک اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ "انسان نے کبھی ایسا کلام نہیں کیا" (یوحنا ۷: ۴۶)۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کی تعلیم رسولوں کی "منادی" کا غالب حصہ نہ تھی۔ اس کی صرف یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ یروشلیم اور ارضِ مقدس میں نہ صرف ایک بڑی تعداد اس تعلیم سے واقف تھی بلکہ یہ تعلیم تحریری صورت میں ایمان داروں کی جماعت میں مروج تھی۔ لیکن چونکہ اس رسالہ میں سیدنا مسیح کی تعلیم کے علاوہ اور کچھ نہ تھا لہٰذا رسولوں کی "منادی" اُن باتوں پر مشتمل تھی جو اس رسالہ میں نہ تھیں۔ اس قسم کی ضمنی باتوں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آنخداوند کے زرین اقوال آپ کی حینِ حیات میں ہی لکھے گئے تھے اور وہ تحریری صورت میں موجود تھے۔

مقدس پولُس رسول کے خطوط سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس **"رسالہِ کلمات"** موجود تھا۔ جس میں آنخداوند کے کلمات اور احکام موجود تھے (۱۔ کرنتھیوں ۷: ۱۰، ۱۲، ۲۵؛ متی ۵: ۳۲؛ اعمال ۱۳: ۲۴؛ ۱۹: ۴؛ ۲۰: ۳۵ وغیرہ)۔ آپ کے خطوط (رومیوں ۱۲: ۱۴۔ ۲۱؛ ۲۔ کرنتھیوں ۱۰: ۱ وغیرہ)۔ کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ **"رسالہِ کلمات"** رسول مقبول کے ہاتھوں میں موجود تھا۔ (۱۔ کرنتھیوں کا ۱۳ باب) در حقیقت آنخداوند کے کیرکٹر اور خصلت کا بیان ہے۔ آپ آیات ۴ تا ۸ میں لفظ "محبت" کی بجائے لفظ "یسوع مسیح" پڑھیں تو آپ پر ظاہر ہو جائے گا کہ کس خوبی سے مقدس پولُس نے آنخداوند کی زندگی کا خاکہ کھینچا ہے اور اس زندگی سے محبت کا سبق پڑھا ہے۔ مقدس پولُس بار بار آنخداوند کی حلیمی اور انکساری کا ذکر کرتا ہے (۲۔ کرنتھیوں ۱۰: ۱؛ فلپیوں ۲: ۷۔ ۸؛ ۱۔ کرنتھیوں ۱۱: ۱ وغیرہ)۔ جس سے ظاہر ہے کہ **(رسالہِ کلمات)** جس میں (متی ۱۱: ۲۹) کا قول موجود ہے اُن کے ہاتھوں میں موجود تھا۔ آپ کے خطوط سے یہ بھی ظاہر ہے کہ **"رسالہِ اثبات"** آپ کے ہاتھوں میں تھا جس کا مفصل ذکر ہم آگے چل کریں گے۔ یہ رسالہ "**کلمات**" کے مجموعہ کے بعد لکھا گیا تھا۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ مقدس پولُس اور دیگر رسولوں اور مبلغوں کے ہاتھوں میں رسالہ کلمات نہ ہو۔ ہم کو تعجب ہوتا ہے جب کوئی کہتا ہے کہ مقدس پولُس منجی جہان کی زندگی کے واقعات اور تعلیمات کی طرف سے بے نیاز تھے۔ دلیل یہ دی جاتی ہے کہ آپ کے خطوط میں منجی کی زندگی کے واقعات کا ذکر بہت کم پایا جاتا ہے لیکن یہ خطوط اس غرض کے لئے لکھے ہی نہیں گئے تھے۔ آپ کے زمانہ میں کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں یہ رسالے اور پارے موجود تھے جو قدیم کلیسیا میں مروج تھے۔ پس ہم اس نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے کہ رسولِ مقبول منجی عالمین کی زندگی اور واقعات سے واقف نہ تھے یا آپ کے نزدیک وہ بہت اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ رسول کی زندگی کے انقلابی واقعہ کا مرکز[2] ہی یہ تھا کہ مصلوب گلیلی در حقیقت کون تھے اور کیا تھے اور دنیا میں آپ کی اہمیت در اصل کیا تھی۔ آپ کے خطوط سے ظاہر ہے کہ قدیم رسالے اور بالخصوص رسالہِ کلمات آپ کے ہاتھوں میں موجود تھا۔ پروفیسر برکٹ کا خیال[3] ہے کہ پولُس رسول نے سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت کے اور عشائے ربانی کے جو بیان لکھے ہیں (۱۔ کرنتھیوں ۱۱: ۲۳) الخ اور (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۳۔ الخ) وہ تحریری صورت میں موجود تھے۔

---

[1] Burkit, Gospel-History & Its Transmission p.195-196
[2] T.R. Glover, Paul of Tarsus p.205
[3] Burkitt, Gospel-History & Its Transmission p.263

حق تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خالی الذہن ہو کر اس سوال پر غور کرے کہ جس قسم کی تعلیم "رسالہِ کلمات" میں موجود ہے وہ کب احاطہ تحریر میں آئی ہو گی تو وہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس ماخذ کی تاریخ پنتیکوست کے بعد کی نہیں ہو سکتی کیونکہ مقدس پطرس کی تقریر صاف ظاہر کر دیتی ہے کہ اس وقت رسولوں پر انجیل کا اصل منشا اور آنخداوند کی آمد کی علتِ غائی اور آپ کی صلیبی موت اور ظفریاب قیامت کا عقدہ (بھید، راز) کھل گیا تھا اور ان ایام میں مسیحیت صلیبی موت کی قربانی اور گناہوں سے نجات کی نیو پر پختہ طور پر کھڑی ہو چکی تھی۔ اگر یہ رسالہ پینتکوست کے بعد لکھا جاتا تو یہ ناممکن تھا کہ اس میں نجات کی خوشخبری کا یہ طریقہ مذکور نہ ہوتا۔ شائد کوئی کہے کہ یہ رسالہ سیدنا مسیح کی قیامت اور عیدپینتکوست کے درمیانی عرصہ میں لکھا گیا تھا لیکن یہ قیاس ایسا غیر معقول ہے کہ کسی نقاد نے پیش نہیں کیا۔ اس بیم ورجا کہ زمانہ میں کس کو یہ حوصلہ ہو سکتا تھا کہ ایسا رسالہ مرتب کرے جس کی فضا بلند معیار اور رنگ ڈھنگ رسالہِ کلمات کا سا ہو۔

تمام امکانات پر غور کر کے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ رسالہِ کلمات صرف تب ہی لکھا جا سکتا تھا جب آنخداوند ابھی زندہ تھے اور یہی وجہ تھی کہ مقدس لوقا جیسا محتاط مورخ اِس رسالہ کو اپنے دیگر ماخذوں سے بھی زیادہ مستند اور معتبر سمجھتا ہے اور انجیل اوّل کا مصنف بھی اس کو یکتا خیال کر کے استعمال کرتا ہے۔ اس رسالہ میں مقدس متی نے آنخداوند کے کلمات اور آنکھوں دیکھے اور کانوں سنے واقعات کو قلمبند کر لیا تھا اور انجیلِ اوّل اور سوم کے مصنف دونوں اس رسالہ کی سند کو قبول کر کے اپنے اپنے نکتہ نظر کے مطابق اس رسالہ کو اپنی اپنی ترتیب کے اختلاف کے مطابق اپنی انجیلوں میں لفظ بلفظ نقل کرتے ہیں۔ یہ رسالہ ایک طرف تو ایسی دستاویز تھی جو مشمولہ واقعات کی ہمعصر تھی۔ جس میں اُن شاگردوں کے تاثرات اور ردِ عمل کا ذکر تھا جو واقعات کے چشم دید گواہ تھے۔ اور دوسری طرف یہ کلمات اور واقعات تب احاطہ تحریر میں آگئے۔ جب یہ چشم دید گواہ ان الفاظ کی اہمیت اور واقعات کے مطالب و معانی کو سمجھنا تو در کنار (علاوہ، جُدا) وہ اُن کے خواب وخیال میں نہ آئے تھے (یوحنا ۲: ۲۲؛ ۱۲: ۱۶؛ لوقا ۲۴: ۶۔ ۸؛ مرقس ۹: ۳۲؛ لوقا ۹: ۲۲؛ مرقس ۶: ۵۲؛ لوقا ۱۸: ۳۱۔ ۳۴ وغیرہ)۔ شاگردوں میں ابھی یہ صلاحیت پیدا ہی نہیں ہوئی تھی کہ وہ ان کلمات کو سمجھ سکیں جن کا تعلق صلیب کے ساتھ تھا یا اس واقعہ کے حقیقی مقاصد اور اصلی مطالب کو جان سکیں۔ چنانچہ (متی ۱۶: ۲۱۔ ۲۳) کے واقعہ کے عین بعد (متی ۱۶: ۲۴۔ ۲۵) آیات کا واقعہ سے یہ ثابت ہے۔ اسی طرح (لوقا ۹: ۴۴۔ ۴۵) کے بعد آیات ۵۴، ۵۶ ظاہر کرتی ہیں کہ آنخداوند اور آپ کے شاگردوں کے نکتہ نظر میں کتنا فرق تھا۔ ع

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔

انجیل نویس رسالہِ کلمات کے مندرجہ اقوالِ خداوندی کے بعد اپنا نوٹ لکھتے ہیں "اس کی باتیں ان (شاگردوں) کو یاد آئیں"۔ "انہوں نے ان میں سے کوئی بات نہ سمجھی اور یہ قول اُن پر پوشیدہ رہا اور ان باتوں کا مطلب اُن کی سمجھ میں نہ آیا"۔ حضرت کلمتہ اللہ نے اُن کو بعض اقوال بولنے کے بعد ہی سمجھا دیئے (مرقس ۴: ۱۳، ۳۴ وغیرہ)۔ بعض کے مطلب کا اُن کو بعد کے واقعات کی روشنی میں پتہ چلا (مرقس ۷: ۱۸۔ ۱۹؛ اعمال ۱۰: ۱۴۔ ۱۵ وغیرہ)۔ ان الفاظ کا وجود ہی ان کی صحت کا ذمہ دار ہے اور شاگردوں کے اپنے پرانے خیالات کا آئینہ اور ان کے ذہنی ارتقا کا شاہد ہے۔ ان باتوں سے ثابت ہے کہ آنخداوند کے اقوال اُس وقت لکھے گئے تھے جب آپ نے فرمائے تھے [1]۔

[1] W.M. Ramsay, The Oldest Written Gospel Expositor vol.111 May 1907

(۴)

جب ہم رسالہِ کلمات کے مضامین پر نظر کرتے ہیں تو اس کی خصوصیات ہم پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ **اوّل** یہ کہ اس کا دائرہ نظر، معہودِ ذہنی (وہ اسم نکرہ جو ذہن متکلم یا مخاطب میں معین ہو) اور احساسات سب کے سب یہودی فضا اور یہودیت میں رنگے ہیں۔ **دوم**۔ اس رسالہ میں بتلایا گیا ہے کہ فریسیوں کے فرقہ میں اور آنخداوند میں باہمی آویزش (لڑائی) رہتی تھی۔ اور **سوم** اس میں خدا کی بادشاہی کا تصور مسائل معاد Exchatological سے متعلق ہے۔ اس رسالہ میں آنخداوند کی جو تصویر نظر آتی ہے وہ خدا کی بادشاہی کے نبی کی ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ یہ نبی ابنِ آدم ہے جو خدا کی بادشاہی کو قائم کرنے کے لئے آنے والا ہے [1]۔

یہ رسالہ کلمات پانچ حصوں پر مشتمل تھا۔ اسی لحاظ سے بشپ پے پئس کی تفسیر بھی پانچ حصوں پر مشتمل تھی۔ پس نیسل Nestle کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ بشپ مذکور کی تفسیر مقدس متی کے رسالہِ کلمات کے پانچ حصے تھے۔ جس طرح تورات کی اور زبور کی کتابیں پانچ حصوں میں منقسم تھیں۔ یہ تقسیم اس حقیقت کو بھی ثابت کرتی ہے کہ مقدس متی نے اپنے رسالہِ کلمات کو پانچ حصوں پر اس بنا پر تقسیم کیا تھا کیونکہ رسولوں کے نزدیک حضرت کلمتہ اللہ کی زبان کا ایک ایک لفظ کتُبِ تورات اور صحائف انبیاء کی طرح الہامی تھا۔ (یوحنا ۱۸: ۳۲؛ مرقس ۱۰: ۳۳؛ متی ۱۲: ۸، ۴۱۔ ۴۲؛ یوحنا ۱۸: ۹، ۱۳، ۱۸ وغیرہ)۔

جس طرح انبیائے سابقین کے صحابہ ان انبیاء کا کلام موقعہ اور محل کا ذکر کئے بغیر جمع کیا کرتے تھے اسی طرح مقدس متی نے بھی رسالہِ کلمات میں سیدنا مسیح کے کلام معجز نظام کو جمع کیا اور ان کا "شانِ نزول" نہ بتلایا۔ آپ نے یہ نہ لکھا کہ سیدنا مسیح نے فلاں موقعہ پر یا فلاں محل پر فلاں کلمات فرمائے تھے۔

چونکہ رسالہِ کلمات ایک مختصر رسالہ تھا جس میں صرف آنخداوند کے کلمات ہی درج تھے اور اس میں منجی جہان کی صلیبی موت اور دیگر سوانح حیات اور معجزات کا بیان نہ تھا اور مقدس متی اور مقدس لوقا نے اس رسالہ کے ایک ایک لفظ کو اپنی انجیلوں میں نقل کر لیا تھا، لہٰذا جُوں جُوں وقت گذرتا گیا اس رسالہ کی نقلیں ہونی بند ہوتی گئیں۔

علاوہ ازیں قدیم زمانہ کے مسیحی صرف چند طوماروں کے ہی مالک ہو سکتے تھے۔ پس انہوں نے انجیل متی اور انجیل لوقا کے طوماروں کو ترجیح دی اور یہ رسالہ آہستہ آہستہ نقل ہونا بند ہو گیا اور ایک زمانہ آیا جب یہ رسالہ ناپید ہو گیا [2]۔

---

[1] W.C. Allen, Recent Criticism of Synoptic Gospels Exp.Times July, 1909 pp.455 ff.

[2] Filson, Origin of the Gospels. P.125.

فصل دوم

رسالہِ اثبات

ہم بابِ سوم میں بتلا چکے ہیں کہ ابتدائی ایام کی کلیسیا کے معلموں نے ایمان داروں کی جماعت کے ایمان کی استقامت کے لئے ایک رسالہ مرتب کیا[1] جس میں مختلف عنوانات کے ماتحت عہدِ عتیق کی کتابوں کی اُن آیات کو اکٹھا کیا گیا تھا جن کا ایک ہی موضوع تھا اور کہ یہ رسالہ اسی قسم کا تھا جس قسم کا بعد کے زمانہ میں بشپ سپرین[2] نے نظرثانی کرکے تیار کیا تھا۔ جس سے متعدد لاطینی مصنفوں نے اقتباس کئے ہیں ان تمام وجوہ کے باعث ڈاکٹر ہیرس Dr. Harris جیسا عالم اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ رسالہ اگر قدیم ترین کتاب نہیں تو کم از کم قدیم ترین زمانہ سے متعلق ہے۔ اور انجیلی مجموعہ کی تمام کتُب سے پیشتر احاطہ تحریر میں آیا تھا اور اس کتاب کا اثر انجیل کی تقریباً ہر کتاب میں نظر آتا ہے۔ اس عالم کے خیال میں یہ کتاب عہدِ عتیق کی نبوتوں پر مشتمل تھی اور اس مجموعہ کی بہتیری ایڈیشن ہوئیں اور ہر ایڈیشن میں اُس سے پہلی ایڈیشن کی نظر ثانی کی گئی تھی۔ جس میں بعض آیات کو خارج اور دیگر مقامات کا اضافہ کیا گیا تھا۔ ہم بابِ سوم میں بتلا چکے ہیں کہ اس قسم کے رسالہ کا قدیم ترین زمانہ میں مرتب کیا جانا ایک قدرتی بات بھی تھی۔ دوسری صدی کے اوائل میں جسٹن شہید نے اپنی کتاب **"اپالوجی"** کی بنیاد بھی عہدِ عتیق کی نبوتوں پر رکھی تھی اور دیگر آبائے کلیسیا نے بھی تبلیغ کا یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔

اس فصل میں ہم اس رسالہ کے مضامین پر مفصل بحث کریں گے۔

جب ہم انجیلی مجموعہ کی کتُب پر ایک غائر (گہری) نظر ڈالتے ہیں تو ہم پر یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ انجیل کے بعض مقامات میں عہدِ عتیق کی کتُب کا اقتباس کرنے سے پہلے انجیل کے بعض مولف ایک خاص فارمولا یا مقرری الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً "جیسا نبی کی معرفت کہا گیا تھا" وغیرہ۔ لیکن انجیلی مجموعہ کی کتب میں متعدد مقامات ایسے بھی ہیں جہاں یہ ظاہر ہے کہ مصنف کا منشاء اقتباس کرنے کا ہے لیکن اقتباس کرنے سے پہلے وہ کوئی خاص فارمولا استعمال نہیں کرتا۔ بعض اقتباسات لفظ بلفظ یونانی ترجمہ سپٹواجنٹ سے ملتے ہیں لیکن دیگر اقتباسات سیدھے عبرانی اصل متن سے ترجمہ کئے گئے ہیں۔ بعض مقامات سے ظاہر ہے کہ وہ توضیح (شرح وضاحت) کی خاطر اقتباس کئے گئے ہیں۔ دیگر مقامات میں عہدِ عتیق کی کسی کتاب کی جانب صرف اشارہ ہی پایا جاتا ہے۔

عہدِ عتیق کی کتب کے چند مقامات حسب ذیل ہیں[3]۔

(ا۔) (زبور ۲: ۷) یہ آیت اناجیل میں (مرقس ۱: ۱۱؛ ۹: ۷؛ متی ۳: ۱۷؛ لوقا ۳: ۲۲) اور اناجیل کے باہر (اعمال ۱۳: ۳۳؛ عبرانیوں ۱: ۵؛ ۵: ۵) میں پائی جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ عہدِ جدید کی کتابوں کے تین مختلف مصنف (جن کا ایک دوسرے کی تصنیفات سے قطعاً کوئی متعلق نہیں) (زبور ۲: ۷) کا استعمال کرتے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کتابوں کے لکھے جانے سے بہت پہلے یہ آیت مسیح موعود کے ثبوت میں پیش کی جاتی تھی۔

---

[1] Bishop Blunt, St. Mark, (Clarendon Bible 1935).11.
[2] Cyprian's Testimony against the Jews.
[3] C.H. Dodd, according to the Scripturess (1935)

(۲۔)(زبور۸: ۴۔۶)کااقتباس (عبرانیوں ۲: ۶۔۸)(جس کے الفاظ سپٹواجنٹ ترجمہ کے مطابق ہیں)۔(۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۲۷؛افسیوں ۱: ۲۲؛فلپیوں ۳: ۲۱؛۱۔پطرس ۳: ۲۲) میں پایاجاتاہے۔۱۔پطرس کے خط کااقتباس خاص طورپر غور طلب ہے۔کیونکہ وہ مقدس پولُس یاعبرانیوں کے خط کے مصنفوں کی تشریح کو جو وہ اس آیت کی کرتے ہیں نہیں لیتا۔ بلکہ وہ اس زبور کی مقبولِ عام تفسیر کا قائل ہے۔پس یہ تینوں مختلف مصنف اس زبور کی آیات کو اپنے اپنے مطلب کو ظاہر کرنے کے لئے ثبوت کے طورپر پیش کرتے ہیں تاکہ ہر کس وناکس یہ جان لے کہ "مسیح کو دکھ اٹھاکر جلال میں داخل ہوناضرور تھا"(لوقا۲۴: ۲۶)پس ظاہر ہے کہ ان مصنفوں کی تحریرات سے بہت پہلے کلیسیا کے معلم ان آیات کو اس غرض کے لئے پیش کرتے تھے۔

(۳۔)(زبو۱۱۰: ۱)اس آیت کااقتباس نہ صرف انجیل (مرقس ۱۲: ۳۶)میں کیاگیاہے بلکہ (اعمال ۲: ۳۴تا۳۵)(جس کے الفاظ سپٹواجنٹ کے مطابق ہیں)اور (عبرانیوں ۱: ۱۳)میں کیا گیاہے۔ لیکن عہدِ جدید کی کتب میں اس آیت کی جانب متعدد مقامات میں اشارے موجودہیں (مثلاً (مرقس ۱۴: ۶۲؛اعمال ۷: ۵۵؛رومیوں ۸: ۳۴؛افسیوں ۱: ۲۰؛کلسیوں ۳: ۱؛عبرانیوں ۱: ۳؛۸: ۱؛۱۰: ۱۲؛۱۲: ۲؛۱۔پطرس ۳: ۲۲)۔ظاہر ہے کہ یہ آیہ شریفہ رسولوں کی "منادی" کی بنیادی آیت تھی۔پس مقدس مرقس، مقدس لوقا، مقدس پولُس اور عبرانیوں اور ۱۔پطرس کے خطوط کے مصنف مختلف مقامات میں اس آیت کااقتباس کرتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ ان اناجیل کے احاطہ تحریر میں آنے سے پہلے یہ رسالہ لکھا گیا تھا۔

(۴۔)(زبور ۱۱۸: ۲۲۔ ۲۳)۔ان آیات کو مقدس مرقس (۱۲: ۱۰۔۱۱)استعمال کرتے ہیں۔ان کے الفاظ یونانی ترجمہ سپٹواجنٹ کے مطابق ہیں۔علاوہ ازیں ان آیات کااقتباس (اعمال ۴: ۱۱؛۱۔پطرس ۲: ۷)میں کیاگیاہے۔پس تین مختلف گواہ اس بات کے شاہد ہیں کہ انجیلی مجموعہ کے وجود میں آنے سے پہلے ان آیات کو اس غرض کے لئے پیش کیاجاتاتھا۔

(۵۔)(یسعیاہ ۶: ۹۔ ۱۰)کااقتباس اناجیل میں موجود ہے۔لیکن انجیل اول (متی ۳: ۱۴۔ ۱۵)کے الفاظ یونانی ترجمہ سپٹواجنٹ کے مطابق ہیں۔انجیلِ چہارم کے الفاظ ۱۲: ۴۰ سپٹواجنٹ سے مختلف ہیں۔انجیل دوم (مرقس ۴: ۱۲)کے الفاظ مقدس یوحنا کے الفاظ اور سپٹواجنٹ دونوں سے مختلف ہیں۔مقدس لوقا بھی ان آیات کااقتباس کرتے ہیں (اعمال ۲۵: ۲۵۔۲۷)الفاظ کے اختلاف سے یہ ظاہر ہے کہ یہ مصنف ایک دوسرے سے نقل نہیں کررہے بلکہ ایک مقام کے تین مختلف اقتباسات نقل کررہے ہیں۔جس سے ظاہر ہے کہ قدیم ترین زمانہ میں کلیسیا اس آیت کااستعمال کرتی تھی، جب اہل یہود نے نجات کے پیغام کو قبول نہ کیاتاکہ اس آیت کی سند سے وہ یہ ثابت کرے کہ انجیل جلیل کی منادی غیر یہود میں کی جائے گی۔

(۶۔)(یسعیاہ ۵۳: ۱)کااقتباس انجیل (یوحنا ۱۲: ۳۸)میں کیاگیاہے جس کے الفاظ سپٹواجنٹ کے مطابق ہیں اور مقدس پولُس بھی اس آیت کاذکر رومیوں کے خط ۱۰: ۱۶میں کرتے ہیں۔

(۷۔)(یسعیاہ ۴۰: ۳۔ ۵)کااقتباس تین انجیلوں یعنی (لوقا ۳: ۴۔ ۶؛متی ۳: ۳؛یوحنا ۱: ۲۳) میں پایاجاتاہے۔انجیل چہارم کے اقتباس کے الفاظ سپٹواجنٹ کے متن سے مختلف ہیں۔ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ اناجیل اربعہ کے احاطہ تحریر میں آنے سے پہلے کلیسیا ان آیات کو اسی مقصد کے لئے استعمال کرتی تھی۔

(۸۔)(یسعیاہ ۲۸: ۱۶؛۸: ۱۴)۔یہ دونوں مقامات (۱۔پطرس ۲: ۶۔۸) میں موجود ہیں لیکن ان کے الفاظ سپٹواجنٹ سے مختلف ہیں ان آیات کااقتباس (رومیوں ۹: ۳۳)میں بھی ہے۔

(۹۔)(پیدائش ۱۲: ۳؛ ۲۲: ۱۸)۔ یہ دونو مقامات (اعمال ۳: ۲۵اور گلتیوں ۳: ۸) میں یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کئے گئے ہیں کہ غیر یہود خدا کی بادشاہت میں داخل ہو کر برکت پائیں گے جس سے ظاہر ہے کہ قدیم زمانہ ہی سے ابتدائی کلیسیا اس غرض کے لئے ان آیات کو استعمال کرتی تھی۔

(۱۰۔)(یرمیاہ ۳۱: ۳۱۔ ۳۴)۔ان آیات کا اقتباس عبرانیوں کے خط (عبرانیوں ۸: ۸۔ ۱۲) میں کیا گیا ہے اور اس کے لفظ ترجمہ سپٹواجنٹ کے مطابق ہیں۔ان آیات کی طرف (۱۔ کرنتھیوں ۱۱: ۲۵) میں اشارہ کیا گیا ہے اور (۲۔ کرنتھیوں ۳باب) میں ان آیات سے استدلال کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قدیم ترین زمانہ کی کلیسیا ان آیات کو کس کس مقصد کے لئے استعمال کرتی تھی۔

(۱۱۔)(یوایل ۲: ۲۸۔ ۳۲) کا اقتباس (اعمال ۲: ۱۷۔ ۲۱، ۳۹) میں کیا گیا ہے۔اور ان آیات کا ذکر (رومیوں ۱۰: ۱۳) میں بھی آیا ہے۔ان آیات کا زبردست اثر ابتدائی کلیسیا کے اُن خیالات پر پڑا جن کا تعلق آنخداوند کی آمدِ ثانی کے ساتھ ہے۔ملاحظہ ہو (لوقا ۲۱: ۲۵؛ مکاشفہ ۹: ۲)۔

(۱۲۔)(زکریاہ ۹: ۹) کا اقتباس انجیل (متی ۲۱: ۵؛ یوحنا ۱۲: ۱۵) میں کیا گیا ہے۔ان دونوں مقامات کا متن یونانی ترجمہ سپٹواجنٹ سے مختلف ہے۔یہ حقیقت اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ یہ دونوں انجیل نویس ایک دوسرے کے مرہونِ منت نہیں ہیں بلکہ ان اناجیل کے احاطہ تحریر میں آنے سے بہت پہلے قدیم زمانہ کے معلم اور استاد اس آیہ شریفہ کا استعمال کرتے تھے۔

(۱۳۔)(حبقوق ۲: ۳) کا اقتباس عبرانیوں کے خط (۱۰: ۳۷تا۳۸) میں اور مقدس پولُس کے دو خطوط ،(رومیوں ۱: ۱۷؛ گلتیوں ۳: ۱۱) میں کیا گیا ہے اور لطف یہ ہے کہ مقدس پولُس کا ترجمہ یونانی سپٹواجنٹ کے متن سے اور عبرانیوں کے خط کے الفاظ سے دونوں سے مختلف ہے۔یہ امر ثابت کرتا ہے کہ قدیم کلیسیا کے معلموں کا مجموعہ اصل عبرانی زبان میں تھا اور بعد کے زمانہ میں مختلف مصنفین نے حسبِ ضرورت ان آیات کا اپنے اپنے علم کے مطابق یونانی میں ترجمہ کیا۔

(۱۴۔)(یسعیاہ ۶۱: ۱۔ ۲) کا اقتباس انجیل (لوقا ۴: ۱۸۔ ۱۹) میں کیا گیا ہے جو عام طور پر یونانی سپٹواجنٹ کے مطابق ہے۔اسی آیت کا اقتباس (اعمال ۱۰: ۳۸) میں بھی موجود ہے۔

(۱۵۔)(استثنا ۱۸: ۱۵۔ ۱۹) کا اقتباس لوقا نے (اعمال ۳: ۲۲۔ ۲۳) میں کیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قدیم ترین زمانہ میں رسول اور معلم ان آیات سے سیدنا مسیح کا مسیح موعود ہونا ثابت کیا کرتے تھے۔

ہم نے اُوپر کی پندرہ آیات کو بطور مشتے نمونہ از خروارے (مٹھی بھر) پیش کیا ہے تاکہ ناظرین پر ظاہر ہو جائے کہ انجیلی مجموعہ کی کتُب کے مصنفین اُن آیات کو اور اسی قسم کی دوسری آیات کو اپنے مطالب اور مقاصد کو سمجھانے کے لئے پیش کرتے ہیں جو ان کے لکھنے سے پہلے ہی کلیسیاؤں میں مروج تھیں۔

(۲)

(ا۔) جب ہم مذکورہ بالا آیات کے اقتباسات پر نظر کرتے ہیں تو ہم پر یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ قدیم ترین کلیسیا کے معلموں کے **"رسالہ اثبات"** کا نفس مضمون کیا تھا اور اس زمانہ کے معلم، مبلغ اور مبشران آیات کو کن کن اغراض اور مقاصد کی خاطر استعمال کرتے تھے ان اقتباسات سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ رسالہ مختلف مقامات کی کلیسیاؤں میں مروج تھا۔ اور اناجیل اربعہ کے لکھے جانے سے پیشتر عام مقبولیت حاصل کر چکا تھا۔

(۲۔) جب انجیلی مجموعہ کی کتُب کے مصنف اس رسالہ کی آیات کا اقتباس کرتے ہیں تو وہ کسی خاص یونانی ترجمہ کا اقتباس نہیں کرتے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس رسالہ کی آیات کا متن یونانی زبان میں نہ تھا بلکہ یہ رسالہ اصل عبرانی آیات کا مجموعہ تھا اور عبرانی زبان میں ہی مختلف مقامات کی کلیسیاؤں کے معلموں کے ہاتھوں میں تھا۔

(۳۔) جب ہم اقتباسات پر نظر کرتے ہیں تو ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ مصنف اقتباس کرتے وقت کسی آیت کے تمام الفاظ کا اقتباس کرنا ضروری خیال نہیں کرتا۔ اگر ایک مصنف کسی آیت کے پہلے حصے کا اقتباس کرتا ہے تو دوسرا مصنف اسی آیت کے دوسرے حصے سے استدلال کرتا ہے۔ کسی مصنف کا اقتباس طویل ہے، کسی کا کم اور کسی کا بالکل مختصر ہے۔ مثال کے طور پر (زبور ۶۹: ۹) کو (جس کا مندرجہ بالا آیات میں ذکر نہیں کیا گیا) لے لیں۔ مقدس یوحنا اس آیہ شریفہ کے پہلے حصہ کا اقتباس (یوحنا ۲: ۱۷) میں کرتا ہے۔ لیکن مقدس پولُس اسی آیت کے پہلے حصے کا اقتباس نہیں کرتا۔ لیکن دوسرے حصہ کا اقتباس (رومیوں ۱۵: ۳) کرتا ہے۔ دونوں مصنف الفاظ "لکھا ہے" استعمال کرتے ہیں۔ دونوں دلیل دیئے بغیر یہ فرض کر لیتے ہیں کہ ان الفاظ کا اطلاق سیدنا مسیح پر ہے۔ یہ دونوں مصنف ایک دوسرے کی تصنیفات سے ناواقف ہیں کیونکہ پولُس رسول نے رومیوں کا خط ۵۶ء میں لکھا تھا۔ جس سے ثابت ہے کہ دونوں مصنف قدیم ترین کلیسیا کے اس نظریہ کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس آیہ شریفہ میں مسیح موعود کی طرف اشارہ ہے حالانکہ اہلِ یہود اس زبور کو "مسیحائی" مزامیر میں شامل نہیں کرتے تھے۔ لیکن قدیم کلیسیا اس زبور کو آنخداوند کی طرف منسوب کرتی تھی چنانچہ اناجیل (یوحنا ۱۵: ۲۵؛ متی ۲۷: ۳۴؛ مرقس ۱۵: ۳۶؛ اعمال ۲: ۲۰)۔ دونوں سے ظاہر ہے کہ قدیم زمانہ میں کلیسیا اس زبور کو ثبوت کے طور پر پیش کرتی تھی۔ اسی طرح مذکورہ بالا دیگر آیات کے اقتباسات سے بھی ظاہر ہے کہ انجیلی مجموعہ کے مصنفوں کا مقصد محض یہ نہ تھا کہ عہد عتیق کی آیات کے اقتباسات پر ہی اکتفا کیا جائے بلکہ اُن کا مقصد یہ بتلانا بھی تھا کہ ان آیات کا اصل مفہوم کیا ہے اور مسیح موعود کے آنے سے عہدِ عتیق کی تمام نبوتیں پوری ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ سب اشارات ہیں جو سیدنا مسیح کے حق میں پورے ہوئے۔

(۴۔) ناظرین نے ملاحظہ کیا ہو گا کہ مذکورہ بالا پندرہ آیات کا تعلق رسولوں کی "منادی کے نفس" مضمون کے ساتھ ہے۔ جس کا ذکر باب سوم میں کیا گیا ہے۔ قدیم ترین معلم رسولوں کی "منادی" کی "نیو" پر عہدِ عتیق کی آیات کی عمارت رکھتے ہوئے کہ سیدنا عیسیٰ ناصری مسیح موعود ہو کر آئے اور آپ کی آمد سے تمام یہود پر آپ کے قول کا صحیح مطلب ظاہر ہو جائے کہ میں "توریت اور نبیوں کی کتابوں کو پورا کرنے آیا ہوں"۔

(۳)

اس باب کی فصلوں میں ہم نے اناجیل اربعہ کے صرف دو تحریری ماخذوں کا بیان کیا ہے تاکہ ناظرین پر ظاہر ہو جائے کہ اناجیل کے مصنفوں نے لکھتے وقت صرف ایسے ماخذوں کا ہی استعمال کیا تھا جو قدیم ترین تھے اور جن کا پایہ اعتبار تمام کلیسیاؤں میں مسلم تھا۔

یہ دوماخذ ایسے ہیں جن کو چاروں کے چاروں انجیل نویسوں نے استعمال کیا تھا لہذاان کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا ہے۔ لیکن ہمیں یہ کبھی فراموش نہیں کرناچاہیے کہ انجیل نویسوں کے سامنے بہت سے ماخذاور بھی تھے۔ جن کو "انہوں نے شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ترتیب وار" لکھا تھا(لوقا۱: ۱تا۴)۔

پس ہزارہا چشم دید گواہوں کے زبانی اور تحریری بیانات ارضِ مقدس کے طول وعرض میں مختلف مقامات کی کلیسیاؤں میں پھیلے ہوئے تھے۔

پہلے پہل جو مجموعے چشم دید گواہوں نے آنخداوند کے کلمات اور سوانح حیات کے لکھے وہ سب شخصی، ذاتی اور انفرادی قسم کے تھے۔ وہ لوگوں کے اپنے رنگ کے مجموعے تھے۔ان کو کلیسیا کی طرف سے مستند قرار نہیں دیا گیا تھااور نہ کسی رسول کی مہرِاُن پر ثبت تھی۔اس بات پرانجیل سوم کا دیباچہ گواہ ہے۔چاروں انجیل نویسوں نے نہایت کاوش اور جانفشانی سے اُن مقامات کادورہ کیا، جہاں کی کلیسیاؤں میں معتبر بیانات مروج تھے اور ان بیانات کی اُن لوگوں کے ذریعہ جو "شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم " تھے خوب چھان بین کی اور جانچ پڑتال کے بعد ان انجیل نویسوں نے " مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کرکے ترتیب" سے لکھیں۔اُن کو اس بات کا خوب احساس تھا کہ کسی قول یا فعل کو حضرت کلمتہ اللہ کی ذات سے منسوب کردینا بڑی ذمہ داری کا کام ہے جس کو وہ بے باکانہ انجام نہیں دے سکتے۔ خدانے ان کی مساعی جمیلہ کو باور کیا۔اگلے ابواب میں ہم دیکھیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ کہ ہر انجیل نویس نے مندرجہ بالا دو تحریری ماخذوں کے علاوہ اور ایسے ماخذ بھی بہم پہنچائے جو دورِ اوّلین میں معتبر ترین تھے اور جن کا پایہ صحت نہایت مسلم تھا۔ہرانجیل نویس نے مندرجہ بالادو تحریری ماخذوں کے علاوہ اور ایسے ماخذ بھی بہم پہنچائے جو دورِاوّلین میں معتبر ترین تھے اور جن کا پایہ صحت نہایت مسلم تھا۔ہرانجیل نویس کے ایسے ماخذ صرف اسی کی انجیل میں پائے جاتے ہیں۔ہم ان ماخذوں کا مفصل ذکر ہر انجیل کی تالیف کے تحت کریں گے۔

حصّہ دوم

جمع وتالیفِ اناجیل (از ۴۰ء تا ۶۰ء)

باب اوّل

انجیل مرقس کی تالیف

فصل اوّل

انجیلِ مرقس کے ماخذ

ہم حصہ اول کے باب پنجم کی پہلی فصل کے شروع میں بزرگ بشپ پے پئس کا ذکر کر آئے ہیں۔ یہ بزرگ فرگیہ کے ہائراپولس (ایشیائے کوچک) کے دوسری صدی کے پہلے نصف میں بشپ تھے اور سمرنا کے بشپ شہید پولی کارپ کے (جو مقدس یوحنا کے شاگرد تھے) دوست تھے۔ وہ فلپس مبشر کے بیٹیوں سے ملے تھے جن کا ذکر (اعمال ۲۱: ۹) میں ہے۔ وہ قیصر M.Aurelius مارکس آریلییس کے زمانہ میں ۱۵۵ء کے قریب شہید ہوئے۔ اُنہوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "تفسیر کلماتِ خداوندی "Exposition of the Qneclecs the Lord ہے۔ اس کتاب کے چند حصے مورخ یوسی بیئس کی کتاب "تواریخ کلیسیا "Ecclesiastical History میں پائے جاتے ہیں جو قسطنطین اعظم کے زمانہ میں لکھی گئی تھی اس میں بشپ پے پئس کی کتاب سے مرقس کی انجیل کی نسبت حسب ذیل اقتباس ہے[1]۔

> **"اور وہ ایلڈر (پریسبٹر یوحنا کے قول کی یہ بشپ نقل کرتے ہیں) یہ کہا کرتے تھے کہ مرقس، پطرس کا ترجمان تھا۔ اس نے صحت کے ساتھ جہاں تک اس کو یاد تھا وہ باتیں لکھیں جو سیدنا مسیح نے کہی تھیں یا کی تھیں لیکن ترتیب سے نہیں۔ کیونکہ نہ تو اس نے سیدنا مسیح کی باتوں کو سنا تھا اور نہ وہ سیدنا مسیح کا شاگرد تھا۔ لیکن جیسا میں کہہ چکا ہوں وہ بعد میں پطرس کا شاگرد تھا۔ پطرس حسبِ موقعہ اپنے سامعین کی ضروریات کے مطابق تعلیم دیا کرتا تھا۔ اس کا یہ ارادہ نہ تھا، کہ وہ سیدنا مسیح کے خطبات کو سلسلہ وار ربط دے کر ترتیب سے بیان کرے۔ مرقس نے اُن باتوں کو لکھتے وقت جو اُس کو یاد تھیں کوئی غلطی نہ کی۔ کیونکہ اس نے ایک بات کی خاص احتیاط کی کہ کوئی چیز جو اس نے سنی تھی قلم انداز نہ ہو جائے اور کسی بات میں غلط بیانی نہ ہو"۔**

اس اقتباس میں صرف پہلا فقرہ ایلڈر کی زبان کا ہے۔ باقی فقرے بشپ پے پئس کے اپنے ہیں[2]۔

[1] Eusebius, Ecclesiastical History Bk.111.39

[2] A.W.F Blunt, St. Mark (Clarendon Bible 1935) p.27

مرقس کی انجیل کی نسبت یہ قدیم ترین روایت ہے اوراس کے بعد کی کلیسیائی روایات بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اس انجیل میں مقدس پطرس کی منادی کا نفس مضمون پایا جاتاہے۔ اعمال کی کتاب سے پتہ چلتاہے کہ کلیسیا کے آغاز ہی سے مقدس مرقس مقدس پطرس کے ساتھی تھے(اعمال ۱۳:۱)اور ۴۴ء سے پہلے پطرس رسول قید خانہ سے رہائی پانے کے بعد مرقس کے گھر میں آئے تھے جہاں ایمانداروں کی جماعت دعا کیا کرتی تھی(اعمال ۱۲:۱۲)۔دونوں کا تعلق مدت قائم رہا(۱۔پطرس ۱۳:۵)۔

ایسا معلوم ہوتاہے کہ مقدس مرقس اوراس کا خاندان آنخداوند سے صلیبی واقعہ سے پہلے بھی واقف تھا(مرقس ۱۴: ۱۲۔۱۶)۔اور خود مقدس مرقس آنخداوند کی صحبت سے فیض یاب ہوچکا تھااور بعض واقعات کا چشم دید گواہ بھی تھا۔(مرقس ۱۴: ۱۵، ۵۱۔ ۵۲)۔اس کی ماں کا گھر، یروشلیم کے شہر میں ابتدائی شاگردوں اورایمانداروں کے اکٹھے ہونے کی جگہ تھی۔ پس مقدس مرقس کوآنخداوند کے چشم دید گواہوں سے ملنے اوران سے حالات کا پتہ لگانے کے بے شمار موقعے ۳۰ء سے ۴۳ء تک حاصل تھے [1]۔وہ تین رسولوں کے ساتھی رہ چکے تھےاور آخر تک پولُس رسول کے ساتھ تھے (کلسیوں ۴: ۱۰)۔آپ برنباس کے رشتے کے بھائی اوراس کے ساتھ تبلیغ کا کام کررہے تھے(اعمال ۱۲: ۲۵؛۱۵: ۳۹)۔آپ ایمان میں مقدس پطرس کے بیٹے تھے(۱۔پطرس ۱۳:۵)۔

بشپ پے پئس کی روایت کے الفاظ "لیکن ترتیب سے نہیں" کا صحیح مطلب کیا ہے؟اس انجیل کی ترتیب ایسی صحیح ہے کہ جیسا ہم آئندہ ثابت کردیں گے۔ مقدس لوقااور مقدس متی اپنی اناجیل کی ترتیب کواسی انجیل کی ترتیب کی بناپر رکھتے ہیں۔

قرائن(قرینہ کی جمع، طور طریقہ) سے پتہ چلتاہے کہ مقدس مرقس نے اس ترتیب کو مقدس پطرس سے حاصل کیا تھاکیونکہ مقدس پطرس رسول کی یہ عادت تھی کہ آپ واقعات "شروع سے ترتیب وار بیان" کیا کرتے تھے(اعمال ۱۱: ۴؛۱: ۲۱وغیرہ)۔پس تینوں اناجیل کی متفقہ اندرونی شہادت ان الفاظ کے خلاف ہے۔ ممکن ہے کہ ان الفاظ کا مطلب یہ ہو [2] کہ اس میں تاریخ وار وہ واقعات درج نہیں ہیں جو سیدنا مسیح کی سہ سالہ (تین سال)خدمت میں یروشلیم میں پیش آئے تھےاور جن میں سے چندایک کاذکر چہارم میں پایا جاتاہے۔

(۲)

پروفیسر برکٹ [3] کہتاہے کہ بادی النظر(دیکھتے ہی، سرسری نظر سے)میں ایسا معلوم ہوتاہے کہ مقدس مرقس نے پہلی ترتیب وارانجیل کا بیڑا اٹھایااوراس بات کی پہلے کوشش کی کہ سیدنا مسیح کی زندگی کے واقعات کو یکجا کرکے لکھے۔اگریہ درست ہے توظاہر [4] ہے کہ اس انجیل کے ماخذ متفرق قسم کے الگ الگ پارے ہوں گے جواس انجیل کے لکھے جانے سے بہت پہلے احاطہ تحریر میں آچکے تھے۔اس انجیل کے ماخذ قدیم زبانی بیانات پرہی مشتمل نہ تھے بلکہ یہ کتاب اُن زبانی بیانات اور تحریری ماخذوں سے بنائی گئی ہے جوسب کے سب ابتدائی درجہ اور پایہ رکھتے ہیں جن میں بعد کے زمانہ کے کلیسیائی رجحانات اور دینا مسائل کے میلانات کا وجود تک نہیں پایا جاتا۔اس کی بنیاد ارضِ مقدس کی ابتدائی کلیسیااوراس کا تاروپود(تانابانا)عینی شہادت سے بنا ہے جس کا تعلق دورِاوّلین سے ہے۔

---

[1] Ibid.p.65
[2] Streetor, Four Gospels p.20
[3] Burkitt, Earliest Sources of the Life of Jesus .p.83
[4] A.W.F. Blunt ,St. Mark, pp.42-43

ہم حصّہ اوّل کے باب پنجم کی فصل اوّل میں بتلا چکے ہیں کہ رسالہ کلمات جو آنخداوند کے جیتے جی لکھا گیا تھا۔ ابتدائی کلیسیا کے ہاتھوں میں موجود تھا۔ پس یہ رسالہ مقدس مرقس کا ایک نہایت معتبر ماخذ تھا۔ چنانچہ اس رسالہ کے مضامین اور انجیل دوم کے مضامین کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہو جاتاہے کہ مقدس مرقس نے حسب ذیل مقامات اس رسالہ سے نقل کئے ہیں[1]۔

(۱۔)(مرقس ۱: ۴۔۱۳)۔ یہ مقام (متی ۳باب؛ ۱۴: ۱۱؛ لوقا ۳: ۱۔۷؛ ۲۱: ۲۲) میں پایا جاتاہے۔ اس میں یوحنا بپتسمہ دینے والے کو احوال اور سیدنا مسیح کی آزمائشوں کا حال موجود ہے۔

(۲۔)(مرقس ۳: ۲۲۔۳۰)۔ یہ مقام (متی ۹: ۳۴؛ ۱۲: ۲۴۔۳۷؛ لوقا ۱۱: ۱۵۔۲۶)۔ میں پایا جاتاہے اس میں بعل زبول کا ذکر ہے جس کا مقدس مرقس نے اختصار کیا ہے۔

(۳۔) باب چہارم بالخصوص آیات (۲۱۔۲۵ جو لوقا ۸: ۱۶۔۱۸؛ ۱۲: ۲؛ ۶: ۳۸؛ متی ۵: ۱۵؛ ۱۰: ۲۶؛ ۷: ۲؛ ۱۳: ۱۲) میں پائی جاتی ہیں[2]۔

(۴۔)(مرقس ۶: ۷۔۱۳)۔ یہ مقام (متی ۱۰: ۱۔۵؛ لوقا ۹: ۱۔۵؛ ۱۰: ۴۔۱۲) میں ملتاہے جہاں بارہ (۱۲) رسولوں کو ہدایات دی گئی ہیں۔

(۵۔)(مرقس ۸: ۱۵؛ لوقا ۱۲: ۱؛ متی ۱۶: ۶) میں پائی جاتی ہیں۔

(۶۔) ۸: ۱۰: ۳۵۔۴۰)۔

(۷)(مرقس ۹: ۳۳۔۳۷؛ ۴۱۔۵۰)۔

(۸)(مرقس ۱۰: ۳۵۔۴۰)۔

(۹۔)(مرقس ۱۲: ۳۸۔۴۰؛ متی ۲۳: ۱۔۳۶؛ لوقا ۲۰: ۴۵۔۴۷) میں ملتاہے۔ اس میں فریسیوں پر افسوس ظاہر کیا گیا ہے۔

(۱۰۔)(مرقس ۱۳: ۹۔۱۳)۔

مذکورہ بالا مقامات کل دس ہیں جہاں علماء کے خیال میں مقدس مرقس نے رسالہ کلمات سے اخذ کئے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے قریباً ساٹھ آیات سے زیادہ نقل نہیں کیں۔ لیکن جب ہم اس انجیل کو پڑھتے ہیں تو ہم کو جابجا اس قسم الفاظ ملتے ہیں "یسوع نے گلیل میں آکر خدا کی خوشخبری کی منادی کی" (مرقس ۱: ۱۵)۔ "وہ عبادت خانہ میں تعلیم دینے لگا اور لوگ اس کی تعلیم سے حیران ہوئے" (مرقس ۱: ۲۱) "وہ ان کو کلام سنارہا تھا" (مرقس ۲: ۲) "بھیڑ اُس کے پاس۔۔۔۔ آئی اور وہ ان کو تعلیم دینے لگا" (مرقس ۲: ۱۳) "وہ جھیل کے کنارے تعلیم دینے لگا (مرقس ۴: ۱)۔ "وہ ان کو تمثیلوں میں بہت سی باتیں سکھلانے لگا" (مرقس ۴: ۳) وہ ان کو بہت سی تمثیلیں دے دے کر اُن کی سمجھ کے مطابق کلام سناتا تھا (مرقس ۴: ۳۳) وہ چاروں طرف کے گاؤں میں تعلیم دیتا پھرا" (مرقس ۶: ۶) "وہ اُن کو بہت سی باتوں کی تعلیم دینے لگا" (مرقس ۶: ۳۵)۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتاہے کہ آنخداوند شہروں، قصبوں اور گاؤں میں "عبادت خانوں میں جھیل کے کنارے غرض یہ کہ ہر جگہ تعلیم دیتے تھے لیکن اس کے باوجود یہ انجیل نویس آپ کی تعلیم کی کل (۶۰) ساٹھ آیات سے زیادہ نقل نہیں کرتا اور "بہت سی تمثیلوں" میں صرف تین

[1] Bishop Rawlinson's Commentry on Mark. See also Oxford Studies in the Synoptic Problem p.412
[2] Oxford Studies in the Synoptic Problem pp.xxi 176 & Burney, Poetry of Our Lord p.8 Gores Commentary on N.T.p.39

چار تمثیلوں کے ذکر پر ہی کفایت کرتاہے۔ یہاں تک کہ وہ سیدنا مسیح کی دعا کا ذکر بھی نہیں کرتا اور نہ اُس کی انجیل میں سیدنا مسیح کے خصائل مثلاً حلیمی، انکساری اور محبت کے اقوال کا ذکر پایا جاتاہے۔ اس کا کیا سبب ہے؟ اس کا سبب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہ اُن باتوں کو اہم خیال نہ کرتا ہو۔

اس کی وجہ بجز(سوا، بغیر) اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ جب مقدس مرقس نے اپنی انجیل تصنیف کی تو ایمانداروں کے ہاتھوں میں **"رسالہ کلمات"** موجود تھا۔ پس آپ نے حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیم کو مفصل نہ لکھا بلکہ مشتے نمونہ از خروارے آپ کی تعلیم اور تمثیلیں بطور نمونہ درج کریں۔ قریباً تمام علماء اس بات پر متفق ہیں[1] کہ رسالہ کلمات مقدس مرقس کی انجیل سے پہلے لکھا گیا تھا اور یہ قدرتی بات بھی ہے کیونکہ ہر شخص یہ ماننے کو تیار ہوگا کہ آنخداوند کی تعلیم پہلے پہل احاطہ تحریر میں آئی ہوگی اور اس کے بعد آپ کی زندگی کے واقعات لکھے گئے ہوں گے۔ چنانچہ ڈاکٹر رابنسن Dr.A.T.Robinson کہتاہے کہ مقدس متی نے رسالہ کلمات کو انجیل مرقس کی تصنیف سے کم از کم بیس (۲۰) سال پہلے لکھا تھا۔ بشپ[2] بلنٹ کہتے ہیں

"مرقس کی انجیل غالباً اسی واسطے لکھی گئی تھی تاکہ رسالہ کلمات کا تکملہ ہو جو پہلے سے ایمان داروں کے ہاتھوں موجود تھا اور جس میں صرف تعلیم ہی درج تھی اور یہی وجہ ہے کہ اس انجیل میں بہت کم تعلیم موجود ہے"۔

بشپ گور کی تفسیر میں ہے "جب ہم دیکھتے ہیں کہ رسالہ کلمات میں سیدنا مسیح کے سوانح حیات کم ہیں لیکن آپ کے کلمات نہایت کثرت سے ہیں اور کہ انجیل دوم میں سیدنا مسیح کے کلمات کم ہیں لیکن سوانح حیات بکثرت ہیں تو ہم قدرتی طور پر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس انجیل کے لکھے جانے کی اصل غرض یہ تھی کہ وہ رسالہِ کلمات کی کمی پورا کرے۔ پس مقدس مرقس سیدنا مسیح کی خدمت کے ابتدائی واقعات کا مجمل ذکر کرکے ان نئی باتوں کا مفصل ذکر کرتاہے جو رسالہِ کلمات میں نہیں تھیں[3]"۔

گوگیل کہتاہے "مقدس مرقس رسالہِ کلمات سے واقف تھا اور اس نے اس کا استعمال نہایت احتیاط اور شعور کے ساتھ کیا۔ یہ رسالہ کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو کسی پلان کے مطابق لکھی گئی ہو بلکہ وہ صرف کلمات کا مجموعہ تھا جو نہایت قدیم تھا۔ مرقس نے بڑی کفایت سے اس کو استعمال کیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتا تھا کہ یہ مجموعہ اُن لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے، جن کے لئے اس نے اپنی انجیل لکھی[4]"۔

ڈاکٹر میکن ٹاش کے الفاظ بھی اس سلسلہ میں قابل ذکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں[5] "مقدس مرقس نے صرف سیدنا مسیح کے چند اقوال کا ہی ذکر کرتاہے کیونکہ اُس کا مقصد یہ نہ تھا کہ وہ آپ کے تمام اقوال کو لکھے۔ وہ لوگوں کو دوبارہ وہی باتیں بتلانا نہیں چاہتا تھا جن سے وہ پہلے ہی واقف تھے۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ جب وہ اپنی انجیل لکھ رہا تھا تو اس کے سامنے آنخداوند کے اقوال کا مجموعہ رسالہِ کلمات موجود تھا۔

(۳)

"رسالہ کلمات" کے علاوہ مقدس مرقس نے دیگر چھوٹے چھوٹے پارے اپنی انجیل میں استعمال کئے ہیں۔ چنانچہ بشپ بلنٹ کہتے ہیں "ممکن ہے کہ اس انجیل کی بعض کہانیاں تحریری شکل میں پہلے موجود تھیں گو یہ اغلب نہیں کہ اس انجیل کا اکثر حصہ یا سب کے سب حصے احاطہِ تحریر میں آچکے

---

[1] Gores Commentary on N.T.p.39
[2] Burney, Poetry of Our Lord
[3] Gore's one Vol.Commentry N.T.p.39
[4] M.Goguel, Jesus the Nazarene Myth or History (1926) pp 179-180
[5] H.R.Mackintosh, in Exp.Time Vol.XV.No.8 pp 356 ff

تھے[1]"۔ بشپ رابنس کہتے ہیں کہ "یوحنا بپتسمہ دینے والے اور ہیرودیس کا واقعہ (مرقس ۶: ۱۷تا۲۹) مقدس پطرس سے حاصل نہیں کیا گیا بلکہ یہ بیان مقامی روایت کا درجہ رکھتا ہے"۔

(۲۔) آرچ ڈیکن بکلے کہتے ہیں[2]۔ کہ اس انجیل میں دو واقعات ایسے ہیں جن میں سے ہر ایک کے دو بیان موجود ہیں۔ پہلا واقعہ پانچ ہزار اور چار ہزار کو کھانا کھلانے کا واقعہ ہے (مرقس ۶: ۳۰۔ ۴۴؛ ۸: ۱۔ ۱۰)۔ دوسرا سیدنا مسیح کا قول جو (مرقس ۹: ۳۵) دین ہے۔ اور (مرقس ۱۰: ۴۳۔ ۴۴) میں دہرایا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ انجیل نویس کے سامنے دو تحریری ماخذ تھے جن سے یہ دو مختلف بیانات ماخذ کئے گئے ہیں۔ مقدس مرقس نے دونوں بیانات کو اپنی انجیل میں لکھ لیا کیونکہ یہ بیانات آپ تک پہنچے تھے۔ آپ ان خاص واقعات کے چشم دید گواہ نہیں تھے۔ پس آپ نے ایمان داری کے ساتھ اپنے تحریری ماخذوں کو اپنی انجیل میں نقل کر لیا۔

(۳۔) پادری کیڈاؤA.T.Cadou کے خیال میں اس انجیل کے ۱۴ باب کی تین آیات ۱۰، ۲۰، ۴۳ کے تین مختلف ماخذ ہیں اور (مرقس ۸: ۳۱؛ ۹: ۳۱؛ ۱۰: ۳۳۔ ۳۴) کے بھی الگ الگ ماخذ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان آیات کی پیشین گوئیوں کے الفاظ میں اختلاف ہے۔

(۴۔) ایلبرٹزAlbertz کے خیال میں مقدس مرقس کی انجیل کے لکھے جانے سے پہلے ایسے واقعات احاطہ تحریر میں آچکے تھے جن میں یہ پایا جاتا تھا کہ اہلِ یہود میں اور آنخداوند میں تصادم اور آویزش ہوئی تھی[3]۔ اور یہ واقعات اس واسطے لکھے گئے تھے تاکہ جب ابتدائی ایام میں کلیسیا اور یہود میں باہمی تکرار اور تصادم ہوا تو یہ مقامات کلیسیا کے وطیرہ کے لئے چراغ ہدایت ہوں۔ کیونکہ جو مشکلات کلیسیا کے سامنے تھیں، وہی آنخداوند کے پیش آئی تھیں۔ پس مقدس مرقس نے ان واقعات کو جو پہلے سے احاطِ تحریر میں موجود تھے اپنی انجیل میں شامل کر لیا (مرقس از ۲ باب تا ۳: ۶؛ ۱۱: ۱۵تا ۱۲: ۴۰)۔ ایلبرٹز کا یہ خیال درست بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقامات مقدس مرقس نے خود نہیں لکھے تھے بلکہ وہ پہلے ہی سے لکھے ہوئے تھے اور کلیسیا میں مروج تھے کیونکہ (مرقس ۳: ۶) جیسی آیت انجیل کے شروع میں ہی ہے اور اس کے بعد ہلاک کرنے کی کوشش کا ذکر نہیں آتا۔ یہ ظاہر ہے کہ آیت (مرقس ۳: ۶) کا اس جگہ نقل کیا جانا قدرتی بات نظر نہیں آتی[4]۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس قدیم تحریری پارے کی آخری آیت تھی جو مقدس مرقس نے نقل کیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ وہ آیت اس مقام میں موجود ہے۔

ایک اور امر قابلِ غور ہے کہ مذکورہ بالا مقامات میں خطاب "ابنِ آدم" دو دفعہ وارد ہوا ہے لیکن اس کے (مرقس ۸: ۲۹) سے پہلے کسی جگہ بھی یہ خطاب وارد نہیں ہوا اور (مرقس ۸: ۲۹) کے بعد یہ خطاب آنخداوند کے ساتھ ۱۲ مقامات میں آیا ہے۔ اس لحاظ سے بھی یہ ظاہر ہے کہ یہ مقامات انجیل کے لکھے جانے سے پہلے ہی پاروں میں لکھے ہوئے موجود تھے جن کو مقدس مرقس نے اپنی انجیل میں نقل کر لیا۔ ورنہ اگر وہ خود ان مقامات کو لکھتے تو وہ "ابنِ آدم" نہ لکھتے۔ پس ایلبرٹز کا کہنا صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقامات کسی معلم نے پہلے ہی کسی پارے میں لکھے تھے۔ یہ معلم اس اختلاف کی مثالیں دینا چاہتا تھا جو آنخداوند اور یہود کے درمیان تھا اور روز بروز بڑھتا ہی چلا جاتا تھا۔ اگر ہم اس عالم کا یہ نظریہ تسلیم کر لیں تو ہم آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ

---

[1] Blunt, St. Mark p.42
[2] Archdeacon Buckely, “The Sources of the Passion Narratives in St. Mark Gospel in J.T.S April 1933. Also A.T. Cadoux in the Sources of the Second Gospel.
[3] Vincent, Taylor Formation of Gospel Tradtion p.16.
[4] Ibid p.176

خطاب "ابنِ آدم" اس مقام میں وقت سے پیشتر کیوں وارد ہوا ہے اور آخری آیت" پھر فریسی ۔۔۔ ہلاک کریں" وقت سے پیشتر یہاں کیوں لکھی گئی۔ پس سیدنا مسیح کی سہ سالہ خدمت کے بیان کے لئے مقدس مرقس نے اس جماعت کے زبانی اور تحریری بیانات کی طرف رجوع کیا جو "یوحنا کے بپتسمہ سے لے کر سیدنا مسیح کے اٹھائے جانے تک برابر اس کے ساتھ رہے "(اعمال ۱: ۲۱)۔انجیل کا سطحی مطالعہ غبی (کم عقل) سے غبی شخص پر بھی ۔۔۔ یہ ظاہر کردیتا ہے کہ جو واقعات اس میں بیان کئے گئے ہیں اس کے ڈراما کے سین، ہیرو، اداکار سب کے سب چلتے پھرتے اور زندہ متحرک شخصیتیں ہیں جن کے اصل ہونے میں کوئی جنونی ہی شبہ کرسکتا ہے۔ پس اس انجیل کے شروع سے گیارہ باب تک کے واقعات آنخداوند کی سہ سالہ خدمت کے چند سین ہیں جن کے بتلانے والے وہ لوگ تھے جو شروع سے خود دیکھنے والے تھے "اور جو" برابر سیدنا مسیح کے ساتھ رہے" یعنی "جتنے عرصہ تک سیدنا مسیح اُن کے ساتھ آتے جاتے رہے یعنی یوحنا کے بپتسمہ سے لے کر آپ کے اٹھائے جانے تک جو برابر ساتھ رہے"(اعمال ۱: ۲۱)۔ یہی وجہ ہے کہ اس انجیل کا شروع یوحنا کے بپتسمہ سے ہوتا ہے اور اگر اس کے اوراق (مرقس ۱۶: ۸) کے بعد ضائع نہ ہوجاتے تو اُن میں قیامتِ مسیح کے بعد صعودِ آسمانی کا بھی ذکر پایا جاتا۔ ان واقعات کو انجیل نویس نے "ترتیب وار بیان" کیا۔ ان کا شروع قدرتی طور پر گلیل میں منادی ہے (مرقس ۱: ۱۴) اس کے بعد کفرنحوم میں منادی (مرقس ۱: ۱۶۔ ۳۹) فریسیوں سے تصادم (مرقس باب ۲، ۳)۔ رسولوں کا تبلیغی دورہ (مرقس ۶: ۷) پانچ ہزار کو کھانا کھلانا (مرقس ۶: ۳۱) صور کی سرحدوں سے نکل کر صیدا کی راہ سے دکپلس کی سرحدوں سے ہوتے ہوئے گلیل کو جانا (مرقس ۷: ۳۱) بیت صیدا کی جانب سفر کرنا اور قیصریہ فلپی (مرقس ۸: ۲۷) جانا اور یروشلیم کو روانگی (مرقس ۱۰: ۳۲) یہ تمام واقعات ایک قدرتی ترتیب میں مرتب ہوجاتے ہیں۔

(۵۔) نوّے (۹۰) سال کا عرصہ ہوا چند علماء نے یہ نظریہ قائم کیا تھا کہ اس انجیل کے ۱۳ باب میں آنخداوند کے خطبہ کی بناء پر ایک دوورقہ گشتی اشتہار تھا جو ابتدائی کلیسیا میں مروج تھا۔ اب تمام علماء کے نزدیک یہ نظریہ مسلم ہے [1]۔

یہ اشتہار کسی قدیم یہودی مسیحی نے زمانہ کی نازک حالت کو دیکھ کر مسیحی کلیسیا کے لئے قدیم یہودی مکاشفات کی کتابوں کی طرز کی تقلید کرکے لکھا تھا جس میں اس نے سیدنا مسیح کے بعض کلمات بھی شامل کرلئے تھے۔ مقدس مرقس نے اس گشتی اشتہار میں آنخداوند کے دیگر اقوال کو ایزاد (اضافی) کرکے ۱۳ باب کا خطبہ مرتب کیا۔ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ۱۳ باب میں سیدنا مسیح کے اقوال کون کون سے ہیں۔ لیکن بالعموم وہ اس امر پر متفق ہیں کہ اس باب میں آپ کے اقوال موجود ہیں۔ اگرچہ وہ دیگر روایات میں شامل کئے گئے ہیں جن کی بناء قدیم کلیسیا کے حالات اور خیالات ہیں۔ اس باب میں آنخداوند کے اقوال زریں کو حالات زمانہ کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔ لیکن یہ تمام ایزادیاں ہم کو کم وبیش معلوم ہوسکتی ہیں کیونکہ ہم کو اس بات کا علم ہے کہ مقدس مرقس نے اپنے ماخذوں کو کس طرح استعمال کرکے اُن کے الفاظ کو ترتیب دیتا ہے۔ نہ صرف ہم کو مقدس مرقس کے طریقے کار کا علم ہے بلکہ ہم ابتدائی کلیسیا کے قدیم خیالات اور حالات سے بھی واقف ہیں جن کا عکس ہم کو ۱۳ باب میں ملتا ہے۔ ان سے ظاہر ہے کہ ابتدائی کلیسیا کے شرکا آنخداوند کی آمد کا نہایت شوق کے ساتھ انتظار کرتے تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ موجودہ نسل کے ختم ہونے سے پہلے آپ الٰہی جلال کے ساتھ بادلوں پر آئیں گے اور چاروں طرف سے ایمان داروں کو جمع کریں گے (آیت ۲۶۔ ۲۷، ۳۰۔ ۳۳)۔ اس امر کی بار بار نصیحت اور آگاہی دی جاتی ہے (آیت ۵، ۹، ۲۳، ۳۲، ۳۵، ۳۷) گو اس باب میں مدت کا تقرر نہیں کیا گیا۔

---

[1] Moffat Itrood, to the Lite of N.T. (1918) p.209

مقدس مرقس کے طریقہ کار سے جس سے وہ اپنے ماخذوں سے انجیل کو مرتب کرتا ہے عیاں ہے کہ وہ اُن کو قریباً لفظ بلفظ نقل کرتا ہے۔ اُس کی تخلیقی قوت بہت کم ہے لیکن وہ محتاط اور اعتدال پسند مولف تھا۔ یہ باتیں اس کی انجیل سے ثابت ہیں۔ اگر وہ (مرقس ۱۳ باب) کو شروع سے آخر تک خود لکھتا تو (مرقس ۱۳ باب) اختلاف سے پاک ہوتا۔ مثلاً اس باب کے شروع میں سوال یروشلیم کی ہیکل کی تباہی اور اس کے وقت اور نشان کے متعلق ہے (مرقس ۱۳: ۱۔ ۴) لیکن جواب میں ان سوالات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور وہ غیر متعلقہ امور پر مشتمل ہے جس میں مخالفِ مسیح اور ابنِ آدم کی آمد کا ذکر ہے[1]۔

شاگردوں نے تو آنخداوند سے سوال یہ کیا تھا "ہمیں بتا کہ یہ باتیں (یروشلیم کی تباہی) کب ہوں گی" (مرقس ۱۳: ۴) لیکن آنخداوند ہیکل کی تباہی کے سوال کا جواب دینے کی بجائے دنیا کے آخر کے سوال پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ہیکل کی تباہی کا ذکر ہی نہیں کرتے بلکہ اس سوال کو نظر انداز کر کے ہیکل کے ناپاک ہونے کا ذکر فرماتے ہیں[2]۔

ایک اور امر قابل ذکر ہے: **(۱۔)** آیات (مرقس ۱۳: ۹۔ ۱۳) میں مقدس مرقس کلیسیا کو تسلی دیتا ہے کہ گو زمانہ کے حالات کلیسیا کے حق میں نہایت نازک ہیں تاہم مسیحیوں کو حوصلہ رکھنا چاہیے کیونکہ آنخداوند نے پہلے ہی ان خطرات کو بھانپ لیا تھا اور ان ایذاؤں کو جان لیا تھا جو کلیسیا کے درپیش ہیں اور سیدنا مسیح اپنی آمد سے ان کی مدد کریں گے۔

(۲۔) آیات (مرقس ۱۳: ۱۴۔ ۲۳) میں "اجاڑنے والی مکروہ چیز" کا ذکر ہے جس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔ ان آیات میں اس سوال کا جواب ہے جو آیات (مرقس ۱۳: ۱۔ ۴) میں پوچھا گیا تھا۔

(۳۔) آیات (مرقس ۱۳: ۵۔ ۱۸، ۲۴۔ ۲۷) اُس گشتی اشتہار کا حصہ ہیں جس میں زمانہ کی نازک حالت اور اُن آفات کا ذکر ہے جو کلیسیا کے سامنے درپیش تھیں۔ پس مقدس مرقس کے طریق عمل سے اس اشتہار کے الفاظ وخیالات کو آنخداوند کے اقوال وتصورات سے الگ کر کے معلوم کر سکتے ہیں کہ آنخداوند کے اقوال کون سے تھے اور اس اشتہار کے الفاظ کیا تھے۔ یوں دونوں میں تمیز کر کے حضرت کلمتہ اللہ کے کلمات بابرکات کا پتہ لگا سکتے ہیں جو (مرقس ۱۳) ابواب کا ماخذ ہیں۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ اس باب کی پہلی چھ آیات اور آیات (مرقس ۱۳: ۹۔ ۱۳، ۱۵۔ ۱۶، ۲۱، ۲۳، ۲۸۔ ۲۹، ۳۲۔ ۳۷) رسالہِ کلمات سے ماخوذ کی گئی ہیں۔

(۴)

ہم حصہ اول کے باب سوم میں بتلا چکے ہیں کہ قدیم کلیسیا میں آنخداوند کے صلیبی واقعہ کے بیانات تحریری شکل میں مروج تھے جن کو کلیسیا کے معلموں نے چشم دید گواہوں سے حاصل کیا تھا۔ مقدس مرقس کی انجیل میں صلیبی واقعہ کا ذکر اس تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے اس کا بہت بڑا حصہ صرف اسی ایک واقعہ کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس واقعہ کا ذکر آٹھویں باب کے درمیان سے شروع ہوتا ہے اور انجیل کے آخر تک مسلسل چلا جاتا ہے۔

---

[1] Vincent Taylor, The Apoalyptic Discourse of Mark X111, Exp. Times Jan1949

[2] Charles Eschatology (2nd ed.1913) p77

انجیل دوم کے پڑھنے والوں نے منجی عالمین کی گرفتاری کے بیان میں ایک آیت کا ملاحظہ کیا ہوگا جس میں لکھا ہے کہ تمام شاگرد آپ "چھوڑ کر بھاگ گئے" مگر ایک جوان اپنے ننگے بدن پر مہین چادر اوڑھے ہوئے اس کے پیچھے ہولیا۔ اسے لوگوں نے پکڑا مگر وہ اپنی چادر چھوڑ کر بھاگ گیا" (مرقس ۱۴: ۵۱)۔ یہ آیت بظاہر بے جوڑ اور واقعات کے سلسلہ سے بے تعلق معلوم ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے اناجیل اوّل وسوم کے مولفوں نے اس کو نقل نہیں کیا لیکن ماخذوں کے معلوم کرنے میں یہ آیت بڑے کام کی ہے، کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں مقدس مرقس آپ بیتی (اپنا حال) بیان کررہے ہیں۔ یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ انجیل نویس خود اس رات کے تمام واقعات کے چشم دید گواہ تھے اور جب باغ گتسمنی میں مقدس پطرس، یعقوب اور یوحنا رسول سو رہے تھے (مرقس ۱۴: ۳۷) تو مقدس مرقس کے کان اور آنکھیں کھلی تھیں اور آپ خود منجی عالمین کی حالت اور دعا کو دیکھ اور سن رہے تھے۔ جس "بالاخانہ" میں منجی جہان نے آخری کھانا کھایا وہ مقدس مرقس کا ہی گھر تھا (اعمال ۱: ۱۲؛ ۲: ۱۲)۔ مقدس مرقس اس آخری ہفتہ میں ربنا المسیح کے ہر وقت کے ساتھی تھے اور اس ہفتہ کے تمام واقعات کے خود چشم دید گواہ تھے۔ جبھی آپ کی انجیل میں اس ایک ہفتہ کے واقعات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ ایسا کہ انجیل کا یہ حصہ ایک روزنامچہ ہوگیا ہے۔ جس میں کھجور کے اتوار سے لے کر عیدِ قیامت تک کے ہر روز کے چشم دید واقعات کا مفصل ذکر موجود ہے۔

مقدس مرقس نے ایک محتاط مولف کی طرح صرف اپنے چشم دید واقعات پر ہی انحصار نہ کیا بلکہ قدیم ایام کے تحریری بیانات سے بھی مدد لی۔ چنانچہ آرچڈیکن بکلے (Burkley) کے خیال میں مقدس مرقس نے باب ۱۴: ۱ تا ۱۶: ۸ میں صلیبی واقعہ کو بیان کرنے میں دو ماخذوں سے کام لیا ہے۔ چنانچہ یہ صاحب ان ابواب کو ذیل کے حصوں میں تقسیم کرکے ان کے ماخذ بتلاتے ہیں[1]:۔

(۱۔) مرقس باب ۱۴۔ آیات ۱ تا ۳۳ (الف)۔

پہلا ماخذ۔ آیات ۱، ۲، ۱۰، ۱۱، ۱۷۔ ۲۱، ۲۷۔ ۳۲

دوسرا ماخذ۔ آیات ۳۔ ۹، ۱۲۔ ۱۶، ۲۲۔ ۲۶۔

اگر ان صاحب کی یہ تقسیم درست ہے تو (مرقس ۱۴: ۱۷) کے الفاظ "جب شام ہوئی" سے مراد وہ تاریخ ہے جس کا ذکر پہلی آیت میں ہے "دو دن کے بعد عیدِ فطیر ہونے والی تھی" اور یوں یہ تاریخ بعینہ وہی ہو جاتی ہے جو مقدس یوحنا کی انجیل میں ہے۔ ان دونوں انجیلوں میں کوئی تضاد نہیں رہتا اس سے یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ پہلے ماخذ کے مطابق مقدس پطرس کے انکار کا ذکر فسح کے کھانے کے کمرہ میں ہوا تھا نہ کہ گتسمنی باغ کو جاتے وقت۔ اور یہی مقدس لوقا اور مقدس یوحنا کہتے ہیں۔ پس یہاں بھی یہ تناقض (ایک دوسرے کی ضد یا مخالف ہونا) دور ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس ماخذ کے مطابق عشائے ربانی کی رسم اس فسح کے کھانے پر مقرر نہیں ہوئی تھی اور یہی مقدس یوحنا کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ اس ماخذ کے مطابق سردار کاہن آنخداوند کو اپنے پہلے ارادہ کے مطابق عید کے دوران میں گرفتار نہیں کرتے اور یوں ایک اور اختلاف دُور ہو جاتا ہے۔ ان باتوں کی وجہ سے ماخذوں کی یہ تقسیم درست معلوم ہوتی ہے۔

ایک اور امر قابلِ ذکر ہے کہ پہلے ماخذ میں رسولوں کے لئے لفظ "بارہ" تین جگہ استعمال ہوا ہے لیکن لفظ "شاگرد" کا استعمال اس ماخذ میں نہیں ہوا۔ لیکن دوسرے ماخذ میں لفظ "شاگرد" چار دفعہ استعمال ہوا ہے لیکن لفظ "بارہ" ایک دفعہ بھی مستعمل نہیں ہوا۔

[1] Ven. E.R. Burkley, “The Sources of Passion Narratives in St. Mark’s Gospel in J.T.S1933 pp.138 ff.

(۲۔)(مرقس ۱۴: ۳۲)(ب)تا۵۳ میں آنخداوند کی جان کنی اور گرفتاری کے دو بیان ہیں:۔

پہلا ماخذ۔(مرقس ۱۴: ۳۳۔۳۴، ۳۶، ۴۰، ۴۳، ۴۵۔۴۶، ۴۸۔۵۰)۔

دوسرا ماخذ۔(مرقس ۱۴: ۳۲(ب)، ۳۳(ب)، ۳۷۔۳۹، ۴۱۔۴۲، ۴۴، ۴۷، آیات ۵۱۔۵۲، مولف کی ہیں۔

(۳۔)(مرقس ۱۴: ۵۳۔۵۴، ۵۷۔۵۸، ۶۱(الف)، ۶۵، ۶۸، (ب)تا۷۲۔

دوسرا ماخذ۔(مرقس ۱۴: ۵۵۔۵۶، ۶۱(ب)تا۶۴، ۶۶۔۶۸(الف)۔

پہلے ماخذ میں آنخداوند کے خلاف یہ الزام ہے کہ آپ ہیکل کو تباہ کردیں گے۔ دوسرے ماخذ میں الزام یہ ہے کہ آپ مسیحائی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پہلے ماخذ کے مطابق مقدس پطرس دو دفعہ اور دوسرے ماخذ کے مطابق ایک دفعہ آنخداوند کا انکار کرتا ہے۔ پہلے ماخذ کے مطابق آنخداوند الزام کا جواب نہیں دیتے لیکن دوسرے کے مطابق آپ جواب دیتے ہیں۔ (مرقس: ۵۴) میں مقدس پطرس "دیوان خانے کے اندر" ہے۔ لیکن (مرقس ۱۴: ۶۶) میں وہ "نیچے صحن" میں ہے۔ اگر دونوں بیانات کو الگ الگ کرکے دونوں کو مسلسل پڑھا جائے تو یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ دو جدا ہیں جن کو مقدس مرقس نے یک جا ترتیب دے کر مرتب کیا ہے۔

(۴۔)(مرقس ۱۵: ۱۔۱۶: ۸) آیت میں بھی دونوں بیانات ہیں:۔

پہلا ماخذ۔(مرقس ۱۵: ۳۔۵، ۷۔۸، ۱۵، ۲۴، ۲۷، ۲۹۔۳۰، ۳۲(ب)۳۹، ۴۲۔۴۷، ۱۶: ۲۔۴، ۸)۔

دوسرا ماخذ۔(مرقس ۱۵: ۲، ۶، ۹۔۱۴، ۱۶۔۲۰(الف)، ۲۲، ۲۵، ۳۱۔۳۲(الف)، ۳۳۔۳۶، ۱۶: ۱، ۵۔۷)۔

یہ دو تحریری ماخذ مقدس مرقس کے سامنے موجود تھے جب آپ نے انجیل تالیف کی۔ پس مسیح کی زندگی کے واقعات کا قدیم ترین حصہ صلیبی واقعہ کے بیانات پر مشتمل تھا جو انجیل دوم میں ہیں۔ کیونکہ اس واقعہ کی ابتدا ہی سے منادی کی جاتی تھی اور معلم ثابت کرتے تھے کہ عہدِ عتیق کے مطابق مسیح موعود کا مرنا ضرور تھا۔ یہ تحریری ماخذ چشم دید گواہوں کے مشاہدات تھے اور آخری ہفتہ کے واقعات بھی چشم دید گواہوں کے بیانات تھے [1]۔ علاوہ ازیں مقدس مرقس خود ان واقعات میں سے بعض کے چشم دید گواہ تھے (مرقس ۱۴: ۵۱۔۵۲)۔

(۵)

مرقس ۱۲: ۱۵ میں سیدنا مسیح فریسیوں اور ہیرودیوں کو فرماتے ہیں "میرے پاس ایک دینار لاؤ تاکہ میں دیکھوں" یہ الفاظ ثابت کرتے ہیں کہ سیدنا مسیح ہیکل کے اس حصہ میں تعلیم دے رہے تھے جو "غیر اقوام کا صحن" کہلاتا تھا کیونکہ ہیکل کے اندرونی صحنوں میں رومی سکوں کا لانا ممنوع تھا کیونکہ اُن پر قیصر کا بُت ہوتا تھا۔ یہ تفصیل ثابت کرتی ہے کہ یہ بیان کسی چشم دید گواہ کا ہے۔

---

[1] F.C. Burkitt, J.T.S for April 1935 pp.186-188

(۶)

جب ہم مختلف ماخذوں پر(جن کا ذکر اس فصل میں کیا گیا ہے) غور کرتے ہیں تو ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ مقدس پطرس ہی صرف اکیلا واحد شخص نہ تھا جس سے مقدس مرقس نے استفادہ (فائدہ) حاصل کیا تھا بلکہ مقدس پطرس کے علاوہ آپ نے دیگر ماخذوں سے بھی استفادہ کیا ہے اور یہ کہ مقدس پطرس اس انجیل کے سب سے بڑے ماخذ نہیں ہیں۔ چنانچہ اس انجیل میں بمشکل کوئی ایسا مقام ہو گا جس کا تعلق اس رسول کے ساتھ ہو اور جس کا ذکر انجیل نویسوں نہ کیا ہو۔ علاوہ ازیں جس کسی نے انجیل دوم کو سطحی طور پر بھی پڑھا ہے اس پر یہ ظاہر ہے کہ " قیصریہ فلپی کے علاقہ " میں مقدس پطرس نے جو آنخداوند کی مسیحائی کا اقرار کیا تھا (متی ۱۶: ۱۳۔ ۲۴) وہ اس انجیل میں درج نہیں حالانکہ اس کا تعلق مقدس پطرس کی ذات سے خاص طور پر وابستہ ہے۔ اسی طرح (لوقا ۵: ۱۔ ۱۰) کا واقعہ انجیل مرقس میں نہیں پایا جاتا جس کا تعلق خاص طور پر مقدس پطرس کی زندگی کے ساتھ ہے۔ مزید براں جب ہم انجیل اول و دوم کا مقابلہ کرتے ہیں تو ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ مقدس متی کی انجیل میں مقدس پطرس کو جو جگہ حاصل ہے وہ مقدس مرقس کی انجیل میں نہیں ہے۔ مثلاً (متی ۱۰: ۱؛ مرقس ۳: ۱۵؛ متی ۱۴: ۲۲۔ ۳۳؛ مرقس ۶: ۴۸۔ ۵۲؛ متی ۱۵: ۵، مرقس ۷: ۱۶؛ متی ۱۷: ۲۴؛ ۱۸: ۲۱ وغیرہ)۔ آخری دو مقامات کا ذکر مقدس مرقس نہیں کرتے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ چونکہ اس انجیل میں مقدس پطرس جا بجا ملامت کا نشانہ ہیں (مرقس ۸: ۳۳؛ ۱۰: ۲۸؛ ۱۴: ۲۹۔ ۳۷، ۶۶)۔ لہٰذا آپ کا اس انجیل سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا لیکن مقدس پطرس کو ان باتوں کے بتلانے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ نہیں ہو سکتی تھی۔ عید پینتی کوست کے بعد آپ کی خصلت اور طبیعت کی افتاد (فطرت) بالکل بدل چکی تھی۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ گو مقدس پطرس سیدنا مسیح کی ماں اور بھائیوں سے واقف تھے لیکن انجیل دوم میں سوائے ان رشتہ داروں کے غیر ہمدردانہ رویہ کے ان کا ذکر نہیں ملتا اور نہ مقدس یوسف کا نام پایا جاتا ہے۔ اس قسم کی باتوں سے ظاہر ہے کہ مقدس پطرس انجیلِ دوم کے واحد گواہ نہ تھے۔ بلکہ مقدس مرقس نے رسول کے علاوہ دیگر ماخذوں کا بھی استعمال کیا تھا۔

بشپ پے پئس کے قول میں لفظ "ترجمان" کا کیا مطلب ہے؟ بعض اس لفظ سے "مترجم" مراد لیتے ہیں لیکن یہ بات درست نہیں ہو سکتی۔ جائے حیرت ہے کہ پینتی کوست کے روز مقدس پطرس کو غیر زبانیں بولنے کی بخشش عطا ہوئی اور پھر آپ کو ترجمہ کرنے کے لئے مقدس مرقس کی ضرورت پڑے۔ علاوہ ازیں مقدس پطرس کے پہلے خط کی یونانی انجیل دوم کی یونانی سے بہت بلند ہے۔ حق تو یہ ہے کہ یونانی زبان مشرقی ممالک میں بولی اور سمجھی جاتی تھی اور کوئی وجہ معلوم نہیں دیتی کہ مقدس مرقس اس زبان کو پطرس رسول سے بہتر جانتا ہو۔ کیونکہ اعمال کی کتاب سے ظاہر ہے کہ پطرس رسول غیر یہود کے سامنے یونانی زبان میں خود بلا توسط غیرے منادی کیا کرتے تھے (اعمال ۱۰: ۳۴ باب کے آخر وغیرہ)۔ یہ بات بھی معقول نظر نہیں آتی کہ مقدس پطرس کو مغربی ممالک یا روم کے شہر میں اپنی تقریر کا لاطینی میں ترجمہ کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی اور اس بات کو ماننے کے لئے بھی کوئی وجہ نہیں کہ مقدس مرقس لاطینی زبان میں رسول کی تقریروں کا ترجمہ کیا کرتے تھے۔ تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ روم میں مسیحیت زیادہ ترنچلے طبقہ تک ہی محدود تھی اور یہ لوگ یا تو یونانی تھے اور یا مشرق کے رہنے والے تھے جو یونانیت کے رنگ میں رنگے تھے اور سب کے سب یونانی جانتے تھے اور اغلب یہی ہے کہ وہ لاطینی سے بہت کم واقف تھے۔ پس بشپ پے پئس کی لفظ "ترجمان" سے مراد "خادم" ہو گی کیونکہ اعمال میں مقدس مرقس کی پولُس رسول اور مقدس برنباس کا "خادم" کہا گیا (مرقس ۱۳: ۵؛ ۲۔ تیمتھیس ۴: ۱۱)۔

پروفیسر بیکن کہتاہے[1] "پے پئس کی روایت سے اثر پذیر ہو کر لوگ اس قدر مسحور ہو چکے ہیں کہ کسی کو یہ کہنے میں مطلق تامل نہیں ہوتا کہ انجیل مرقس میں پطرس رسول کا خاص طور پر ذکر اور لحاظ موجود ہے"۔ پروفیسر برکٹ بھی کہتے ہیں[2] "اس میں کچھ شک نہیں کہ مقدس مرقس نے مقدس پطرس سے بہت کچھ مسالہ جمع کیا ہوگا۔ لیکن ہم کو اس نظریہ کے لئے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اس انجیل کا خاکہ اور ڈھانچہ مقدس پطرس کا ہے"۔

پس گو انجیل مرقس کی اندرونی شہادت قدیم کلیسیائی روایت اور بشپ پے پئس کی شہادت کی ایک گونہ تصدیق کرتی ہے لیکن اس اندرونی شہادت سے یہ پتہ بھی چل جاتاہے کہ مقدس مرقس نے مقدس پطرس کے علاوہ دیگر تحریری ذرائع سے بھی فائدہ اٹھا کر اپنے ماخذوں کو ایک جگہ جمع کرکے انجیل کو تالیف کیا تھا اور مختلف قسم کے بیانات کو ترتیب دے کر انجیل کو مرتب کیا تھا۔

فصل دوم

انجیلِ مرقس کی خصوصیات

مقدس متی کی انجیل سیدنا مسیح کی پیدائش سے شروع ہوتی ہے (متی ۱: ۱۸)۔ مقدس لوقا کی انجیل اس سے پہلے کے واقعہ یعنی حضرت یوحنا اصطباغی کی پیدائش کی پیش خبری سے شروع ہوتی ہے (لوقا: ۵)۔ مقدس یوحنا کی انجیل تمام زمانوں سے بھی پہلے شروع ہوتی ہے "جب ابتدا میں کلام تھا" (یوحنا ۱: ۱) لیکن مقدس مرقس اپنی انجیل کو حضرت یوحنا اصطباغی کی منادی اور بپتسمہ سے شروع کرکے اُس میں سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت تک کے واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔

اناجیل اربعہ کی یہ ترتیب نہایت معنی خیز ہے کیونکہ اس سے ہم کو یہ پتہ چلتاہے کہ انجیل مرقس کلیسیا کی تاریخ کے اُن ابتدائی ایام میں لکھی گئی جب رسالت کا معیار یہ تھا کہ رسول ان تمام واقعات کا چشم دید گواہ ہو۔ چنانچہ یہوداہ غدار کے عوض بارھویں رسول کے تقرر کے موقعہ پر مقدس پطرس کہتے ہیں "اے بھائیو! جتنے عرصہ تک سیدنا مسیح ہمارے ساتھ آتے جاتے یعنی یوحنا کے بپتسمہ سے لے کر مولا کے آسمان پر تشریف لے جانے تک جو برابر ہمارے ساتھ رہے۔ چاہیے کہ ان میں سے ایک مرد ہمارے ساتھ اس کے جی اٹھنے کا گواہ بنے" (اعمال ۱: ۲۱۔ ۲۲) مقدس مرقس کی انجیل بعینہ اس عرصہ کے واقعات پر مشتمل ہے اور اس میں صرف انہی باتوں کا ذکر ہے جن کی منادی رسولی زمانہ کے ابتدائی دور میں دوازدہ رسول کیا کرتے تھے۔

ہم حصہ اوّل کے بابِ سوم میں ذکر کرچکے ہیں کہ ابتدائی ایام میں "یہ منادی" مسیحیت کے بنیادی اصولوں پر مشتمل تھی۔ یہ منادی "نیو" تھی جس پر مسیحی معلم "دانا معماروں کی طرح عمارت اٹھاتے تھے" (۱۔ کرنتھیوں ۳: ۱۰)۔ ہم نے اس باب میں اس "منادی" کے مضمون پر بحث کرکے بتلایا تھا کہ اس میں "جتنے عرصہ تک سیدنا مسیح ہمارے ساتھ آتے جاتے رہے "یعنی یوحنا کے بپتسمہ سے لے کر آپ کے ہمارے پاس سے اٹھائے جانے تک" (اعمال ۱: ۲۱) کے واقعات کا مسلسل ذکر تھا۔

---

[1] Bacon, Beginnings p.XXV.

[2] F.C. Burkitt, The Earliest Sources for the Life of Jesus (1910) pp.93-94

انجیل مرقس کا مطالعہ یہ ظاہر کردیتاہے کہ اس انجیل میں "منادی" کے اُنہی حصوں کا ذکر ہے جن کا خلاصہ مذکورہ بالا آیات میں ہے یعنی اُن تاریخی واقعات کا ہی ذکر ہے جو "منادی" کے جزو اعظم تھے۔ان مقامات کا غائر مطالعہ یہ بھی ظاہر کردیتاہے کہ ان تواریخی واقعات کو "منادی" کے سیاق وسباق میں ہی مرتب کیا گیاہے۔ چنانچہ اس انجیل کی پہلی آیت ہے "یسوع مسیح ابنِ خدا کی خوشخبری کا شروع"۔ پھر نئے دور کا آغاز، یوحنا بپتسمہ دینے والے کی منادی سیدنا مسیح کا بپتسمہ سے ممسوح (مسح کیا ہوا) ہوکر خدا کی بادشاہی کی گلیل میں منادی کرنا اور پھر صلیب کے واقعہ کے اسباب کا بیان اور صلیبی واقعہ کا ذکر اور سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت وغیرہ، غرض یہ کہ اس انجیل کے تمام واقعات اس "منادی" کی ترتیب وار تفصیلی شرح ہیں۔ جیسا ہم گذشتہ فصل میں بتلاچکے ہیں۔ صلیبی واقعہ کا اور اس کے اسباب کا ذکر آٹھویں باب کے درمیان سے انجیل کے آخر تک مفصل بتلایا گیاہے اور انجیل کا سب سے بڑا حصہ ہے۔ چنانچہ آنخداوند کی سہ سالہ خدمت کے واقعات کا ذکر اس انجیل کی تین سو گیارہ (۳۱۱) آیات میں ہے۔ لیکن صرف آخری ہفتہ کے واقعات کا ذکر تین سو پنتالیس (۳۴۵) آیات میں پایا جاتاہے۔ رسولوں کی ابتدائی "منادی" کا بھی غالب حصہ مسیح مصلوب سے ہی متعلق ہے۔ جس طرح (اعمال ۱۰ باب) کی تقریر میں آنخداوند کے معجزات کا ذکر صرف اجمالی (مختصر) طورپر ہی کیا گیاہے، اسی طرح انجیل دوم میں سیدنا مسیح کی تعلیم ومعجزات کا بغیر کسی تواریخی ترتیب کے اجمالاً ذکر ہواہے۔ لیکن آنخداوند کی الٰہی قدرت اور اختیار اور شیطانی طاقتوں پر اپنی زندگی اور موت میں حکمران ہونے کا اور ایمان داروں کو خدا کی بادشاہی کے بھید بتلانے کا مفصل ذکر ہے۔اس انجیل کی ترتیب رسولوں کی "منادی" کی ترتیب ہے اور یہ انجیل رسولوں کی ابتدائی منادی کا آئینہ ہے [1] (دیکھو اعمال باب ۲، ۳، ۴، ۵، ۱۰)۔

پس انجیلِ دوم میں وہ واقعات اور پیغامات موجود ہیں جن کی رسول ابتداء ہی سے منادی کرتے تھے۔اس انجیل کی ابتدا نبوت کے پورا ہونے سے شروع ہوتی ہے (مرقس ۱: ۲) اور اس میں (اعمال ۱۰: ۳۷) کی طرح "یوحنا کے بپتسمہ کی منادی کے بعد گلیل سے شروع ہوکر یہودیہ تک "سیدنا مسیح کے کاموں کا ذکر ہے اور اس کے بعد تیسرے حصہ میں صلیبی واقعہ کا ذکر ہے۔اس انجیل کے واقعات بادی النظر میں جیسا پے پئس کہتاہے "ترتیب وار نہیں" لیکن یہ واقعات جو بظاہر بے جوڑ اور بے ربط نظر آتے ہیں، درحقیقت ابتدائی زمانہ کی منادی کی ترتیب کے مطابق ہیں۔انجیل کے لکھے جانے سے پہلے مسیحی معلموں کی جماعت ان کو تعلیم دیتے وقت مختلف اوقات پر استعمال کرتی تھی (اعمال ۱۰: ۳۶۔۴۰؛ ۱۳: ۲۳۔۳۱ وغیرہ)۔ مقدس مرقس نے ان جداگانہ واقعات کو باہم منسلک کرکے ایک خاص ترتیب کے مطابق مرتب کردیا [2]۔ ونسنٹ ٹیلر اس موضوع پر مفصل بحث کرتاہے [3]۔ اور کہتاہے۔

> **"ظاہر ہے کہ جب مقدس مرقس نے سیدنا مسیح کی زندگی کے واقعات کو قلمبند کیا تو وہ کوئی نئی بات ہیں کررہا تھا بلکہ وہ ایک ایسی کتاب تالیف کررہا تھا جس میں اس نے مختلف تحریرات کو جمع کردیا جو اُس کی انجیل سے پہلے اس غرض سے لکھی گئی تھیں کہ کلیسیا کے کام کے لئے چراغ ہدایت ہوں۔ مقدس مرقس نے ان تحریرات اور معلومات کو ترتیب دے کر ایک نئی انجیل مرتب کی۔ یہ تحریرات بغیر کسی ربط کے بکھری پڑی تھیں۔ مقدس مرقس نے ان کو ایک لڑی میں پرودیا"۔**

---

[1] Dodd, Apostolic Preaching, and its Development Lec No.1
[2] A. Richardson, The Gospels in Making (S.C.M 1928) pp.82-83
[3] Formation of Gospels Tradition pp.176-185

مرحوم یہودی عالم ڈاکٹر منوٹی فیوری بھی یہ کہتا ہے[1] ۔

"مرقس کی انجیل نہ صرف قدیم ترین ہے بلکہ وہ پہلی انجیل ہے۔اس سے پہلے ماخذ تھے جن میں سے بعض تحریری تھے لیکن کوئی انجیل نہ تھی جس میں ترتیب وار واقعات درج ہوں۔ پس گو مرقس صرف ماخذوں کا اکٹھا کرنے والا اور مرتب کرنے والا تھا تاہم اس نے ایک نیا قدم اٹھایا اور ایک نئ طرح کی بنیاد ڈالی۔ وہ نہ صرف ماخذوں کو سلسلہ وار ترتیب دینے والا ہے بلکہ وہ اختراعی قابلیت رکھنے والا انسان ہے جس کی تخلیقی قوت نے ایک نئی راہ کی بنیاد ڈالی"۔

اب مسیحی کلیسیا کے شرکاء اور معلموں کے ہاتھوں میں ایک ایسی تحریر موجود تھی جو زیادہ جامع تھی۔ پس مسیحی اس کی نقلیں ایک دیار سے سفر کرتے وقت اپنے ساتھ دوسرے ملک میں لے جاتے تھے جہاں کے مسیحی اس کی نقل کرلیتے تھے اور یوں اس انجیل نے مختلف مقامات کی کلیسیاؤں کے معلموں کی ضروریات کو پورا کردیا۔

(۲)

جب ہم اس انجیل کے اسلوبِ بیان اور طرز تحریر کی جانب نظر کرتے ہیں تو ہم وضاحت سے دیکھ سکتے ہیں کہ مقدس مرقس نے اپنے ماخذوں کو اس خوبی سے ترتیب دیا ہے کہ انجیل کے الفاظ ہماری آنکھوں کے سامنے ایک سماں باندھ دیتے ہیں۔ مصنف کا طرزِ بیان ایسا ہے کہ حالات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو۔(مرقس ۱:۳۹؛ ۷:۲۴۔۳۰؛ ۱۰:۳۲؛ ۱۴:۳۲۔۵۱،۶۶، ۲۷ وغیرہ) میں حقیقت نگاری صاف نظر آتی ہے۔ اگر ہم (مرقس ۴:۳۶۔۴۱؛ ۵:۹۔۶) کو دیکھیں تو ظاہر ہوجاتا ہے کہ کوئی چشم دید گواہ بول رہا ہے۔ آیات (مرقس ۱:۲۰،۴۱؛ ۳:۲، ۵،۲۴؛ ۴:۳۸؛ ۵:۴۳؛ ۶:۳۹۔۴۰؛ ۷:۳۳۔۳۴؛ ۸:۱۲، ۲۳تا۲۵؛ ۱۰:۱۶،۲۱؛ ۱۱:۱۱؛ ۱۴:۴۰،۵۱۔۵۲،۵۴؛ ۱۵:۲۱) میں مقدس مرقس نے حالات اور واقعات کا ہو بہو نقشہ کھینچ دیا ہے[2]۔ان کی طراوت اس انجیل کی خصوصیت ہے بعض اوقات تو ایک یا دو لفظوں میں ہی ایک دلکش تصویر کھینچ جاتی ہے۔انجیل کا بیان ایسا بے تکلف ہے کہ خواہ مخواہ دل کو کھینچ لیتا ہے۔ زبان کی سادگی سے ظاہر ہے کہ اس کے ماخذ چشم دید گواہوں کے بیان ہیں مثلاً "میں اس لائق نہیں کہ جھک کر اس کی جوتیوں کا تسمہ کھولوں (مرقس ۱:۷)۔"اس نے آسمان کو پھٹتے دیکھا" (مرقس ۱:۱۰)۔ "وہ جنگلی جانوروں کے ساتھ رہا کیا" (مرقس ۱:۱۲)" کشتی مزدوروں کے ساتھ چھوڑ کر" (مرقس ۱:۲۰) الفاظ ہی سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ صرف ایک چشم دید گواہ کی زبان اور قلم سے نکلے ہیں۔" دنیا میں کوئی دھوبی ویسی سفید نہیں کرسکتا" (مرقس ۹:۳)" یکایک جو چاروں طرف نظر کی" (مرقس ۹:۸) آنخداوند کی آنکھوں سے پیار (مرقس ۱۰:۲۱) اور غصہ (مرقس ۳:۵) کا ذکر ایسے الفاظ میں کیا گیا ہے کہ گویا ہم خود آپ کا مبارک چہرہ دیکھ رہے ہیں۔ آپ کی نظر کا بار بار ذکر ہے جو دلوں اور خیالوں کو بھانپ لیتی تھی (مرقس ۱۰:۲۷؛ ۳:۳۴؛ ۱۱:۱۱؛ ۵:۳۲؛ ۱۰:۲۳ وغیرہ)۔ آپ کی مبارک آواز کے زیرو بم اور نشیب و فراز کا ذکر ہے (۱:۲۶؛ ۱:۴۳ وغیرہ)۔ آپ کا اپنا شفا بخش ہاتھ رکھنا، بچوں کو گود میں لینا، سامعین کا آپ کی تعلیم کو سُن کر دنگ رہ جانے کا ذکر نو بار آیا ہے۔اور تین مختلف الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔

---

[1] G.C. Montefiore, The Synpotic Gospels. Vol.1.(1927) P.XXX11

[2] Blunt, St. Mark pp.34-35

مثال کے طور پر اگر ہم انجیل دوم کے مقام (مرقس ۶: ۲۱۔۲۷) کے ایک ایک لفظ کا مقابلہ انجیلِ اوّل کے مقام (مرقس ۱۴: ۱۔۱۲) سے کریں تو ہم پر مقدس مرقس کے خصوصی طرز بیان کی کیفیت عیاں ہو جاتی ہے۔ تفصیلات کی وضاحت اور ان کی شوخی انجیل دوم میں زندگی پیدا کر دیتی ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ انجیل اور اس کے ماخذ واقعات کے نہایت قریب لکھے گئے تھے مثلاً الفاظ " سکندر اور روفس کا باپ شمعون کرینی" (مرقس ۱۵: ۲۱) زبان حال سے پکار رہے ہیں کہ جب یہ انجیل لکھی گئی تھی تب وہ زندہ تھے اور کلیسیا کے مشہور افراد تھے (رومیوں ۱۶: ۱۳)۔ اگر یہ انجیل بہت مُدت کے بعد لکھی جاتی تو ان شخصوں کے ناموں کا ذکر کرنا بے معنی ہو جاتا کیونکہ اگلی پشت میں یہ سب نام بھول بسر گئے تھے۔ آیات (مرقس ۱۴: ۵۱۔۵۲) کے الفاظ "ایک جوان اپنے ننگے بدن پر مہین چادر اوڑھے ہوئے اس کے پیچھے ہولیا۔ اُسے لوگوں نے پکڑا مگر وہ چادر چھوڑ کر ننگا بھاگ گیا"۔ اس بیان میں جن ڈال دیتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ یہاں ایک چشم دید گواہ بول رہا ہے۔ اسی وجہ سے بعض کا خیال ہے کہ یہ " جوان" مقدس مرقس خود تھے جو ایک آپ بیتی واقعہ کا ذکر کر رہے ہیں۔

پس انجیلِ دوم کے بیانات کی تازگی، تفصیلات کی شوخی، الفاظ کا رنگ وغیرہ سب ظاہر کرتے ہیں کہ یہ انجیل قدیم ابتدائی زمانہ میں ہی مرتب کی گئی تھی۔ ہم اس بات کو اپنے روزانہ تجربہ سے جانتے ہیں کہ چشم دید گواہ بھی چھوٹے چھوٹے اور باریک نکتوں کو جو اوّل ان کے دماغ میں ہوتے ہیں، امتداد زمانہ کے ساتھ یا تو بھول جاتے ہیں یا وہ اُن کو دھندلے گڈمڈ طور پر ہی یاد رکھ سکتے ہیں یا وہ ان کو اس قدر قابل التفات نہیں سمجھتے کہ ان کو بیان کریں لیکن اس انجیل میں یہ باریکیاں نہایت شگفتہ حالت میں نہ صرف موجود ہیں بلکہ بھری پڑی ہیں جس سے ہر منصف مزاج شخص اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نہ صرف اس انجیل کے ماخذ ابتدائی زمانہ سے متعلق رکھتے ہیں جو یا تو ہر واقعہ کے متصل وقت میں یا واقعہ کے فوراً بعد غیر منفصل (علیحدہ کیا گیا، جُدا) وقفہ میں لکھے گئے تھے بلکہ یہ انجیل بھی ان واقعات کچھ وقفہ کے بعد ہی جلدی مرتب کی گئی تھی جب یہ تفاصیل اور باریکیاں ذکر کرنے کے قابل خیال کی گئیں۔ بہر حال انجیلی مجموعہ کی تمام تصنیفات میں سے اس انجیل کے تذکرے اسی وقت کے ہیں جب آنخداوند کی زندگی میں یہ واقعات رونما ہوئے تھے[1]۔

فصلِ سوم

انجیلِ مرقس کا پایہ اعتبار

گذشتہ فصل میں ہم نے انجیلِ مرقس کی چند خصوصیات بیان کی ہیں۔ ان سے ناظرین پر اس انجیل کی قدامت ظاہر ہو گئی گی۔ اس کا ترتیب بیان بعینہ وہی ہے جو ابتدائی زمانہ میں رسولوں کی "منادی" کا تھا۔ اس کی تفصیلات کی تازگی، بیان کی شگفتگی، الفاظ کی شوخی وغیرہ وغیرہ سب کی سب اسی نتیجہ کی مصدق ہیں کہ یہ انجیل قدیم ترین زمانہ سے متعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر لمبی کہتا ہے کہ "جو واقعات اس انجیل میں لکھے گئے ہیں وہ اسی زمانہ میں لکھے گئے تھے جب وہ رونما ہو رہے تھے"۔

---

[1] Dr.R. Lumby, the Graphic and Dramatic Character of the Gospel of St.Mark. Expositor Vol11. Oct. 1875 pp.269-284

اس انجیل کی قدامت اس کے بیانات پر مہرِ صداقت ثبت کرتی ہے۔اس انجیل کے ماخذ اس سے بھی زیادہ قدیم ہیں جو اس میں نہایت ایمان داری سے لفظ بلفظ جمع کئے گئے ہیں۔لہذا یہ انجیل صحیح ترین اور معتبر ترین تصنیف ہے جس کا تعلق دورِ اولین سے ہے۔

(۲)

چونکہ یہ انجیل نہایت معتبر تھی لہٰذا اس کی نقلیں ارضِ مقدس میں ہر جگہ مروج ہو گئیں اور دور دراز کے مقامات میں ایمانداروں کے ہاتھوں میں آگئیں۔جب دوسرے انجیل نویس اپنی انجیلوں کی تالیف کرنے لگے تو انہوں نے اس انجیل کو جو ہر کلیسیا میں معتبر شمار ہوتی تھی اپنا ماخذ بنایا۔مقدس متی اور مقدس لوقا دونوں اس کو اوّل درجہ کا معتبر ماخذ تسلیم کرکے اس کے الفاظ کو اپنی تصانیف میں نقل کرتے ہیں۔

چنانچہ جب ہم پہلی تین اناجیل کے الفاظ کا باہم مقابلہ کرتے ہیں تو چند ایک اُمور ہم پر منکشف (ظاہر) ہو جاتے ہیں۔اگر ہم ان الفاظ پر سرخ روشنائی سے لکیر کھینچیں جو پہلی اور دوسری انجیلوں میں یکساں ہیں، اور نیلی روشنائی سے اُن الفاظ پر لکیر کھینچیں جو تینوں انجیلوں میں یکساں ہیں تو ہم پر عیاں ہو جائے گا کہ مقدس مرقس کی انجیل کے پیشتر الفاظ مقدس متی اور مقدس لوقا کی انجیلوں میں موجود ہیں اور مرقس کے باقیماندہ الفاظ کا ایک بہت بڑا حصہ یا تو مقدس متی کی انجیل میں پایا جاتا ہے اور یا مقدس لوقا کی انجیل میں موجود ہے۔اگر ہم زیادہ تفصیل سے مطالعہ کریں تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ مقدس مرقس کی انجیل کے الفاظ کا تقریباً دو تہائی حصہ مقدس متی اور مقدس لوقا کی انجیلوں میں پایا جاتا ہے۔اور باقیماندہ ایک تہائی حصہ سوائے تیس آیات کے یا تو مقدس متی کی انجیل میں موجود ہے یا مقدس لوقا کی انجیل میں پایا جاتا ہے اور کہ مقدس متی نے سوائے پچپن آیات کے تمام انجیل مرقس کو نقل کیا ہے [1]۔ بالفاظ دیگر:

(۱۔) انجیل اوّل کی تین چوتھائی سے زیادہ حصہ (۱۰۶۸ آیات میں سے ۶۱۶ آیات مرقس کی انجیل سے نقل کیا گیا ہے۔

(۲۔) انجیل سوم کی دو تہائی سے زیادہ حصہ (۱۱۴۹ آیات میں سے ۷۹۸ آیات) اُن آیات پر مشتمل ہے جو مرقس کی انجیل سے نقل کی گئی ہیں [2]۔

(۳۔) اگر ہم پہلی اور تیسری انجیلوں کے ایسے باقیماندہ مقامات اور ان الفاظ کو جو اُن دونوں انجیلوں میں پائے جاتے ہیں، نیلی سیاہی سے تحت الخط کریں تو ہم پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ مقامات حضرت کلمۃ اللہ کی تعلیم پر مشتمل ہیں اور (۲۳۶ آیات) پر مشتمل ہیں۔ یہ مقامات **"رسالہِ کلمات"** میں سے اخذ کئے گئے ہیں جس کا ذکر ہم مفصل طور پر حصہ اوّل کے باب پنجم میں کر آئے ہیں۔

علماء میں اس رسالہ کی آیات کے تعین میں اختلاف ہے مثلاً سر جان ہاکنس [3] کے خیال میں یہ رسالہ (۸۵ آیات) پر مشتمل تھا۔اس اختلاف رائے کی وجہ یہ ہے کہ یہ رسالہ اب ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہے جس طرح انجیل مرقس ہمارے ہاتھوں میں ہے ہم انجیل متی اور متی انجیل لوقا کا مقابلہ کرکے کسی حد تک ہی اس رسالہ کو مرتب کر سکتے ہیں۔جس طرح بفرضِ محال اگر انجیل مرقس دنیا سے گم ہو جائے تو ہم ان دونوں انجیلوں کے مشترکہ مقامات سے انجیل مرقس کو کسی حد تک مرتب کر سکتے ہیں۔لیکن چونکہ مقدس مرقس کی انجیل ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔لہٰذا انجیل اوّل وسوم

---

[1] Streeter, Synoptic Problem in Peak's one Vol.Commentary p.673
[2] J.C. Hawkins Synoptic Problem ed.by W. Sanday p.29
[3] Horoe Synoptic (Oxford 1894)p.89

کے مشترکہ مقامات میں سے انجیل کے مقامات کو خارج کرکے ہم جان سکتے ہیں کہ باقیماندہ مشترکہ مقامات رسالہ کلمات سے لئے گئے ہیں۔اور یوں ہم اس رسالہ کے مضامین اور الفاظ کا تعین کرسکتے ہیں اور چونکہ اس گمشدہ ماخذ کی خصوصی طرز ہے اور اس کا نکتہ نگاہ، الفاظ زبان کے محاورات، اور امتیازی نشانات بالکل جداگانہ ہیں۔ لہٰذا اس کا تعین کرنے میں اور بھی آسانی ہوجاتی ہے[1]۔

علمائے مغرب مذکورہ بالا نتائج پر ایک صدی کی بحث وتمحیص کے بعد پہنچے ہیں اور اب اس اہم نتیجہ پر سب متفق ہیں کہ مقدس متی اور مقدس لوقا نے انجیل مرقس کو نہایت معتبر ماخذ سمجھ کر اس کی (۶۶۱ آیات) میں سے (۶۳۱) کو لفظ بلفظ نقل کرلیا ہے۔

(۳)

ان انجیل نویسوں نے نہ صرف مقدس مرقس کے الفاظ کو ہی نقل کیا ہے بلکہ انہوں نے اس کی ترتیب کو بھی بحال رکھا ہے اور انجیل مرقس کے ڈھانچہ کو اپنا لیا ہے۔اس کا مفصل ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ یہاں صرف یہ بتلانا کافی ہے کہ جس مقام پر یہ دونوں انجیل نویس اکٹھے مقدس مرقس کی انجیل کی ترتیب کی تقلید (پیروی) نہیں کرتے وہاں ان دونوں میں سے ایک اس ترتیب کی ضرور پیروی کرتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ انجیل اوّل اور انجیل سوم میں کوئی ایک مقام بھی ایسا نہیں ہے جہاں یہ دونوں انجیل نویس مقدس مرقس کے بیان کے خلاف اتفاق کرتے ہوں[2]۔ چنانچہ مقدس متی اپنی انجیل کے پہلے حصے (ابواب ۸تا۱۳) میں (مرقس ۱: ۲۹تا ۶: ۱۳) کی ترتیب کی مطابقت نہیں کرتے۔ اگرچہ مقدس لوقا اس ترتیب کے مطابق چلتے ہیں لیکن مقدس متی اپنی انجیل کے دوسرے حصہ میں مقدس مرقس کی انجیل کی ترتیب کے مطابق اپنی انجیل کو مرتب کرتے ہیں۔ جب کبھی انجیل اوّل کا مصنف انجیل مرقس کو نقل کرتے وقت اپنے مقصد اور ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھ کر اس کی ترتیب کو چھوڑ دیتا ہے تو مقدس لوقا اُسی ترتیب کو جاری رکھ کر اس کے مطابق اپنی انجیل کو مرتب کرتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جب کبھی مقدس لوقا اپنے خاص مقصد اور ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھ کر انجیل مرقس کی ترتیب کو چھوڑ دیتا ہے، تو مقدس متی اُس کی ترتیب کو جاری رکھ کر اس کے مطابق اپنی انجیل کو مرتب کرتا ہے۔اِن دونوں انجیلوں میں کوئی ایک مقام بھی ایسا نہیں ہے۔ جس میں مقدس مرقس کی ترتیب کو چھوڑ کر مقدس متی اور مقدس لوقا نے کسی دوسری ترتیب پر اتفاق کیا ہو۔

پس ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کیا بلحاظ نفسِ مضمون اور کیا بلحاظ الفاظ، اور کیا بلحاظ ترتیب، مقدس مرقس کی انجیل کو اناجیل اوّل وسوم کی حمایت حاصل ہے۔ ان امور سے ظاہر ہے کہ یہ صرف اس حالت میں ہوسکتا ہے۔جب دونوں انجیل نویسوں کے سامنے ان کی انجیلوں کی تصنیف کے وقت مقدس مرقس کی سی سند رکھنے والی انجیل موجود ہو۔ پس عیاں ہے کہ مقدس مرقس کی انجیل پہلی اور تیسری انجیلوں سے بہت پہلے لکھی گئی تھی اور ایسی مستند مانی جاتی تھی کہ بعد کے دونوں مصنفوں نے اس کی ترتیب اور مضمون بلکہ الفاظ تک کو نقل کرکے اُن کو اپنا نا مناسب خیال کیا۔

گو ان تینوں انجیلوں کے الفاظ، مضامین اور ترتیبِ واقعات فرداً فرداً یہ امر ثابت کرنے کو کافی ہیں کہ مقدس متی اور مقدس لوقا نے مقدس مرقس کی انجیل کو نقل کیا ہے۔ لیکن جب ہم ان تینوں باتوں پر مجموعی طور پر غور کرتے ہیں تو یہ دلیل اور بھی وزن دار ہوجاتی ہے اور بغیر کسی شک وشبہ کے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ مقدس متی اور مقدس لوقا دونوں نے انجیل مرقس کو نہایت معتبر ماخذ قرار دے کر اس کو لفظ بلفظ (اور سوائے تیس (۳۰) آیات کے) سب کی سب انجیل کو نقل کیا ہے۔

---

[1] W.M. Ramsay, the Oldest Written Gospel, in Expositor Vol.111. May 1907

[2] Streeter, The Four Gospels.p.157

(۴)

جب ہم اس امر کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں کہ مقدس متی انجیل سوم سے واقف نہ تھے اور مقدس لوقا بھی انجیل اوّل سے ناواقف تھے اور دونوں ایک دوسرے کی تصنیفات سے بے نیاز تھے تو انجیل مرقس کا پایہ اعتبار ہماری نظروں میں اور بھی بلند ہو جاتا ہے کیونکہ یہ امر اس حقیقت کو ثابت کردیتا ہے کہ ارضِ مقدس کے مختلف کونوں میں انجیل مرقس کی اشاعت ہو چکی تھی اور وہ ہر جگہ مستند تسلیم کی جاتی تھی۔

ڈاکٹر ایبٹ نے اس کی ایک دلچسپ مثال دی ہے [1]۔ وہ کہتا ہے "فرض کرو کہ تین لڑکے زید، بکر اور عمر کسی امتحان میں بیٹھے ہیں۔ جب اُن کے پرچے ممتحن (امتحان لینے والا) کے پاس جاتے ہیں تو وہ اُن کے پرچے پڑھ کر معلوم کرتا ہے کہ زید اور عمر نے بکر کی نقل کی ہے۔ بسااوقات (بعض دفعہ) جب دونوں امیدوار بکر کے الفاظ کی نقل کرتے ہیں تب تینوں کے جوابات لفظ بلفظ ملتے ہیں۔ بعض اوقات زید ایسے مقامات بکر کے پرچے سے نقل کرتا ہے جو عمر نہیں کرتا اور بکر کے پرچے کے بعض مقامات ایسے ہیں جو زید نقل نہیں کرتا لیکن عمر اُن کو نقل کرتا ہے۔ لیکن یہ تینوں لڑکے اس طور سے بیٹھے ہیں کہ زید اور عمر ایک دوسرے کی نقل نہیں کرسکتے۔ پس کسی ایک مقام میں بھی وہ دونوں کوئی ایسی عبارت نہیں لکھتے جو بکر کی عبارت کے خلاف ہو۔ ظاہر ہے کہ ہر ہوش مند ممتحن اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ زید اور عمر دونوں نے موقعہ پا کر بکر کی نقل کی ہے"۔

مقدس متی اور مقدس لوقا نے مقدس مرقس کی انجیل کے الفاظ کو نقل کرتے وقت اپنے اس ماخذ کے بعض الفاظ اور فقرات ایسے پائے جو اُن کو ناگوار گزرے۔ پس انہوں نے یا تو ایسے الفاظ کو نقل ہی نہ کیا یا اُن سخت الفاظ کی بجائے نرم الفاظ لکھ دیئے (مقابلہ کرو مرقس ۱۰: ۱۸؛ متی ۱۹: ۱۷ وغیرہ)۔ اس کے علاوہ انجیل دوم کی طرز تحریر کی خامی اور نحوی کا مقابلہ انجیل اوّل اور سوم سے کرتے ہیں تو ان میں اسی قسم کا فرق پاتے ہیں جو کسی شخص کی تقریر میں اور اسی تقریر کی تحریری شکل میں پایا جاتا ہے۔ مقدس مرقس کی عبارت اور اسلوبِ بیان ایک فی البدیہہ تقریر کرنے والے کا سا ہے۔ چنانچہ ایک نقاد لکھتا ہے کہ "مرقس کی انجیل ایسی ہے کہ گویا کسی شخص نے کسی برجستہ مقرر کی تقریر شارٹ ہینڈ (مختصر نویسی) میں لکھ لی ہو"۔ لفظ "فی الفور" مقدس مرقس کو بہت مرغوب ہے جو (۴۱) مقامات میں آیا ہے جس کو دیگر انجیل نویس نقل نہیں کرتے۔ مقدس متی اور مقدس لوقا اس کے بعض الفاظ کو بدل کر بڑی احتیاط کے ساتھ ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جو مختصر اور جامع ہیں اور نحوی لحاظ سے بہتر ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اشاعت کی غرض سے لکھے گئے ہیں [2]۔ کیونکہ ان کے فقرے جچے تُلے (درست، پورے وزن کا) ہیں۔ یہ امر بھی ثابت کردیتا ہے کہ مقدس مرقس کی انجیل ایسے قدیم وقت میں لکھی گئی تھی۔ جب مقدس مرقس اور اس کے ماخذ دونوں اس بات کی طرف سے بے نیاز تھے ان کی زبان کے الفاظ سخت ہیں یا نرم، وہ صرف ونحو کے قواعد کے عین مطابق ہیں یا اُن میں نحوی خامیاں پائی جاتی ہیں۔ یا کہ وہ ادبی شاہکار ہیں یا نہیں چنانچہ ایلن کہتا ہے کہ "انجیل دوم کوئی ادبی تصنیف نہیں ہے جس کو کسی بڑے پایہ کے مصنف نے لکھا ہو [3]۔ لیکن یہی امر اس کی قدامت اور اس کے پایہ اعتبار کا ایک بین اور زبردست ثبوت ہے۔

---

[1] E.A. Abbot, The Four fold Gospels Section 1p.12
[2] Streeter, Four Gospels pp.162-164 ff. also quoted by Butler in The Originality of St. Matthew (1951) p.167.
[3] W.C. Allen, in J.T.S. Jan-April 1946 p.46

(۵)

اس انجیل کا پایہ اعتبار اس بات سے بھی ثابت ہے [1] ۔کہ اس میں جن سماجی اور سیاسی حالات کا ذکر ہے وہ عین بعین اصل تواریخی حالات کے مطابق ہے مثلاً یہ انجیل بتلاتی ہے کہ گلیل میں "عبادت خانوں کے سردار" مذہبی رہنما تھے لیکن یروشلیم میں سردار کاہن مذہبی رہنما تھے اور کہ فریسی اور فقیہہ ہر جگہ موجود تھے لیکن صدوقی صرف یروشلیم میں تھے اور کہ آنخداوند کے لئے یروشلیم کا شہر صوبہ گلیل سے زیادہ خطرناک تھا۔ مقدس مرقس بتلاتے ہیں کہ آنخداوند کو انتی پاس سے خطرہ تھا(مرقس ۶: ۱۴)۔ لہٰذا آپ اس کے علاقہ سے دیگر مقامات کو چلے جایا کرتے تھے (مرقس ۳:۷؛ ۴:۱؛ ۴:۳۵؛ ۶:۴۵؛ ۸:۱۳؛ ۷:۲۴؛ ۷:۳۱؛ ۸:۲۷ وغیرہ)۔ کیونکہ قیصریہ، فلپی، فینیکے، بیت صیدا میں آپ اس ظالم اور جابر حکمران کے ہاتھ سے محفوظ تھے۔ چونکہ یہ اور دیگر بیانات ارض مقدس کے خارجی حالات کے عین مطابق ہیں۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ مقدس مرقس کی انجیل قدیم ترین بیانات پر ہی مبنی ہے۔ کیونکہ یہ حالات بعد میں بدل گئے تھے۔ پس خارجی تواریخی واقعات بھی اس انجیل کی قدامت اور اس کے پایہ اعتبار کے مستند ہونے کا گواہ ہیں۔

(۶)

جوزیفس مورخ کی کتُب سے ہم کو ارضِ مقدس کے اُن حالات کا پتہ چلتا ہے جو (۳۰ء) میں پائے جاتے تھے۔ یہودی کتُبِ تالمود سے ہم کو اُس زمانہ کے یہود کے خیالات اور حالات کا پتہ چلتا ہے۔ جب ہم ان کا مقدس مرقس کی انجیل سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہم پر عیاں ہو جاتا ہے [2] کہ اس انجیل میں یہی حالات نہایت صحت کے ساتھ پائے جاتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل اُن حالات کے دوران میں ہی لکھی گئی تھی۔ کیونکہ جیسا برکٹ کہتا ہے کہ یہ تمام حالات یروشلیم کی تباہی کے صفحہ ہستی سے محو ہو چکے تھے۔ اس انجیل کے حالات کا نقشہ ایسا ہے کہ مابعد کے زمانہ میں قوت متخیلہ (سوچنے کی قوت) اس قدر صحت کے ساتھ ان کو دوبارہ خلق ہی نہیں کر سکتی تھی [3] ۔

[1] Blunt, St. Mark p.36
[2] Burkitt, Gospel. History & its Transmission p.66
[3] Ibid.pp.67-68

باب دوم

انجیل متی کی تالیف

فصل اوّل

انجیلِ متی کے ماخذ

ہم گذشتہ فصل میں بتلا چکے ہیں کہ انجیلِ اوّل کے مصنف نے اپنی انجیل کو تالیف (کتاب مرتب کرنا، مختلف کتابوں سے مضامین چن کر نئے پیرائے میں ترتیب دینا) کرتے وقت دوماخذ استعمال کئے تھے جن کا ہم مفصل ذکر کر آئے ہیں یعنی:

(۱۔)رسالہِ کلمات:۔ جس کا ذکر ہم حصہ اوّل کے باب پنجم کی فصل اوّل میں کر آئے ہیں۔ یہاں یہ بتلانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ یہود اپنی مذہبی کتُب کو بالعموم پانچ حصوں میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ مثلاً توارات کی پانچ کتابیں ہیں۔ زبور کی پانچ کتابیں ہیں جن میں سے ہر ایک کتاب خدا کی حمد وتعریف کے الفاظ سے ختم ہوتی ہے۔ اسی طرز پر مقدس متی کا رسالہِ کلمات بھی پانچ حصوں میں منقسم تھا۔ انجیل اوّل بھی پانچ حصوں میں منقسم ہے جس کا ہر حصہ خاص مقرری الفاظ سے ختم ہوتا ہے "جب یسوع نے یہ باتیں ختم کیں"(متی ۷: ۱۸وغیرہ)۔ یہ پانچ حصے حسب ذیل ہیں:

(۱۔) پہاڑی وعظ (متی باب ۵تا۷)۔

(۲۔) بارہ رسولوں کو ہدایات (متی ۱۰: ۵تا آخر)۔

(۳۔) خدا کی بادشاہی کی سات تمثیلیں (متی ۱۳: ۳۔ ۵۲)۔

(۴۔) آنخداوند کے مختلف احوال (باب ۱۸)۔

(۵۔) (متی ۲۱: ۲۸تا ۲۲: ۱۴فریسیوں اور فقیہوں پر سات بار افسوس کرنا (متی ۲۳باب) مسیح کی آمد کی پیشین گوئیاں (متی باب ۲۴)اور عدالت کی تمثیلیں (متی ۲۵باب)۔

مقدس متی نے جو رسالہِ کلمات جمع کیا تھا اُس کا شروع مبارکبادیوں سے اور آخر عدالت کی تمثیل سے ختم ہوتا تھا۔

(۲۔)مقدس مرقس کی انجیل:۔ اس انجیل کی (۶۶۱) آیات میں سے مقدس متی نے (۶۰۶) آیات انجیلِ دوم سے نقل کی ہیں۔

مقدس متی نے نہ صرف انجیل دوم کی آیات کو نقل کیا ہے بلکہ اس نے انجیل دوم کے خاکہ اور واقعات کی ترتیب کو بھی برقرار رکھا ہے اور اس خاکہ کے ڈھانچہ میں دیگر ماخذوں کے مسالہ (سامان) کو استعمال کیا ہے۔

(۳۔) مقدس متی نے نہ صرف رسالہِ کلمات کو استعمال کیا ہے بلکہ دوسرے قدیم رسالہ یعنی رسالہِ اثبات کو بھی اپنا ماخذ بتایا ہے اور اس کی جابجا بارہ مقامات میں استعمال کیا ہے۔ استعمال سے پہلے وہ خاص مقرری الفاظ "اس وقت وہ بات پوری ہوئی جو سیدنا مسیح نے نبی کی معرفت کہی تھی" لکھتا ہے (متی ۱: ۲۲؛ ۲: ۵ وغیرہ) اس رسالہ کا مفصل ذکر ہم حصہ اوّل کے باب پنجم کی فصل دوم میں کر آئے ہیں۔

(۴۔) **سیدنا مسیح کا نسب نامہ:۔** جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مسیح موعود ابنِ داؤد اور ابنِ ابراہام تھے (متی باب ۱: ۱۔۱۷)۔ یہ ماخذ بھی تحریری تھا۔

(۵۔) ایک ماخذ ایسا ہے جس میں مسیح موعود کے یہودی مخالفوں کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا گیا ہے۔ مخالفین مسیحیت مقدسہ مریم باکرہ کی عصمت اور مسیح موعود کے طرز پیدائش پر اعتراض کرتے تھے۔ اس ماخذ کے اس خاص حصہ کا سرچشمہ مقدس یوسف کا خاندان معلوم ہوتا ہے جو قدرتی طور پر دورِ اولین میں کلیسیا میں ممتاز ترین خاندان تھا۔ بعض عصمتِ مسیح کی حقیقت پر اعتراض کرکے کہتے تھے کہ اگر آپ گناہ سے بری ہوتے تو آپ مقدس یوحنا بپتسمہ دینے والے کے ہاتھ سے بپتسمہ نہ پاتے۔ بعض یہ اعتراض کرتے تھے کہ اگر آنخداوند مجرم نہ ہوتے تو رومی گورنر آپ کو مصلوب نہ کرتا۔ بعض مخالفین قیامت مسیح کے منکر تھے۔ اور کہتے تھے کہ آپ کے شاگردوں نے آپ کا مبارک لاشہ چرالیا تھا اور یہ مشہور کردیا تھا کہ آپ مردوں میں سے جی اٹھے ہیں۔

اس ماخذ میں ابتدائی کلیسیا کے فاضل معلموں نے قدیم ترین زمانہ کے معتبر بیانات کو جمع کرکے ان اعتراضات کے جواب دے کر مسیح موعود کے دشمنوں کے دانت کھٹے کردیئے تھے۔ چونکہ یہ جوابات بڑے کام کے تھے لہذا انجیل اول کے مولف نے اس رسالہ کو جس میں یہ جوابات درج تھے، اپنا ماخذ بنا کر اس کو اپنی انجیل میں شامل کرلیا۔ چنانچہ انجیل کے پہلے تین ابواب میں اور آخری دو ابواب میں اس ماخذ سے کام لیا گیا ہے۔

اس بات کا ثبوت کہ یہ ماخذ ابتدائی زمانہ میں لکھا گیا تھا اس بات سے بھی ملتا ہے کہ انجیل کے پہلے دو ابواب میں خدا اپنی مرضی کو خواب میں ظاہر کرتا ہے جس طرح تورات کے مختلف حصوں میں خدا اپنی مرضی کو پہلے وقتوں میں خواب کے وسیلے ظاہر کیا کرتا تھا۔ چنانچہ الفاظ "خواب میں" پانچ دفعہ ان دو ابواب میں اور (متی ۲۷: ۱۹) میں آئے ہیں لیکن تمام انجیل میں کسی اور جگہ وارد نہیں ہوئے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ قدیم ماخذ تحریری صورت میں موجود تھا اور کہ یہ سب مقامات اسی سے لئے گئے ہیں۔

(۶۔) ایک اور ماخذ مقدس متی کے سامنے تھا جس میں یہودیہ کے گورنر پنطوس پلاطوس کی نسبت بیان موجود تھے۔ مقدس متی نے اس ماخذ کو (متی ۲۷: ۲۴۔۲۵، ۶۲۔۶۶، ۲۸: ۱۱۔۱۵) میں استعمال کیا ہے [1]۔

(۷۔) مذکورہ بالا ماخذوں کے علاوہ اس انجیل میں حسبِ ذیل واقعات پائے جاتے ہیں جو اس کے مولف نے تحریری اور زبانی بیانات سے حاصل کئے تھے [2]:

(۱۔) کفرناحوم میں منادی کا شروع (متی ۴: ۱۲۔۱۷)

(۲۔) صوبہ دار کے خادم کا شفا پانا (۸: ۵۔۱۳)

---

[1] St. Matthew, The Century Bibl (1922) p.25

[2] The Mission & Message of Jesus pp.219-250.

(۳۔)دو شخصوں کے شاگرد ہونے کی خواہش (۸: ۱۸۔ ۲۲)

(۴۔)دواندھوں کابینائی پانا(۹: ۲۷۔ ۳۱)

(۵۔) گونگے کو شفا بخشنا(۹: ۳۲۔ ۳۴)

(۶۔)مقدس یوحنا بپتسمہ دینے والے کے پیغامبر (۱۱: ۲۔ ۶)

(۷۔)مقدس پطرس کا پانی پر چلنا(۱۴: ۲۸۔ ۳۱)

(۸۔) مچھلی کے منہ سے سکہ کا برآمد ہونا(۱۷: ۲۴۔ ۲۷)

(۹۔)یہوداہ غدار کاانجام(۲۷: ۳۔ ۱۳)

(۱۰۔)یہودی مقدسوں کاقبروں سے نکلنا(۲۷: ۵۱۔ ۵۳)۔

(۱۱۔)سیدنا مسیح کاقیامت کے بعد گلیل میں دکھائی دینا(۲۸: ۱۶۔ ۲۰)۔

مذکورہ بالاواقعات مقدس مرقس کی انجیل میں نہیں ہیں۔پس یہ انجیل سے نہیں لئے گئے۔

(۸۔) مقدس متی نے اپنے رسالہ کلمات کی تعلیم کے علاوہ دیگر چشم دید گواہوں کے تحریری اور زبانی بیانات سے حضرت کلمۃ اللہ کی تعلیم کے حصص (حصہ کی جمع، ٹکڑا)اپنی انجیل میں شامل کئے ہیں۔کیونکہ آنخداوند کے ہزارہا سامعین میں سے ''بہتوں نے اس پر کمر باندھی'' تھی کہ وہ سیدنا مسیح کی تعلیم کو لکھیں اور یہ پارے مختلف کلیسیاؤں میں رائج تھے۔لیکن ایمانداروں کی تعداد کی کثرت اوراُن کی پراگندگی نے یہ ضرورت پیدا کردی کہ کلیسیا کے معلموں کے لئے ان مختلف پاروں کو جمع کیا جائے۔ان معلموں کے ہاتھوں میں رسالہ کلمات اور آنخداوند کی زندگی کے حالات، معجزات اور واقعہ صلیب کے بیانات موجود تھے۔انجیل مرقس بھی اُن کے ہاتھوں میں تھی لیکن بعض رسالوں اور پاروں میں جو سیدنا مسیح کی تعلیم تھی وہ جمع نہ تھے۔مقدس یعقوب ان پاروں میں سے بعض کی تعلیم سے واقف تھے(یعقوب ۱: ۵؛ ۲: ۸؛ ۳: ۱۲؛ ۴: ۳؛ ۵: ۳، ۹، ۱۲وغیرہ)۔یہ ماخذ یروشلیم کی کلیسیا کے ہاتھوں میں تھے [1]۔مقدس متی نے ان پاروں کو جو اس کے مطلب کے تھے اپنی انجیل میں شامل کرلیا تاکہ یہودی مسیح کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں ایک جامع انجیل ہو۔چنانچہ ذیل کے مقامات مقدس متی نے ان پاروں سے لئے اور یہ مقامات صرف انجیل اوّل میں ہی پائے جاتے ہیں [2]۔

(۱۔)(متی ۳: ۱۴۔ ۱۵)۔سیدنا مسیح کے بپتسمہ پانے کے متعلق ایک پارہ ہے۔

(۲۔)(متی ۵: ۷۔ ۱۰)کی مبارک بادیاں

(۳۔)(متی ۵: ۱۳۔ ۱۶)۔نمک اور نور کے استعارات

(۴۔)(متی ۵: ۱۷تا ۲۹:۷)کے وہ مقامات جو رسالہ کلمات سے اخذ نہیں کئے گئے۔

(۵۔)(متی ۱۰: ۵۔ ۱۶؛ ۱۰: ۲۳۔ ۲۵، ۴۰تا ۱۱: ۱)دوازدہ رسولوں کو ہدایات۔

(۶۔)(متی ۱۱: ۱۴۔ ۱۵)یوحنا بپتسمہ دینے والا اور ایلیاہ نبی۔

---

[1] B.H. Streeter, Sources of the Gospels, in an Outline of Christinaity ed. Peake & P. Harson Vol1.p309.
[2] The Mission & Message of Jesus.pp.441-544.

(۷۔) متی ۱۱: ۲۸تا۳۰۔دعوتِ عام۔

(۸۔)(متی ۱۲: ۵۔۷، ۱۱۔ ۱۲) سبت سے متعلق ہیں۔

(۹۔)(متی ۱۲: ۳۴(الف) ۳۶۔۳۷) انسان کا قول اور فعل۔

(۱۰۔)(متی ۱۳ باب) میں چند اقوال ہیں جو صرف انجیل اوّل میں ہی پائے جاتے ہیں۔

ان کو رسالہِ کلمات اور انجیلِ مرقس کے ساتھ ترتیب دے کر لکھا گیا ہے۔ یہ اقوال آیات ۲۴۔ ۳۰، ۳۶، ۴۳۔ ۴۷، ۵۰۔ ۵۱، ۵۳ میں پائے جاتے ہیں۔

(۱۱۔)(متی ۱۵: ۱۲۔ ۱۳) بعض پودوں کا اُکھاڑا جانا۔

(۱۲۔)(متی ۱۵: ۲۲۔ ۲۵) غیر اقوام سے متعلق ہے۔

(۱۳۔)(متی ۱۶: ۲۔ ۳) زمانہ کے نشان۔

(۱۴۔)(متی ۱۶: ۱۷۔ ۱۹) کلیسیا میں مقدس پطرس کا مقام۔

(۱۵۔)(متی ۱۷: ۲۰) مضبوط ایمان کی طاقت۔

(۱۶۔)(متی ۱۸: ۲۔ ۴) مسیحی رفاقت۔

(۱۷۔)(متی ۱۸: ۱۰، ۱۲۔ ۱۴) کلیسیا اور گمراہ لوگ۔

(۱۸۔)(متی ۱۸: ۱۵۔ ۲۲) کلیسیا کی اندرونی زندگی۔

(۱۹۔)(متی ۱۸: ۲۳تا۱۹: ۱) بے رحم مختار کی تمثیل۔

(۲۰۔)(متی ۱۹: ۱۰۔ ۱۲) کنوارہ پن اور بیاہ کی حالت۔

(۲۱۔)(متی ۱۹: ۲۸) بارہ رسولوں کی جزا۔

(۲۲۔)(متی ۲۰: ۱۔ ۱۶) انگورستان کے مزدوروں کی تمثیل۔

(۲۳۔)(متی ۲۱: ۱۴۔ ۱۶) سردار کاہنوں اور فقیہوں کا جوش کو بُرا منانا۔

(۲۴۔)(متی ۲۱: ۲۸۔ ۳۲) دو بیٹوں کی تمثیل

(۲۵۔)(متی ۲۱: ۴۳۔ ۴۴) بادشاہی کا دوسری قوم کو دیا جانا۔

(۲۶۔)(متی ۲۲: ۱۔ ۱۴) شادی کی ضیافت کی تمثیل۔

(۲۷۔)(متی ۲۳: ۱۔ ۷) فریسیوں اور فقیہوں پر ملامت۔

(۲۸۔)(متی ۲۳: ۸۔ ۱۲) شاگردوں کو آگاہی۔

(۲۹۔)(متی ۲۳: ۱۳۔ ۳۶) فقیہوں اور فریسیوں پر افسوس۔

(۳۰۔)(متی ۲۴: ۱۰۔ ۱۲، ۳۰(الف) آمدِ ثانی سے متعلق ہیں۔

(۳۱۔)(متی ۲۵: ۱۔۱۳)دس کنواریوں کی تمثیل۔

(۳۲۔)(متی ۲۵: ۱۴۔۳۰)توڑوں کی تمثیل۔

(۳۳۔)(متی ۲۵: ۳۱۔۴۶)آخری عدالت۔

جب ہم اس ماخذ کے مضامین میں کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر چند باتیں عیاں ہو جاتی ہیں:۔

اوّل:۔اس ماخذ کی فضا انجیل نویس کے دوسرے ماخذ یعنی انجیل دوم سے بالکل جداگانہ ہے۔اس کی فضا یہودیت کی فضا ہے جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ ماخذ ارضِ مقدس کے یہودی مسیحی نو مریدوں سے تعلق رکھتا ہے۔کیونکہ اس میں شریعت اور انجیل مسیح دوالگ لگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ مسیح موعود کی انجیل خود ایک نئی شریعت ہے یا یوں کہو کہ وہ موسوی شریعت کی ایک نئی ایڈیشن ہے۔"انجیل کوئی نئی مے نہیں جو پرانی مشکوں میں بھری ہو بلکہ وہ وہی پرانی مے ہے جس کا عرق مقطر (قطرہ قطرہ کرکے ٹپکا یا اور صاف کیا ہوا) کرکے کھینچا گیا ہے۔پس وہ تیز اور قوی الاثر ہے [1]۔

دوم:۔اس ماخذ میں بعض ایسی باتیں ہیں جو یہودی ربیوں کی تصنیفات سے ملتی جلتی ہیں۔مثلاً (متی ۵: ۷،۲۸۔۳۰،۳۷) کے خیالات تالمود اور مدراش میں بھی پائے جاتے ہیں [2]۔بعض مقامات میں طرز تحریر ربیوں کی طرز کی سی ہے۔اس ماخذ میں یہودی اصطلاحات پائی جاتی ہیں مثلاً انجیل کا جُوا اور شریعت کا جُوا۔آسمانی باپ وغیرہ جس سے ظاہر ہے کہ یہودی مسیحی ربیوں کی فاضل جماعت نے حضرت کلمتہ اللہ کے اُن کلماتِ طیبات کو محفوظ رکھا تھا جن کا تعلق یہودی ربیوں کی تصنیفات سے تھا۔اس کا مفصل ذکر ہم انشاء اللہ آگے چل کر کریں گے۔

سوم:۔اس ماخذ کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تعلیم میں اور مقدس یوحنا بپتسمہ دینے والے کی تعلیم میں بہت زیادہ تعلق ہے۔نہ صرف مقدس یوحنا کی تعلیم بلکہ اس تعلیم کے الفاظ بھی اس ماخذ میں پائے جاتے ہیں۔مثلاً (متی ۷: ۹) کے الفاظ اور خیالات رسالہِ کلمات سے ملتے ہیں (متی ۱۰:۳؛لوقا ۳: ۹)کڑوے دانوں کی تمثیل (متی ۱۳: ۲۴۔۳۰،۳۶۔۴۳) بڑے جال کی تمثیل (متی ۱۳: ۴۷۔۵۰)۔بکریوں اور بھیڑوں کی تمثیل (متی ۲۵: ۳۱۔۴۶)۔ضیافت کی تمثیل (متی ۲۲: ۱۱۔۱۴) کے خیالات کچھ اختلاف کے ساتھ وہی ہیں جو بپتسمہ دینے والے کے ہیں اور جو رسالہِ کلمات میں موجود تھے (متی ۳: ۱۲؛لوقا ۳: ۱۷)۔ان کے منہ کے الفاظ (متی ۳: ۷؛لوقا ۳: ۷)۔جو رسالہِ کلمات میں (متی ۱۲: ۳۴؛۲۳: ۳۳) میں پائے جاتے ہیں۔لیکن تمام انجیل میں کسی اور جگہ نہیں ملتے جس سے ظاہر ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ کے پیشرو کے خیالات اور آپ کے خیالات میں تفاوت (فاصلہ، جُدائی) نہیں پایا تھا۔جبھی آپ نے فرمایا کہ "جو عورتوں سے پیدا ہوتے ہیں اُن میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے کوئی بڑا نہیں ہوا" لیکن چونکہ آپ کی انجیل حضرت یوحنا کے ابتدائی خیالات سے بہت آگے بڑھی ہوئی تھی۔آپ نے ساتھ ہی فرمایا "لیکن جو آسمان کی بادشاہی میں چھوٹا ہے وہ یوحنا سے بڑا ہے" (متی ۱۱: ۱۱؛لوقا ۷: ۲۸)۔آپ کا یہ قول رسالہِ کلمات میں تھا، جس سے یہ بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ مقدس متی کے مختلف ماخذوں میں نہ تفاوت تھی اور نہ تناقض یا تضاد بلکہ وہ ایک دوسرے کے تکملہ تھے جو ایک دوسرے کی کمی کو پورا کرتے تھے۔کسی ماخذ میں حضرت کلمتہ اللہ کا ایک قول درج تھا اور کسی میں دوسرا۔ماخذوں کے لکھنے والوں نے اپنے اپنے مقصد کے مطابق آپ کے مبارک کلمات کو جمع کیا ہوا تھا۔

---

[1] T.W. Manson, The Teching of Jesus (1939) p.34

[2] G.F. Moore, Judaism Vol2.pp.267 ff.

(۹۔) صلیب کے واقعات کا ایک ماخذ مقدس متی کے سامنے تحریری صورت میں موجود تھا۔ آپ نے مقدس مرقس کے صلیبی واقعہ کے بیان میں اس ماخذ کے الفاظ کو شامل کردیا چنانچہ (متی ۲۶: ۱۴۔۱۶؛ ۲۷: ۱۹، ۲۴۔ الخ ۲۷: ۵۱۔ ۵۳؛ ۲۷: ۶۲۔ ۶۶؛ ۲۸: ۲۔ ۴؛ ۲۸: ۱۱۔ ۱۵) اِس ماخذ کے حصے ہیں [1]۔

مندرجہ بالا ماخذوں پر سطحی نظر ڈالنے سے بھی یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ ماخذ کنعان کے ہیں اور سب کے سب قدیم ترین زمانہ سے متعلق ہیں۔ وہ رسالہِ کلمات کے بعد لکھے گئے تھے اور تحریر میں آچکے تھے [2]۔ چنانچہ جرمن نقاد ہارنیک نے اس انجیل کے ماخذوں کی مفصل تنقید کی ہے اور وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ یہ ماخذ ابتدائی قسم کے ہیں [3]۔

مقدس متی کا طریقہ تالیف یہ ہے کہ وہ مقدس مرقس کی انجیل کے ڈھانچہ کو برقرار رکھ کر اس ڈھانچہ میں کسی واقعہ یا بیان کو نقل کرتے وقت دیگر ایسے موزوں بیانات واقعات اور کلمات کو ایزاد کردیتا ہے کہ جو اس واقعہ یا بیان سے تعلق رکھتے ہوں۔ مقدس مرقس کی انجیل کو نقل کرتے وقت جب یہ دیکھتا ہے کہ کسی واقعہ یا بیان کی تفصیل ایسے دیگر بیانات میں پائی جاتی ہے جو **"رسالہِ کلمات"** میں اُس کے کسی اور ماخذ میں موجود ہیں تو وہ اُن ماخذوں کے بیانات یا واقعات اور کلمات کو اُس خاص مناسب اور موزوں موقعہ پر درج کردیتا ہے۔ مثلاً وہ (متی ۹: ۱۰۔ ۱۲) کے کلمات کو طلاق کے سوال سے متعلق کردیتا ہے۔ مقدس مرقس کے الفاظ "اول آخر ہوجائیں گے اور آخر اول" کے بعد وہ تاکستان کے مزدوں کی تمثیل کا ذکر کرتا ہے (متی ۱۹: ۳۰)۔ شریر باغبانوں کی تمثیل سے وہ شادی کی دعوت اور دو بیٹوں کی تمثیلیں متعلق کردیتا ہے (متی ۲۱: ۳۳)۔

اس موقعہ پر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مقدس متی حضرت کلمتہ اللہ کے کلماتِ طیبات کو ہر موزوں موقعہ پر اکٹھا کرکے مجمع کردیتا ہے۔ چنانچہ چار مختلف مقامات پر مقدس مرقس کے مختصر مکالمات شروع کرکے وہ دیگر ماخذوں سے کلمات اکٹھے کرکے جمع کردیتا ہے جو لمبے مکالموں کی صورت اختیار کرلیتے ہیں۔ مثلاً مقدس مرقس کی سات آیات (۶: ۷۔ الخ) انجیل متی میں بیالیس آیات ہوجاتی ہیں (متی ۱۰ باب)۔ انجیل مرقس کی بارہ آیات (متی ۹: ۳۳۔ ۳۷، ۴۲، تا ۴۸) انجیل اوّل میں ۳۵ آیات ہوجاتی ہیں (متی ۱۸ باب)۔ انجیل متی میں مرقس کے ۱۳ باب کے بیان کو کھول کر واضح کردیا گیا ہے اور ۲۵ باب میں عدالت کی تمثیلیں بڑھادی گئی ہیں۔ پہاڑی وعظ کے تمام کلمات کو اس طور پر جمع کیا گیا ہے کہ وہ مرقس کی آیت (مرقس ۱: ۲۲؛ متی ۷: ۲۹) کی توضیح (وضاحت) ہوجاتے ہیں۔

فصل دوم

مقدس متی کی انجیل کی خصوصیات

ہم گذشتہ فصل میں بتلاچکے ہیں کہ مقدس متی نے اپنی انجیل میں آنخداوند کی تعلیم کو جو رسالہِ کلمات میں درج تھی۔ پانچ مختلف عنوانوں کے ماتحت یکجا جمع کیا ہے۔ یہ طریقہ ابتدائی ایام کی کلیسیا کی ضروریات کے مطابق تھا [4]۔ کیونکہ ان ابتدائی ایام میں اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس

---

[1] Vincent Taylor, The Formation of Gospel Tradition p.54

[2] Barton, "Prof. Torrey's Theory of Aramic Origin of Gospels.J.T.S Oct,1943.p.358

[3] W.C. Allen, Harnack and Moffat on the Date of the First Gospel's Exp. Times , May 1911 pp.349 ff.

[4] Rev.V.C Macmunn, Who Compiled the Sermon on the Mt Exp. Times Feb 1924

نئے "طریق" (اعمال ۹: ۲) کے قوانین و قواعد ضبطِ تحریر میں آئیں تاکہ کلیسیا کے روزافزوں یہودی شرکاءاس نئی شریعت سے واقف ہو جائیں جو ایک ایسے شخص نے دی تھی جو حضرت موسیٰ سے بھی بڑا نبی تھا۔ غیر یہودی نومریدوں کے لئے تو یہ ضرورت نہایت اشد تھی تاکہ یہ لوگ جو پہلے بُت پرست اور مشرک تھے۔ سیدنا مسیح کی اخلاقیات کے قوانین اور روحانی معیاروں سے واقف ہو جائیں مقدس متی نے یہودی مومنین کی جماعت کی ضروریات کو مدِ نظر رکھ کر رسالہِ کلمات کے مختلف اور متفرق اقوال کو مختلف عنوانوں کے ماتحت پانچ حصوں میں تورات کی پانچ کتابوں کی تقسیم کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیااور سیدنا مسیح کی تعلیم کوایک نظام میں منظم کر دیا۔

اہلِ یہود میں پانچ کا عدد اکثر استعمال کیا جاتا تھا کیونکہ جیسا ہم بتلا چکے ہیں تورات اور زبور کی پانچ کتابیں تھیں اور اسی لحاظ سے اس انجیل میں سیدنا مسیح کے کلمات کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیاہے۔ علاوہ ازیں تین کا عدد بھی اکثر استعمال کیا جاتا تھااور اس انجیل میں اس عدد کی ۳۸مثالیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً طفولیت مسیح کے تین واقعات ہیں (متی ۲: ۱۔ ۲۳)۔ سیدنا مسیح کی آزمائشوں کی تین مثالیں دی گئی ہیں (متی ۴: ۱۔ ۱۱)۔ پہاڑی وعظ میں راستبازی کی تین مثالیں ہیں (متی ۶: ۱۔۱۸)۔ تین باتوں کی ممانعت ہے (متی ۶: ۱۹تا۷: ۶)۔ فکر نہ کرنے کی تین مثالیں موجود ہیں (متی ۶: ۲۵۔ ۳۱، ۳۴)۔ سیدنا مسیح کی زندگی کے واقعات میں شفا پانے کے تین معجزے بتلائے گئے ہیں (متی ۱۸: ۱۔ ۱۵)۔ طاقت کے تین معجزے (متی ۸: ۲۳تا۹: ۸) اور بحالی کے تین معجزے درج کئے گئے ہیں (متی ۶: ۸۔ ۳۴)۔ فریسیوں کو تین نشان (۱۲: ۳۸۔ ۴۲) گتسمنی باغ میں تین دعائیں (متی ۲۶: ۳۹، ۴۲، ۴۴)۔ سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت کے تین گواہ موجود ہیں (متی ۲۸: ۱۔ ۱۰، ۱۱۔ ۱۵، ۱۶۔ ۲۰) وغیرہ وغیرہ۔

مقدس متی نے اس انجیل میں تین پانچ سات اور دس کے عدد کو کثرت سے استعمال کیا ہے۔ کیونکہ عہدِ عتیق کی کتب میں یہ عدد کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ تین سب سے چھوٹا عدد ہے جس میں شروع، درمیان اور آخر پایا جاتا ہے اور وہ طاق اور جفت کی جمع بھی ہے۔ ہفتہ کے سات دن ہوتے ہیں جن کا تعلق چاند کی مختلف صورتوں سے ہے۔ پس یہ عدکاملیت اور کثرت کا نشان ہے اور اہلِ یہود میں یہ عدد خاص طور پر مقدس سمجھا جاتا تھا۔

اغلب (ضرور) ہے کہ مقدس متی نے تین، پانچ، سات اور دس کے اعداد اس غرض سے استعمال کئے تھے تاکہ معلم اور شاگرد (جو انجیل کو سکھلاتے اور سیکھتے تھے) دونوں کے حافظہ کو مدد مل جائے۔ چنانچہ جان ہاکنس کہتے ہیں [1] ۔ "اہل یہود تعلیم کے لئے اس طریقہ کو استعمال کیا کرتے تھے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تورات کی پانچ کتابیں تھیں اور زبور کی پانچ کتابیں تھیں اور اکلی زی ایس ٹیکس Ecclesiasticsکے پانچ حصے تھے اور حنوک کی کتاب پانچ حصوں میں منقسم ہے تو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ مقدس متی نے انجیل میں آنخداوند کے کلمات کو بھی پانچ حصوں میں تقسیم کرکے ہر حصہ کے آخر میں لکھا "جب یسوع یہ باتیں ختم کر چکا تو ایسا ہوا" (متی ۷: ۲۸؛ ۹: ۱؛ ۱۳: ۵۳؛ ۱۹: ۱؛ ۲۶: ۱)۔ پس اس انجیل کی ترتیب واقعات کی تواریخی بنا پر مرتب نہیں کی گئی بلکہ تواریخی واقعات کو یہودی قالب میں ڈھال کر مرتب کیا گیاہے۔

پروفیسر بیکن بھی لکھتاہے [2] "یہودی تصنیفات کی یہ ایک خصوصیت ہے کہ وہ اعداد کے لحاظ سے ان کو تقسیم کرتے ہیں بالخصوص خطبات کو وہ پانچ حصوں میں تقسیم کرتے تھے اور ان حصوں کے شروع اور آخر میں خاص مقرری الفاظ کا استعمال یہودی روایات کا حصہ ہے۔۔۔۔ اسی لحاظ سے انجیل متی کے بھی پانچ حصے ہیں۔ تمہید ابواب ۱۔ ۲۔ کے بعد پہلا حصہ شروع ہوتا ہے (باب ۳تا۷)۔ دوسرا حصہ ابواب ۸تا۱۰ پر مشتمل ہے۔ پانچواں حصہ ۱۹تا

[1] Sir.J.C Hawkins, Hore Synoptics p.131

[2] Prof.B.W. Bacon, "Five Books of Matthew against Jews, Expositor, January 1918 pp.56-66

۲۵ابواب پر شامل ہے۔اور باب ۲۶تا۲۸ تمتہ (اختتام) ہیں۔اس انجیل کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ سیدنا مسیح کی یہ پانچ کتابیں تورات شریف کی پانچ کتابوں کی تکمیل ہیں"۔اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ دوازدہ رسول آنخداوند کے کلماتِ طیبات کے تورات کے الفاظ کی طرح الہٰامی گردانتے تھے(یوحنا۱۸: ۳۲؛مرقس ۱۰: ۳۲۔۳۵؛متی ۱۲: ۸،۴۱،۴۲؛یوحنا۱۳: ۱۸؛۱۸: ۹وغیرہ)۔

(۲)

اس انجیل کی تمام فضا یہودی ہے۔چنانچہ ایک یہودی عالم کوہلر(Kohlar) کہتا ہے[1]۔کہ

"متی کی انجیل اہل یہود کی طرز زندگی اور یہودی خیالات کے قریب ترین ہے۔وہ یہودی مسیحیوں کے لئے لکھی گئی تھی اور اس میں ارامی اصطلاحات کا بکثرت استعمال کیا گیا ہے"۔

اس انجیل میں قدیم یہودی محاورات کثرت سے استعمال کئے گئے ہیں۔مثال کے طور پر(ا۔)"آسمانوں کی بادشاہت ۳۲دفعہ۔(۲۔)ابنِ داؤد(متی۹: ۲۷؛۲۱: ۹)وغیرہ۔یہ خطاب یہودی ربی صرف مسیح موعود کے لئے ہی استعمال کرتے تھے۔(۳۔)مقدس شہر بزرگ بادشاہ کا شہر(متی ۴: ۵؛۲۷: ۵۳؛۵: ۳۵)۔(۴۔)اسرائیل کا خدا(متی ۱۵: ۳۱)۔(۵۔)خطاب" باپ جو آسمانوں پر ہے" خدا کے لئے ۱۳دفعہ وارد ہوا ہے۔یہ محاورہ "آسمانوں پر ہے"کسی اور انجیل میں نہیں پایا جاتا(۶۔)"تمہارا آسمانی باپ"۶دفعہ آیا ہے۔(۷۔)"کتے اور سور"(متی ۷: ۶)۔(۸۔)لفظ "جُوّا" بمعنی تعلیم ، شریعت کا جُوّا۔بادشاہی کا جُوّا، یہودی محاورہ ہے(متی ۱۱: ۲۹۔۳۰)۔(۹۔)"گوشت اور خون"۔عالم ارواح کے دروازے"، "باندھنا اور کھولنا(متی۱۶: ۱۷۔۱۹)۔(۱۰۔)"باہر اندھیرے ہیں"(متی۸: ۱۱؛۲۲: ۱۳؛۲۵: ۳۰)۔(۱۱۔)(متی ۲۶: ۲۹)کے تمام الفاظ"میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کا یہ شیرہ پھر کبھی نہ پیوں گا اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہی میں نیا نہ پیوں"۔سب کے سب یہودی محاورات ہیں۔یہ چند مثالیں بطور مشتے نمونہ از خروارے(بڑے ڈھیر میں سے مٹھی بھر) پیش کی گئی ہیں۔

اس انجیل کے لکھنے کا مقصد یہ ہی تھا کہ آنخداوند کی مسیحائی عظمت وشان کا سکہ یہودی مسیحیوں پر بیٹھ جائے۔اور یہ مقصد پہلی آیت ہی سے ظاہر ہے"یسوع مسیح ابنِ داؤد،ابنِ ابراہام"۔

مصنف مسیح موعود کے دعاوی(دعویٰ) کے ثبوت میں یہ پیش کرتا ہے(ا۔)اس کا نسب نامہ اور پیدائش کے وقت آسمانی مکاشفہ (باب اتا ۴)۔(۲۔)اس نے اپنے سہ گونہ منصب(نبی، کاہن اور بادشاہ) سے مسیحائی کو ثابت کردیا(متی ۵: ۱۶)۔(۳۔)اس نے اپنی بادشاہی کے اصل مطالب کو اور اس کے مستقبل کو ظاہر کردیا(متی باب ۱۶تا۲۰)۔(۴۔)اس کی قربانی عجز اور حلیمی (باب ۲۱تا۲۴)۔(۵۔)اس نے یہودی قوم کی تباہی کا فتویٰ دیا اور موجودہ دور پر بھی فتویٰ صادر کیا(متی باب ۲۴تا۲۵)۔(۶۔)اس نے اپنی جان کو قربان کردیا(متی باب ۲۶تا۲۷)۔(۷۔)اس کی ظفریاب قیامت نے اور کبریا کے دہنے بیٹھ کر اختیار جتلانے نے بھی مسیحائی کے دعویٰ کو ثابت کردیا(متی باب ۲۸)۔اس انجیل کا یہودی رنگ ڈھنگ اور روپ اس کی ایک ایک سطر سے ظاہر ہے۔ارضِ مقدس کنعان"اسرائیل کا ملک" ہے(متی ۲: ۲۱)۔جس کے باشندے قوم"اسرائیل"ہیں(متی ۸: ۱۰)۔وہ "اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑیں"ہیں(متی ۱۰: ۶)۔اس ملک کے قصبے اسرائیل کے شہر"ہیں(متی ۱۰: ۲۳)۔اور اس ملک کا خدا"اسرائیل

[1] Quoted in St. Matthew (Century Bible) p.43

کاخدا" ہے(متی ۱۵: ۳۱)۔یروشلیم "مقدس شہر" ہے۔انجیل کی ہر سطر سے ظاہر ہے کہ مصنف کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہودی مسیحیوں کے لئے ایک انجیل تالیف کرے تاکہ "جن باتوں کی انہوں نے تعلیم پائی ہے۔ان کی پختگی اُن کو معلوم ہو جائے"۔

ہم گذشتہ فصل میں بتلا چکے ہیں کہ مقدس متی نے **رسالہ اثبات** سے بارہ مقامات میں پیشینگوئیاں نقل کی ہیں تاکہ یہودی مسیحیوں پر واضح ہو جائے کہ مسیح موعود کے واقعاتِ زندگی کی نبوتیں انبیائے سابقین کی کتابوں میں موجود ہیں۔اس طرز استدلال (دلیل کے طریقے) سے ثابت کیا گیا ہے کہ یسوع ناصری عہدِ عتیق کا مسیح موعود ہے جو داؤد اور ابراہام کی نسل سے پیدا ہوا، کیونکہ وہ "یہودیوں کا بادشاہ" تھا(متی ۲: ۲)۔وہ یروشلیم میں شاہانہ طور پر وارد ہوا(متی ۲۱: ۴۔۵)۔اس کی موت خدا کے عین منشا کے مطابق ہوئی (متی ۱۶: ۱۱، ۲۳)۔جس کی انبیائے سابقین نے خبر دی تھی(متی ۲۶: ۲۴، ۵۴)اور یہ موت گناہوں کی معافی کے لئے تھی(متی ۲۶: ۲۸)۔چونکہ اس کی پیدائش کنواری کے بطن سے ہوئی لہذا وہ خدا کا بیٹا تھا(متی ۳: ۱۷)۔ مسیح موعود خدا کا محبوب تھا(متی ۳: ۱۷)۔وہ ابنِ آدم تھا جو دانی ایل نبی کے قول کے مطابق آسمان کے بادلوں پر آئے گا۔

پس جیسا کل پیٹرک(Kilpatrick) کہتا ہے[1]۔

"جس ماحول میں یہ انجیل لکھی گئی وہ خصوصیت کے ساتھ یہودی مسیحیوں کی جماعت ہے اور یہ مسیحی جماعت اس بات پر تلی ہوئی ہے کہ وہ اپنی کلیسیائی زندگی یہودیت سے الگ بسر کرے۔اس مسیحی جماعت کا سابقہ ایسی کٹر یہودیت کے ساتھ پڑا تھا جس میں ربیوں کی تعلیم جاری تھی"۔

مقدس متی اس انجیل میں اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ انجیل کا پیغام پہلے پہل اہل یہود کے لئے تھا۔سیدنا مسیح نے اپنا کام اہلِ یہود تک محدود رکھا(متی ۱۵: ۲۴)۔جب آپ نے شاگردوں کو بشارت کے لئے بھیجا تو ان کو بھی یہی حکم دیا(متی ۱۰: ۵۔۶)۔

اس انجیل میں خاص طور پر بتلایا گیا ہے کہ سیدنا مسیح شرع کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے کے لئے آئے ہیں(متی ۵: ۱۷)۔یہ امر قابل ذکر ہے کہ (متی ۵: ۲۱۔۴۸)۔میں شرع کی اس تاویل کا ذکر ہے جو آنخداوند کے ہم عصر فقیہ کیا کرتے تھے اور سیدنا مسیح کے حملے موسوی شرع پر نہیں کئے گئے بلکہ فقہا(فقیہ کی جمع، شرع کا عالم) کی تاویل پر ہیں "جو بھاری بوجھ تھی(متی ۲۳: ۴، ۲۳)۔غرض انجیل کے واقعات یہودی قوم اور یہودی شریعت کے محور کے گرد گھومتے ہیں۔پرانا عہد تجدید پاکر "نیا عہد" بن جاتا ہے۔شریعت کی ممنوعات انجیل کے اصول کے ماتحت قائم اور برقرار رہتی ہیں اور مسیح موعود کے وسیلے تمام قومیں برکت پاتی ہیں۔کیونکہ مسیح موعود "ابن ابراہیم" ہے(متی ۱: ۱)۔پرانے عہد نامہ کی نبوت تعلیم میں اور کہانت صلیب کے کفارہ میں پوری ہو جاتی ہے[2]۔

---

[1] Rev.G.W. Kilpatrik, The Origin of the Gospel of St. Matthew (Oxford University Press).

[2] Helps to the Study of the Bible (2nd ed.1931) pp.141-42

فصل سوم

مقدس متی کی انجیل کی قدامت اور پایہ اعتبار

گذشتہ دو فصلوں میں ہم نے انجیلِ اوّل کے ماخذ اور خصوصیات پر بحث کی ہے جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ گو یہ انجیل کلیسیا کے ابتدائی ایام میں نہیں لکھی گئی تھی جس طرح مقدس مرقس کی انجیل لکھی گئی تھی۔ تاہم اس کا تعلق کلیسیا کی زندگی کے پہلے بیس تیس سال کے ساتھ ہے۔ اس انجیل کے ماخذ ثابت کرتے ہیں کہ یہ انجیل اس زمانہ میں لکھی گئی تھی جب کلیسیا ارضِ مقدس کے مختلف مقامات میں سیدنا مسیح کی تعلیم کے لئے رسالہ کلمات اور صلیبی واقعہ کے لئے انجیل دوم، اور سیدنا مسیح کی مسیحائی ثابت کرنے کے لئے **رسالہِ اثبات** استعمال کرتی تھی اور ان رسالوں کے علاوہ مختلف مقامات کی کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے رسالے، پارے اور دو ورقہ یا چار ورقہ رسالے یا دستی ورق تھے۔ جو ان لوگوں نے جا بجا لکھے تھے "جو خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے"۔ یہ انجیل اس زمانہ میں لکھی گئی جب ابھی وہ لوگ زندہ تھے جو چشم دید گواہ تھے اور فخر یہ کہتے تھے "ہم نے اس زندگی کے کلام کو سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ غور سے دیکھا اور اپنے ہاتھوں سے چھوا"۔ کیونکہ یہ انجیل اس زمانہ میں تالیف کی گئی جب آنخداوند کے سامعین کی نسل ابھی زندہ تھی (متی ۱۶: ۲۸)۔ اور وہ "پشت تمام نہ ہوئی" تھی (متی ۲۴: ۳۴)۔ جس نے سیدنا مسیح کے کلمات کو سنا اور معجزات کو دیکھا تھا۔

یہ کلیسیا کے پہلے تیس سالوں کا نقشہ تھا۔ پس مقدس متی نے اپنی انجیل کو تصنیف کیا تا کہ کلیسیا کو چھوٹے چھوٹے اور دو ورقہ یا چار ورقہ رسالے جو مختلف مقامات میں مروج تھے، استعمال کرنے نہ پڑیں۔ پس آپ نے ایک جامع انجیل تالیف کرنے کا تہیہ کیا جس میں آپ نے اپنے رسالہ کلمات اور دیگر اوراق کو نقل کیا اور انجیل دوم کو بھی نقل کر کے کلیسیا کے ہاتھوں میں ایک ایسی انجیل دے دی جس میں آپ نے سیدنا مسیح کی زندگی کے واقعات، طفولیت سے لے کر آپ کے صعودِ آسمانی تک انجیل دوم کے ڈھانچہ کے مطابق ترتیب سے جمع کئے اور آنخداوند کی تعلیم کو بھی اپنی خاص ترتیب کے مطابق جیسا ہم بتلا چکے ہیں مرتب کیا۔ جب یہ انجیل لکھی گئی اور مختلف کلیسیاؤں میں نقل ہو کر مروج ہو گئی تو کلیسیا کو اُن چھوٹے چھوٹے رسالوں اور پاروں اور اوراق کی ضرورت نہ رہی جو اس انجیل میں نقل کئے گئے تھے۔ تاریخِ کلیسیا اس بات کی گواہ ہے کہ جونہی یہ انجیل لکھی گئی وہ مقبول عام ہو گئی۔

مقدس متی کے تمام ماخذ جو اس نے اپنی انجیل میں نقل کئے قدیم ترین ماخذ تھے۔ **رسالہِ کلمات** حضرت کلمۃ اللہ کے حین حیات میں ہی لکھ دیا گیا تھا۔ **رسالہِ اثبات** کلیسیا کے اوّلین معلموں کی فاضل جماعت نے لکھا تھا۔ مقدس مرقس نے رسولوں کی "منادی" کے مطابق اپنی انجیل کو قدیم ترین ماخذوں سے تالیف کیا تھا اور وہ ہر جگہ مستند تسلیم کی جاتی تھی۔ جو ماخذ مقدس متی نے خود جمع کئے وہ بھی سب کے سب قدیم ترین زمانہ کے تھے۔ پس یہ تمام کے تمام ماخذ پایہ اعتبار کے لحاظ سے اوّل درجہ کی معتبر تحریریں تھیں۔ مسیحی اور غیر مسیحی علماء گذشتہ پونے دو سو سال سے ان امور پر بحث کر رہے ہیں کہ اور اب یہ نتائج ایسے ہی یقینی اور بنیادی شمار ہوتے ہیں جیسے کسی دوسری سائنس مثلاً علمِ کیمیا وغیرہ کے نتائج یقینی اور بنیادی شمار کئے جاتے ہیں [1]۔

1

(۲)

گذشتہ فصل میں ہم بتلا چکے ہیں کہ مقدس متی کی انجیل ابتدا سے لے کر آخر تک یہودی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔اس کے تصورات یہودی، اس کی فضا یہودی،اس کا دائرہ نظر یہودی، اس کے حصوں کی تقسیم یہودی اوراس کا طرز تحریر یہودی غرض یہ کہ اس کا تمام رنگ ڈھنگ یہودیت کے متعلق ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اہلِ یہود کی خاطر مقدس متی نے لکھی تھی تاکہ یہود سیدنا مسیح کے حلقہ بگوش ہوجائیں اوریہودی نومریدوں کا ایمان مستحکم اور مضبوط ہوجائے۔

اس مقصد سے بھی ہم کو معلوم ہوجاتاہے کہ یہ انجیل اس وقت لکھی گئی تھی۔ جب "خدا کا کلام پھیلتا گیا اور یروشلیم میں شاگردوں کا شمار بہت ہی بڑھ گیا" تھا اوران ایمان لانے والے مرد اور عورت سیدنا مسیح کی جماعت میں کثرت سے شامل "ہوچکے تھے اور "کاہنوں کی بڑی گروہ اس دین کی تحت میں ہوگئی تھی"۔ خاص یروشلیم میں "یہودیوں میں ہزارہا آدمی ایمان "لاچکے تھے۔ارضِ مقدس کے دیگر مقامات کی کلیسیاؤں میں ہزارہا یہودی شامل تھے اورارضِ مقدس کے باہر بھی کلیسیاؤں کی ایک بڑی اکثریت یہودیوں پر ہی مشتمل تھی۔اعمال کی کتاب اور پولُس رسول کے خطوط سے پتہ چلتاہے کہ یہ یہودی نومرید نہایت جوشیلے، بارسوخ، اور مقتدر (اقتدار رکھنے والے، معزز) لوگ تھے (اعمال ۱۵: ۱، ۵، ۲۴؛ ۱۔کرنتھیوں ۷: ۱۸؛ گلتیوں ۲: ۱۱، ۱۴؛ ۵: ۲ وغیرہ)۔یہ نومرید ایسے زبردست تھے کہ رسولوں کو بھی اُن کے آگے بعض اوقات جھکنا پڑتا تھا (اعمال ۲۱: ۱۷۔۲۶؛ گلتیوں ۲: ۱۲ وغیرہ)۔ یہ یہودی نومرید موسوی شریعت کے سخت پابند تھے۔" وہ سب شریعت کے بارے میں سرگرم "تھے اوراس بات کی برداشت نہیں کرسکتے تھے کہ کوئی "موسیٰ سے پھر جانے کی تعلیم "دے اور "ختنہ نہ کرائے "اور "موسوی رسموں "پر نہ چلے (اعمال ۲۱: ۲۰۔۲۱) بالفاظ انجیل متی ان کا یہ عقیدہ تھا کہ " جب تک آسمان اور زمین نہ ٹل جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا" (متی ۵: ۱۸)۔ وہ کہتے تھے کہ ان کی "راستبازی "فقیہوں اور فریسیوں سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہونی چاہیے (متی ۵: ۲۰)۔ کیونکہ ان کی راستبازی کی بنیاد عہدِ عتیق کے حقیقی مفہوم کو بہتر طور پر سمجھنے اور جاننے کی وجہ سے زیادہ استوار ہوگی (متی ۵: ۲۱۔۴۸)۔

یہ انجیل اُن یہودی نومریدوں کے خیالات، تصورات اور جذبات کا آئینہ ہے۔اس سے ہم کو اس فاضل اور زبردست گروہ کے حقیقی مقاصد اور مطالب کا پتہ چلتاہے۔اس انجیل کا مصنف انہی خیالات اور تصورات کے رنگ میں ڈوبا نظر آتاہے۔اس کے عقائد وہی ہیں جو اس فاضل جماعت کے تھے۔اس کے خیال میں شریعت کے تمام احکام ودامی ہیں۔ چنانچہ جب یہ انجیل نویس (مرقس ۷: ۱۴۔۲۳) کو نقل کرتاہے توان آیات کے الفاظ نرم کرکے یہ ثابت کرنا چاہتاہے کہ اس مقام کا تعلق خوراک کے حرام حلال ہونے کے سوال سے نہیں ہے بلکہ اس کا یہ خیال ہے کہ یہ قوانین بدستور قائم رہیں گے (متی ۱۵: ۱۔۳۸)۔ علیٰ ہذاالقیاس طلاق کے متعلق جب ہم مرقس (۱۰: ۱۔۱۲) کا مقابلہ (متی ۱۹: ۱۔۹) سے کرتے ہیں تو معلوم ہوجاتاہے کہ یہ انجیل نویس کتاب (استثنا ۲۴: ۱۔۲) کی اجازت کا جواز پیش کرتاہے۔استثنا کا دو گواہوں کی موجودگی کا حکم بھی اس انجیل میں درج ہے (متی ۱۸: ۱۶ دیکھو؛ ۲۔کرنتھیوں ۱۳: ۱)۔ سبت کا حکم بھی موجود ہے (متی ۲۴: ۲۰) وغیرہ۔ اس انجیل نویس کے دائرہ نظر کی وسعت بھی اتنی ہی ہے جو اُن یہودی نومریدوں کے گروہ کی تھی۔ مسیح موعود کے مناد اس سے پہلے کہ وہ اسرائیل کے شہروں میں پھریں مسیح موعود کی آمد کو دیکھ لیں گے (متی ۱۰: ۲۳)۔ اس کی آمد کے ساتھ ہی "زمانہ کا آخر "ہوگا (متی ۲۴: ۳) اس سے پہلے کہ موجودہ نسل کا خاتمہ ہو (متی ۲۴: ۳۴)۔ سردار کاہن اوراس کے ساتھی "ابن آدم کو آسمان کے بادلوں "پر آتے دیکھیں گے (متی ۲۶: ۶۴)۔ یہ انجیل نویس اسی اُمید میں زندہ تھا کہ وہ مسیح موعود کو اپنی بادشاہی قائم کرتے دیکھے گا۔

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہودیت اور مسیحی کلیسیا میں روزاوّل ہی سے عداوت اور دشمنی موجود تھی اور کہ یہودی مسیحی یہودیت کے ہر ایک تصور کو خیر باد کہہ کر ہی مسیحیت کے حلقہ بگوش ہوتے تھے۔ لیکن یہ بات حقیقت سے دور ہے۔ اعمال کی کتاب کے پہلے بارہ (۱۲) ابواب کا مطالعہ ظاہر کر دیتا ہے کہ پہلے پہل کٹر یہودیوں اور مسیح موعود کے ماننے والوں میں کوئی ایسی مغائرت (اجنبیت، ناموافقت) نہ تھی۔ مسیحی یہودی ہیکل میں عبادت کرتے تھے (اعمال ۲: ۴۶؛ ۳: ۱؛ ۵: ۱۲ وغیرہ)۔ اگرچہ اُن کی الگ عبادت بھی ہوتی تھی (اعمال ۱: ۱۳؛ ۲: ۴۶؛ ۴: ۲۳۔ وغیرہ) لیکن یہ جداگانہ عبادت ہیکل کی عبادت کی جگہ نہیں لیتی تھی۔

مرقس کی ماں مریم کا گھر ان مسیحیوں کا مرکز تھا (اعمال ۱۲: ۱۲)۔ لیکن یہ گھر یروشلیم کی ہیکل کا حریف (دشمن) نہ تھا۔ کلیسیا کے کوئی گرجا گھر نہیں تھے۔ یہودی صرف اس "طریق" کو بدعتی خیال کرتے تھے (اعمال ۲۴: ۵)۔ لیکن مسیحیت کوئی جداگانہ جماعت نہ تھی۔ یہودیوں کے مختلف حلقوں کے لوگ اس کے حلقہ بگوش تھے (اعمال ۲: ۴۷؛ ۵: ۱۳؛ ۲۱: ۲۰)۔ فریسی اور کاہن بھی اس فرقہ میں شامل ہو چکے تھے (اعمال ۱۵: ۵؛ ۶: ۷)۔ ان کا امتیازی عقیدہ یہ تھا کہ مسیح موعود کا ظہور ہو چکا ہے اور وہ یسوع ناصری ہے (مرقس ۸: ۲۹)۔ جس کی مسیحائی پر خدا نے اس کو مردوں میں سے زندہ کر کے مہر لگادی (اعمال ۲: ۳۶؛ ۳: ۱۹ وغیرہ)۔ وہ دُنیا کا انصاف کرنے کے لئے (اعمال ۳: ۲۱؛ ۱۰: ۴۲؛ ۱۷: ۳۱) پھر دوبارہ آئے گا۔ تب دُنیا کا موجودہ دور ختم ہو جائے گا اور مسیحائی دور کا آغاز ہوگا۔

یہ تصورات کلیسیا میں تب تک ہی غالب رہے جب تک اس میں غیر یہود کی اقلیت اور یہود کی اکثریت رہی لیکن یہ حالات چند سال تک ہی رہے۔ مختلف وجوہ (وجہ کی جمع) کے باعث اور غیر یہود مسیحیوں کی روز افزوں تعداد کی وجہ سے ۵۰ء کے بعد حالات روز بروزِ دگرگوں ہوتے گئے۔ ہزارہا غیر یہود منجی عالمین کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ ارضِ مقدس کے اندر اور باہر لاکھوں غیر یہود نومرید کلیسیا میں شامل ہوگئے۔ یروشلیم کی تباہی کے بعد تو کلیسیا کی کایا ہی پلٹ گئی۔ یہودی قوم پراگندہ ہو کر دُنیا کے چاروں کونوں میں تتر بتر ہو گئی اور کلیسیا میں جو رسوخ اس کو ۳۰ء اور ۵۵ء کے درمیان حاصل تھا۔ وہ رفتہ رفتہ جاتا رہا اور ہیکل کی تباہی کے بعد ختم ہو گیا۔

پس یہ انجیل یروشلیم کی تباہی کے بعد کسی صورت میں بھی لکھی نہ گئی کیونکہ اس واقعہ کے بعد اس انجیل کا نکتہ نظر کلیسیا کے لئے کسی مصرف (کام، مطلب) کا نہ رہا تھا۔ انجیل کی اندرونی شہادت سے ثابت ہے کہ یہ اُن حالات میں لکھی گئی تھی جو ۵۰ء کے لگ بھگ کے تھے۔ پس یہ انجیل آنخداوند کی وفات کے بیس (۲۰) برس بعد اُن قدیم ترین ماخذوں سے مرتب کی گئی جن میں سے ایک سیدنا مسیح کی حینِ حیات میں لکھا گیا اور باقی دورِ اوّلین میں چشم دید گواہوں نے لکھے تھے اور اُمور اس کے رفیع (اونچا) پایہ اعتبار پر شاہد ہیں۔

باب سوم

انجیلِ لوقا کی تالیف

فصلِ اوّل

انجیلِ لوقا کے ماخذ

مقدس لوقا اپنی انجیل کے دیباچہ میں صاف لکھتے ہیں کہ آپ نے ماخذوں کا استعمال کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں "چونکہ بہتوں نے اس بات کو ہاتھ میں لیا ہے کہ جن باتوں پر ہمارا ایمان ہے اُن کو بیان کریں۔ جیسا کہ اُنہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے اُن کو ہم تک پہنچایا ہے اس لئے اے عزت مآب تھیوفلس مجھے بھی یہ بھلا معلوم ہوا کہ چونکہ میں ابتدا ہی سے سب باتوں سے ٹھیک ٹھیک واقفیت رکھتا ہوں تاکہ ان کو آپ کے لئے ترتیب وار لکھوں کہ آپ کو یہ علم ہو جائے کہ جن باتوں کی آپ نے تعلیم پائی ہے وہ یقینی ہیں" (لوقا ۱: ۱۔ ۴)۔

(۱۔) آیت ۳ میں یونانی لفظ "پیراکولوتھیو" کا ترجمہ ہم نے واقفیت کیا ہے۔ پروفیسر کیڈبری کہتے ہیں[1] کہ اس لفظ کے معنی ہیں "کسی کے پہلو بہ پہلو چلنا" گو یہاں لفظ معنی میں نہیں بلکہ مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے لیکن اس مقام میں اس لفظ کے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ مقدس لوقا واقعات کی جائے وقوع پر خود حاضر تھے اور ان واقعات میں حصہ لینے والے تھے۔ اگر پروفیسر مذکورہ کے یہ معنی درست ہیں تو اس انجیل کا مصنف یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خود ان واقعات کا کم از کم ان میں سے بعض واقعات کا چشم دید گواہ ہے۔ جس طرح وہ اعمال کی کتاب کے ان واقعات کا چشم دید گواہ ہے جن کے ذکر میں لفظ "ہم" آتا ہے (اعمال ۱۶: ۱۔ ۱۷؛ ۲۰: ۶ تا ۲۸: ۱۶)۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مقدس لوقا پہلی صدی کے شروع میں پیدا ہوا اور آنخداوند کا ہم عصر تھا۔ پروفیسر موصوف کہتے ہیں کہ اس لفظ کا یہ مطلب ہے کہ مقدس لوقا نے اپنی انجیل کو ابتدائی زمانہ میں تالیف کیا تھا اور اس کے بہت سے واقعات کا وہ چشم دید گواہ تھا۔ پس وہ انجیل لکھنے سے پہلے ان واقعات سے نہ صرف بخوبی واقف تھا بلکہ ان سے بلاتوسط (کسی وسیلہ کے بغیر) براہِ راست واقف تھا۔

مقدس پولُس کے الفاظ (کلسیوں ۴: ۱۴) سے پتہ چلتا ہے کہ مقدس لوقا غیر یہود تھے۔ کیونکہ آیت ۱۱ میں مقدس پولُس ان لوگوں کے نام اکٹھے لکھتا ہے جو "مختونوں" میں سے آپ کے ساتھ تھے۔ وہ آپ کا "پیارا طبیب" تھا۔ وہ نہ صرف آپ کے سفروں میں آپ کا ساتھی تھا (کتاب اعمال ۱۶: ۱۰۔ ۱۸؛ ۲۰: ۵۔ ۲۱: ۱۷؛ ۲۷: ۱۔ ۱۸: ۱۶)۔ بلکہ اس نے آخری ایام تک آپ کا ساتھ دیا (اعمال ۲۸: ۳۱)۔

---

[1] Prof.H.J. Cadbury, The Knowledge Claimed in Luke's Preface in Expositor December 1922, See also his commentary on Luke's Preface part 1. Vol11 of Beginnings of Christianity.

مورخ یوسیئبس اور مقدس جیروم ہم کو بتلاتے ہیں کہ مقدس لوقا انطاکیہ کا باشندہ تھا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ (اعمال ۱۱: ۲۸) میں لفظ "ہم" بھی آیا ہے ڈاکٹر کیڈبری کا مندرجہ بالا نظریہ درست ہے تو مقدس لوقا آنخداوند کے بعض سوانح حیات کا چشم دید گواہ بھی تھا۔ بہر حال اس کو انجیل کے جمع کرنے کے بیشمار موقعے حاصل تھے۔

(۲۔) مقدس لوقا نے جیسا ہم حصہ اول کے باب پنجم میں ذکر کر چکے ہیں اپنی انجیل میں رسالہ کلمات کو نقل کیا ہے۔ انجیل اول کے مصنف نے اس رسالہ کے اقوال کو مختلف عنوانات کے ماتحت ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ لیکن مقدس لوقا ایسا نہیں کرتے بلکہ وہ مقدس مرقس کی انجیل کے خاکہ اور ڈھانچہ کے مطابق واقعات کو ترتیب دے کر "رسالہِ کلمات" کے اقوال کو ان کی "شان نزول" یعنی موقعہ اور محل کے مطابق مرتب کرتے ہیں۔ رسالہ کلمات کے جو اقوال مقدس مرقس نے جمع کئے ہیں اُن کو نقل کرتے وقت مقدس لوقا رسالہ کلمات کے الفاظ کو قدرتی طور پر ترجیح دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کا خیال ہے کہ مقدس لوقا کی انجیل میں آنخداوند کے اقوال کی اصل ترتیب موجود ہے۔ چنانچہ مرحوم کینن سٹریٹر کا یہی نظریہ ہے۔

(۳۔) مقدس لوقا نے مقدس مرقس کی انجیل کا بھی استعمال کیا ہے۔ آپ مقدس مرقس سے بخوبی واقف بھی تھے (اعمال ۱۲: ۲۵؛ ۱۳: ۱۳؛ ۱۵: ۳۷؛ کلسیوں ۴: ۱۰، ۱۴؛ فلیمون ۲۴؛ ۲۔ تیمتھیس ۴: ۱۱)۔ اس ذاتی واقفیت کی وجہ سے ایک وہ آپ کے معتبر گواہ ہونے سے بھی واقف تھے۔ پس آپ نے اس کی انجیل کو بطور ایک ماخذ استعمال کیا۔ انجیل سوم میں کل آیات کی تعداد (۱۱۴۹) ہے۔ ان میں مقدس مرقس کی انجیل کی (۶۶۱) آیات میں سے (۴۵۵) آیات موجود ہیں۔ مقدس لوقا نے نہ صرف مقدس مرقس کی آیات کو ہی نقل کیا ہے بلکہ "جیسا ہم بتلا چکے ہیں، اس نے انجیل دوم کے خاکہ اور ڈھانچہ کی ترتیب کو بھی برا قرار رکھا ہے۔

(۴۔) اس انجیل کے بعض مقامات میں نسوانی (عورتوں کے متعلق) انداز پایا جاتا ہے اور بعض مقامات میں مضامین ایسے ہیں جو صنفِ نازک (عورت) کے لئے ہی دلچسپی کا موجب ہوتے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان مقامات کو مقدس لوقا نے اُن عورتوں سے حاصل کیا تھا جن سے وہ واقف تھا۔ مثلاً فلپس مبشر کی بیٹیاں "جو نبوت کرتی تھیں" (اعمال ۲۱: ۹) اور "بعض عورتیں جنہوں نے بُری بدروحوں اور بیماریوں سے شفا پائی تھی اور بہتیری اور عورتیں جو اپنے مال سے خدمت کرتی تھیں (لوقا ۸: ۲تا ۳) ان میں سے "یوآنہ ہیرودیس کے دیوان خوزہ کی بیوی" سے مقدس لوقا نے (لوقا ۲۳: ۶۔ ۱۲) حاصل کیا کیونکہ یہ واقعہ صرف وہی بیان کرتا ہے۔ اسی خاتون سے اس نے (لوقا ۱۳: ۳۱۔ ۳۳) حاصل کیا تھا۔

مقدس یوحنا بپتسمہ دینے والے کی پیدائش اور حضرت کلمۃ اللہ کی پیدائش کے بیانات کا سطحی مطالعہ بھی غبی سے غبی شخص پر ظاہر کر دیتا ہے کہ یہ بیانات کسی عورت کے ہی بتلائے ہوئے ہیں۔ اور یہ یا تو مقدسہ مریم خود تھیں یا اُن کی کوئی رازدار سہیلی تھی۔ الیشع اور حناہ (لوقا ۱: ۵؛ ۲: ۳۶) انجیل سوم کے زمانہ میں اس دار فانی سے کوچ کر گئی تھیں لیکن مقدس لوقا بہتیری دیگر عورتوں کے نام بتلاتا ہے جو ابتدائی زمانہ میں کلیسیا میں مشہور تھیں، مثلاً مقدس مرقس کی ماں مریم تابیتھا یا ڈارکس، بیت عنیاہ کی مارتھا اور مریم، پرسکلہ، لدیا وغیرہ جو ان نسوانی مضامین سے واقف تھیں۔

(۵۔) مذکورہ بالا ماخذوں کے علاوہ مقدس لوقا نے مختلف تحریری پاروں اور رسالوں سے فائدہ اٹھایا جو اُن سے پہلے "بہتوں نے" لکھے تھے۔ لفظ "بہتوں" سے یہ ثابت ہے کہ یہ پارے اور رسالے تعداد میں دو یا تین نہیں تھے کیونکہ دو تین یا چار رسالوں پر لفظ "بہتوں" کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ پس یہ رسالے تعداد میں بہت تھے۔ گو یہ کوئی مستقل کتب خانہ نہیں تھا۔

اس دیباچہ میں لفظ "شروع" کا مطلب اس مصنف کی دوسری تصنیف یعنی کتابِ اعمال سے معلوم ہو جاتا ہے یعنی "یوحنا بپتسمہ سے لے کر سیدنا مسیح کے ہمارے پاس سے اٹھائے جانے تک" (اعمال ۱: ۲۲) اس عرصہ کے واقعات کے ماخذوں سے کام لیا گیا ہے۔ مرقس کی انجیل بھی اس تاویل کی مصدق ہے کیونکہ اس کا بیان "یوحنا کے بپتسمہ" سے شروع ہوتا ہے اور رسول اسی واسطے مقرر ہوئے تھے، تاکہ وہ ان چشم دید باتوں کے گواہ ہوں (اعمال ۱: ۸؛ ۲: ۳۲؛ ۳: ۱۵؛ ۴: ۲۰؛ ۵: ۲۲ وغیرہ)۔ پس ان چشم دید باتوں میں سے مقدس لوقا نے حسب ذیل واقعات نقل کئے [1]:

یہ واقعات صرف انجیلِ لوقا میں پائے جاتے ہیں:

(۱۔) (لوقا ۱: ۵۔ ۲۵) مقدس یوحنا بپتسمہ دینے والے کی ولادت کا بیان۔

(۲۔) (لوقا ۱: ۲۶۔ ۳۸) فرشتے کا مقدسہ مریم کو بشارت دینا۔

(۳۔) (لوقا ۱: ۳۹۔ ۵۶) مقدسہ مریم اور بی بی الیشبع کی ملاقات۔

(۴۔) (لوقا ۱: ۵۷۔ ۸۰) مقدس یوحنا بپتسمہ دینے والے کی پیدائش۔

(۵۔) (لوقا ۲: ۱۔ ۲۰) سیدنا مسیح کی پیدائش۔

(۶۔) (لوقا ۲: ۲۲۔ ۳۹) مقدسہ مریم کی طہارت اور ہیکل میں سیدنا مسیح کو لے جانا۔

(۷۔) (لوقا ۲: ۴۰) جنابِ مسیح کا قدو قامت میں بڑھنا۔

(۸۔) (لوقا ۲: ۴۱۔ ۵۲) جنابِ مسیح کی ہیکل میں یہودی ربیوں سے ملاقات۔

(۹۔) (لوقا ۳: ۲۳۔ ۳۸) سیدنا مسیح کا نسب نامہ۔

(۱۰۔) (لوقا ۷: ۱۱۔ ۱۷) نائین کی بیوہ کے بیٹے کو زندہ کرنا۔

(۱۱۔) (لوقا ۷: ۳۶۔ ۵۰) سیدنا مسیح اور وہ عورت جس نے زیادہ محبت کی۔

(۱۲۔) (لوقا ۸: ۱۔ ۳) ان عورتوں کے نام جو سیدنا مسیح کی خدمت کرتی تھیں۔

(۱۳۔) (لوقا ۹: ۵۱۔ ۵۶) بے فیض سامری۔

(۱۴۔) (لوقا ۹: ۶۰ (ب)۔ ۶۲) شاگردی کی شرط

(۱۵۔) (لوقا ۱۰: ۱۔ ۲۰) ستر (۷۰) شاگردوں کا تبلیغی سفر۔

(۱۶۔) (لوقا ۱۰: ۳۸۔ ۴۲) مارتھا اور مریم

(۱۷۔) (لوقا ۱۳: ۱۔ ۵) پلاطوس کا گلیلیوں کو قتل کروانا۔

(۱۸۔) (۱۳: ۱۰۔ ۱۷) کبڑی عورت کا شفا پانا۔

(۱۹۔) (۱۳: ۳۱۔ ۳۳) سیدنا مسیح اور ہیرودیس اینتپاس۔

(۲۰۔) (لوقا ۱۴: ۱۔ ۶) جلندر کے مریض کا شفا پانا۔

[1] The Mission & Message of Jesus pp.259-295

(۲۱۔)(لوقا۱۷: ۱۱۔۱۹)سامری کوڑھی کا بیان۔

(۲۲۔)(لوقا۱۹: ۱۔۱۰)زکائی کا بیان۔

(۲۳۔)(لوقا۱۹: ۱۱)فوری آمدِ ثانی کے خلاف آگاہی۔

(۲۴۔)(۱۹: ۴۱۔۴۴)سیدنا مسیح کا یروشلیم پر رونا۔

(۲۵۔)(لوقا۲۲: ۳۱۔۳۸)پطرس اور شیطان اور دو تلواروں کا بیان۔

(۲۶۔)(لوقا۲۲: ۴۳۔۴۴)سیدنا مسیح کا خون کی مانند پسینہ۔

(۲۷۔)(لوقا۲۲: ۴۹۔۵۱)سیدنا مسیح کا دشمن کے کان کو شفا بخشنا۔

(۲۸۔)(لوقا۲۳: ۴۔۱۶)سیدنا مسیح کا ہیرودیس کے سامنے لایا جانا۔

(۲۹۔)(لوقا۲۳: ۲۷۔۳۱)یروشلیم کی بیٹیاں۔

(۳۰۔)(لوقا۲۳: ۳۴۔۴۶)صلیب پر تین کلماتِ طیبات۔

(۳۱۔)(لوقا۲۳: ۴۵)سورج گرہن۔

(۳۲۔)(لوقا۲۳: ۴۸)صلیب کے چشم دید گواہوں کا چھاتی پیٹنا۔

(۳۳۔)(لوقا۲۳: ۵۶)عورتوں کا مبارک جمعہ کے روز خوشبودار چیزیں تیار کرنا۔

(۳۴۔)(لوقا۲۴: ۱۲)مقدس پطرس کا قبر پر جانا۔

(۳۵۔)(لوقا۲۴: ۱۳۔۳۵)سیدنا مسیح کا اماؤس کی راہ پر دکھائی دینا۔

(۳۶۔)(لوقا۲۴: ۳۶۔۴۹)یروشلیم میں سیدنا مسیح کا شاگردوں کو دکھائی دینا۔

(۳۷۔)(لوقا۲۴: ۵۰۔۵۳)سیدنا مسیح کا آسمان کو صعود فرمانا۔

(۶۔) مذکورہ بالا واقعات کے علاوہ مقدس لوقا کی انجیل میں حضرت کلمۃ اللہ کی مفصلہ ذیل تعلیم درج ہے جو دیگر اناجیل میں موجود نہیں۔ مصنف نے یہ کلمات بھی ان تحریری پاروں سے اخذ کئے جو مختلف مقامات کی کلیسیاؤں میں مروج تھے [1]:

(۱۔)(لوقا۳: ۱۰۔۱۴)مقدس یوحنا بپتسمہ دینے والے کی تعلیم۔

(۲۔)(لوقا۵: ۳۹)پرانی مے اور نئی مے۔

(۳۔)(لوقا۹: ۵۱۔۵۶)سامریوں کی بے مروتی۔

(۴۔)(لوقا۱۰: ۱، ۴۔۷)رسولوں کو تبلیغی ہدایات۔

(۵۔)(لوقا۱۰: ۱۷۔۲۰)رسولوں کی تبلیغی دورہ سے واپسی۔

(۶۔)(۱۰: ۲۵۔۲۸)زندگی کا راستہ۔

---

[1] Ibid pp.545-638

(۷۔)(لوقا۱۰: ۲۹۔۳۷)نیک سامری کی تمثیل۔

(۸۔)(لوقا۱۰: ۳۸۔۴۲)مارتھااور مریم

(۹۔)(لوقا۱۱: ۱۔۴)سیدنا مسیح کی دعا

(۱۰۔)(لوقا۱۱: ۵۔۸)اصرار کرنے والے دوست کی تمثیل۔

(۱۱۔)(لوقا۱۱: ۳۳۔۴۱،۵۳۔۱۲: ۱)بیرونی اور اندرونی پاکیزگی۔

(۱۲۔)(لوقا۱۲: ۱۳۔۲۱)لالچ کا خطرہ۔

(۱۳۔)(لوقا۱۳: ۱۔۹)انجیل کی تعمیل کی ضرورت۔

(۱۴۔)(لوقا۱۳: ۱۱۔۱۶)سبت کا ماننا۔

(۱۵۔)(لوقا۱۳: ۳۱۔۳۳)ہیرودیس کی مخاصمت (دشمنی)۔

(۱۶۔)(لوقا۱۴: ۵)سبت کا ماننا۔

(۱۷۔)(لوقا۱۴: ۷۔۱۱)ضیافت کی خوش اطواری۔

(۱۸۔)(لوقا۱۴: ۱۲۔۱۴)مہمان نوازی کا قانون۔

(۱۹۔)(لوقا۱۴: ۲۸۔۳۳)شاگردی کی شرطیں۔

(۲۰۔)(لوقا۱۵: ۱۔۱۰)کھوئی ہوئی بھیڑ، اور گم شدہ سکہ۔

(۲۱۔)(لوقا۱۵: ۱۱۔۳۲)دوبیٹوں کی تمثیل۔

(۲۲۔)(لوقا۱۶: ۱۔۹)ہوشیار مختار کی تمثیل۔

(۲۳۔)(لوقا۱۶: ۱۰۔۱۲)دولت کے متعلق۔

(۲۴۔)(لوقا۱۶: ۱۴۔۱۵)خود بینی اور تکبر کے خلاف۔

(۲۵۔)(لوقا۱۶: ۱۹۔۳۱)دولتمند اور لعزر کی تمثیل۔

(۲۶۔)(۱۷: ۷۔۱۰)خدا کی خدمت۔

(۲۷۔)(لوقا۱۷: ۲۰۔۲۱)بادشاہی کی آمد۔

(۲۸۔)(لوقا۱۸: ۱۔۸)اصرار کرنے والی بیوہ کی تمثیل۔

(۲۹۔)(لوقا۱۸: ۹۔۱۴)محصول لینے والے اور فریسی کی تمثیل۔

(۳۰۔)(لوقا۱۹: ۱۱۔۲۷)اشرفیوں کی تمثیل۔

(۳۱۔)(لوقا۱۹: ۳۷۔۴۰)فریسیوں کا ہجوم کے جوش کو بُرا ماننا۔

(۳۲۔)(لوقا۱۹: ۴۱۔۴۴)یروشلیم پر رونا۔

(۳۳۔)(لوقا۲۰: ۱۸)ایک قول۔

(۳۴۔)(لوقا۲۱: ۵۔۳۶) کی بعض آیات مثلاً (۵۔۱۱(الف)۔۱۶۔۱۷۔۲۱(الف)۲۳(الف)۔۲۶(ب)۔۲۷۔۲۹۔۳۳)مرقس کی انجیل سے لی گئی ہیں۔

باقی مقدس لوقا کے خصوصی ماخذ سے لی گئی ہیں۔

(۳۵۔)(لوقا۲۲: ۲۴۔۳۰)خدا کی بادشاہی میں مراتب۔

(۳۶۔)(لوقا۲۲: ۳۱۔۳۳)مقدس پطرس کو نصیحت۔

(۳۷۔)(لوقا۲۲: ۳۵۔۳۸)تب اور اب کے وقت۔

(۳۸۔)(لوقا۲۳: ۲۷۔۳۱)یروشلیم کا حشر۔

جب ہم مقدس لوقا کی ترتیب پر غائر (گہری) نظر ڈالتے ہیں تو ہم پر واضح ہو جاتا ہے کہ مقدس لوقا نے اپنی انجیل کا ڈھانچہ انجیل مرقس کی ترتیب کے واقعات کے مطابق ڈھالا ہے۔اگرچہ اس کا طریقہ تالیف مقدس متی کے طریقہ سے جُدا ہے۔اُس نے سیدنا مسیح کی آزمائشوں کے بیان اور عشائے ربانی کے مقرر ہونے کے بیان کے درمیانی عرصہ میں دیگر ماخذوں سے تین بڑے حصے اکٹھے کرکے تین مختلف مقامات میں جمع کر دیئے ہیں یعنی(لوقا۶: ۲۰تا۸: ۳۰:۹: ۵۱تا۱۸: ۱۴:۱۹: ۱۔۲۷)آیات باقی ہر جگہ اُس نے مقدس مرقس کی انجیل کے الفاظ کو نقل کیا ہے۔

(۲)

ایسے واقعات اور کلمات جو صرف انجیل سوم میں پائے جاتے ہیں۔پانچ سو(۵۰۰)آیات پر مشتمل ہیں[1]۔جب ہم ان پر غور کرتے ہیں تو ہم پر واضح ہو جاتا ہے کہ ان واقعات اور کلمات کا زاویہ نگاہ اُن واقعات اور کلمات کے زاویہ نگاہ سے بالکل مختلف ہے جو صرف انجیل اوّل میں پائے جاتے ہیں۔دونوں انجیل نویسوں نے اپنے اپنے مقصد کے تحت آنخداوند کے سوانح حیات اور کلماتِ طیبات کے خزانہ سے وہ باتیں جمع کی ہیں جو مختلف کلیسیاؤں میں مروج تھیں۔تاکہ متفرق اوراق اور پاروں کی بجائے وہ باتیں ایک جگہ جمع ہو جائیں۔مقدس لوقا نے یہ ماخذ قیصریہ سے حاصل کئے جہاں وہ ۶۰ء کے قرب مروج تھے۔یہ ماخذ ارامی زبان میں تھے، جن کا یونانی میں ترجمہ کیا گیا[2]۔جب ہم دونوں انجیل نویسوں کے جمع کردہ مسالہ کی طرف نظر کرتے ہیں تو ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ دونوں کا نقطہ نگاہ ایک دوسرے سے الگ ہے۔مقدس متی یہودی مسیحی نو مریدوں کے لئے وہ اقوال وواقعات جمع کرتا ہے جس سے اُن پر واضح ہو جائے کہ یسوع ناصری مسیح موعود ہیں جو ابنِ داؤد اور ابن ابراہام ہیں۔لیکن مقدس لوقا غیر یہودی مسیحی نو مریدوں کے لئے آنخداوند کے وہ اقوال اور واقعات جمع کرتا ہے جس سے یہ واضح ہو جائے کہ آنخداوند یہود اور غیر یہود دونوں قسم کی اقوام کے لئے دنیا میں آئے ہیں اور ان کی رسالت ہمہ گیر ہے۔چنانچہ مقدس متی کا نسب نامہ "یسوع مسیح ابنِ داؤد ابنِ ابراہام" کا ہے(متی ۱: ۱)۔لیکن مقدس لوقا کا نسب نامہ کے مطابق "یسوع آدم کا بیٹا اور وہ خدا کا بیٹا ہے"(لوقا۳: ۳۸)۔سیدنا مسیح نہ صرف "قوم اسرائیل کا جلال" ہے بلکہ وہ "غیر یہود کو روشنی دینے والا نور" بھی ہے(لوقا۲: ۳۲)۔مندرجہ بالا ماخذ مقدس لوقا کی اَن تھک دوڑ دھوپ اور تلاش و تجسس کے زندہ گواہ ہیں۔

---

[1] W. Sanday, The Bearing of Criticism on Gospel History Exp.Times, December 1908.

[2] B.H. Streeter Source of the Gospels, in "An Outline of Christianity, ed by Peake and Parsons.Vol1p309.

(۳)

مقدس لوقا کے دو ماخذ جن سے آپ نے حضرت کلمۃ اللہ کے اقوالِ زرین اکٹھے کئے ایک اور پہلو سے بھی جداگانہ خصوصیت رکھتے ہیں۔ رسالہِ کلمات صرف متفرق کلماتِ طیبات جمع کے گئے تھے اور اس میں واقعات کو بہت کم دخل تھا لیکن مقدس لوقا کے مندرجہ بالا ماخذ ہیں واقعات بھی ہیں۔ تمثیلیں بھی ہیں لیکن متفرق کلمات کو بہت کم دخل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "بہتوں نے اس پر کمر باندھی تھی کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں" ان کو تحریر میں لے آئیں اور یوں مختلف مقامات کی کلیسیاؤں کے معلموں کے ہاتھوں میں مختلف چھوٹے بڑے رسالے اور پارے تھے جن کو مقدس لوقا نے "شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کرکے ترتیب" سے سیدنا مسیح کے سوانحِ حیات، واقعات اور کلمات کو لکھا۔ انجیل نویس کے ان ماخذوں میں تین چوتھائی ایسی باتوں کی ہے جو آنخداوند نے عوام سے کہیں اور کہیں [1]۔

اس انجیل نویس کے ماخذوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ان میں مناظروں کا رنگ دیگر اناجیل کے ماخذوں سے جداگانہ ہے۔ دیگر اناجیل کے ماخذوں میں ملامت کے الفاظ میں درشتی (سختی، بے رحمی، بدخُلقی) پائی جاتی ہے [2]۔ لیکن انجیلِ سوم کے ماخذوں میں ملائمت سے تمثیلوں کے ذریعہ وہی کام لیا گیا ہے۔ مثلاً کھوئی ہوئی بھیڑ کی تمثیل، کھوئے ہوئے درہم کی تمثیل یا مسرف بیٹے کی تمثیل وغیرہ۔ انجیل دوم میں فریسیوں کو اُن کی سوفسطائی (حکماء کا ایک گروہ جن کے اصولوں کی بنیاد وہم پر ہے اور حقائق سے منکر ہیں) اور باطل خیالات وتاویلات کی وجہ سے ملامت کی گئی ہے۔ انجیلِ اوّل کے ماخذوں میں اُن کی ریاکاری کے باعث ملامت کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ لیکن انجیل سوم کے ماخذوں میں اُن کو اُن کے تکبر اور خود بینی کے لئے اور اس رویہ کے باعث ملامت کی گئی ہے جو اُنہوں نے عوام الناس کی طرف اختیار کر رکھا تھا۔ (لوقا ۱۸: ۹۔ ۱۴: ۱۵: ۲۸۔ ۳۲ وغیرہ)۔

(۴)

جب ہم پہلی تینوں انجیلوں کے ان واقعات کا مقابلہ کرتے ہیں جن کا تعلق آنخداوند کی صلیبی موت کے ساتھ ہے تو ہم پر یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ صلیبی واقعات کے مختلف بیانات پاروں کی شکل میں مختلف مقامات کی کلیسیاؤں میں مروج تھے۔ چنانچہ مقدس لوقا کا صلیبی واقعہ کا بیان مرقس کی انجیل سے الگ ہے۔ اگرچہ اُس نے کہیں کہیں اس انجیل سے بھی استفادہ حاصل کیا ہے۔ لیکن بالعموم مرقس کے صلیبی بیان کا بہت سا حصہ چھوڑ کر مقدس لوقا نے اس کی جگہ اپنا خاص ماخذ استعمال کیا ہے۔ اگر ہم انجیل دوم کے مقامات کو مقدس لوقا کے بیان سے الگ کر دیں تو مقدس لوقا کے بیان کا باقی ماندہ حصہ ایک مسلسل اور مربوط (ربط کیا گیا، وابسطہ) شکل اختیار کر لیتا ہے [3]۔ جس سے ثابت ہے کہ یہ بیان الگ تحریری صورت میں مقدس لوقا کے سامنے موجود تھا جب اُس نے انجیل سوم لکھی اور یہ اس کا تحریری صورت میں جدا مستقل ماخذ تھا۔

---

[1] T.W. Manson, The Teaching of Jesus p.41

[2] Ibid.p.42

[3] Vincent Taylor, The Formation of the Gospels Tradtion pp.50-55 See also Prof.A.M. Perry's " The Sources of Luke's Passion Narrative.s

(۵)

مرحوم ڈاکٹر سٹریٹر کا یہ نظریہ ہے کہ مقدس لوقا نے پہلے پہل ایک ایسی انجیل لکھی تھی جس میں سوائے مرقس کی انجیل کے باقی تمام ماخذوں سے کام لیا گیا تھا لیکن بعد وہ جب انجیل مرقس اُس کے ہاتھ آئی تو اس نے اُس کو بھی ماخذ بنا کر اس انجیل کے حصصوں کو جابجا داخل کرکے اپنی انجیل کی دوسری ایڈیشن لکھی جواب ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

لیکن یہ نظریہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس نظریہ سے یہ لازم آتاہے کہ اگر اس انجیل میں وہ تمام مقامات خارج کردیئے جائیں جو انجیل مرقس میں موجود ہیں تو باقی ماندہ مقامات ایک مسلسل بیان کی صورت اختیار کرلیں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان باقی ماندہ مقامات اور حصص میں کوئی تسلسل پایا نہیں جاتا بلکہ وہ پراگندہ اور پریشان اوراق بن جاتے ہیں جن کا زیادہ تر حصہ (لوقا ۹: ۵۲۔ ۱۸ باب) بے جوڑ بیانات خطبات اور کلمات کا مجموعہ ہو جاتاہے۔اس کے برعکس انجیلِ دوم کے حصص ہی ان باقی ماندہ مقامات کو ترتیب دے کر معنی خیز بنادیتے ہیں۔ یہی حصے گویا" شانِ نزول"کا کام دے کر ان مقامات کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں یوحنا بپتسمہ دینے والے کے حالات میں اور صلیبی واقعات کے بیان میں مرقس کی انجیل کا استعمال واضح طورپر ظاہر ہے۔ صلیبی واقعات کے بیان میں نہ صرف اس انجیل کے مقامات موجود ہیں (۲۲: ۷۔ ۱۳، ۵۴۔ ۶۱) بلکہ اس انجیل کے الفاظ بھی اُن مقامات میں موجود ہیں جو مرقس سے اخذ کئے گئے ہیں (لوقا ۲۲: ۱۹، ۲۲، ۴۷، ۵۲، ۷۱؛ ۲۳: ۳)۔ مرقس کے یہ الفاظ صرف اسی حالت میں سمجھ میں آسکتے ہیں اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ مرقس کے ڈھانچہ کی ترتیب کو بحال رکھ کر مقدس لوقا نے اس کے متن کو ایک اور ترتیب دی ہے اور اس میں اضافہ کیا ہے۔ لیکن ڈاکٹر سٹریٹر کے نظریہ کے مطابق یہ ترتیب غیر فطرتی ہو جاتی ہے۔ مرقس کی انجیل مقدس لوقا کے بیان کردہ واقعات کی اصل بنیاد ہے اور جو باتیں اضافہ کی گئی ہیں وہ صرف ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ جس سے ثابت ہے کہ انجیلِ دوم ابتدا ہی سے مقدس لوقا کے بیانات کو تعین کرنے والا ماخذ ہے [1]۔

ڈاکٹر سٹریٹر کے نظریہ کے مطابق جب مقدس لوقا نے اپنی انجیل کی پہلی ایڈیشن لکھی تھی تب انجیلِ دوم بھی احاطہِ تحریر میں نہیں آئی تھی لیکن ہم حصہ دوم کے باب اول کی فصل سوم میں ثابت کر آئے ہیں کہ انجیل مرقس قدیم ترین زمانہ کی تصنیف ہے۔ حق تو یہ ہے کہ جب مقدس لوقا کو انجیل لکھنے کا خیال آیا تب انجیل دوم ارضِ مقدس کے دور دراز مقامات کی کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں موجود تھی اور ان رسالوں میں سے ایک تھی جن کا ذکر انجیلِ سوم کے دیباچہ میں آیا ہے۔ جب مقدس لوقا اپنی انجیل تصنیف کرنے لگے تو آپ نے اس انجیل کو معتبر ترین ماخذ سمجھ کر اپنی انجیل کو اس کے ڈھانچہ اور خاکہ کی بناء پر قائم کرکے دیگر ماخذوں کو اس کے مختلف حصوں میں داخل کرکے ایک نئی اور تازہ تصنیف بنائی۔ پس ڈاکٹر موصوف کے نظریہ کی بنا ہی غلط ہے۔

---

[1] Prof.J.M. Creed, The Gospe according to St. Luke p.LVIII not.

فصل دوم

مقدس لوقا کی انجیل کی خصوصیات

ہم گذشتہ فصل میں بیان کر چکے ہیں کہ مقدس لوقا غیر یہود میں سے مشرف بہ مسیحیت ہوئے تھے۔ لہٰذا قدرتی طور پر آپ نے آنخداوند کے سوانحِ حیات اور کلماتِ طیبات کے خزانہ میں سے ان واقعات اور کلمات کا انتخاب کیا جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ سیدنا مسیح نہ صرف اہلِ یہود کے مسیحِ موعود ہیں بلکہ اقوامِ عالم کے نجات دینے والے ہیں [1]۔ انجیل کا پیغام افرادِ عالم سے تعلق رکھتا ہے سیدنا مسیح کے مبارک احکام سب پر حاوی ہیں۔ آپ کی انجیل ہمہ گیر اور آپ کی نجات عالمگیر ہے جو بلا امتیاز رنگ، ملک، قوم اور نسل کے کل بنی نوع انسان کے لئے برکت کا موجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مقدس لوقا رسالہ **کلمات** میں سے صرف انہی کلمات کو منتخب کرتا ہے جو اس موضوع کے مطابق ہیں اور انجیل اول کے "پہاڑی وعظ" کے وہ کلمات جن کا تعلق خاص قوم اسرائیل اور یہودیت سے ہے اپنی انجیل میں نقل نہیں کرتا (لوقا ۶: ۱۷۔ ۴۹)۔ مقدس متی کی انجیل میں موسوی شریعت کی نئی تاویل (تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا۔۔۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں، مقدس لوقا کی انجیل میں نہیں پائی جاتی۔ علیٰ ہذا القیاس، دعا، روزہ، خیرات کے متعلق وہ احکام نہیں ملتے، جو فریسیوں کے قاعدہ کے مطابق نہیں تھے۔ (مرقس ۱: ۲۳؛ متی ۱۵: ۱۔ ۱۱، ۱۵۔ ۲۰) وغیرہ کے سے مقامات اس انجیل میں نہیں پائے جاتے کیونکہ وہ غیر یہودی نو مریدوں کے لئے کچھ معنی نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح (مرقس ۷: ۲۴؛ متی ۱۵: ۲۱۔ ۲۲، ۲۶۔ ۲۸) اور اسی قسم کے دوسرے مقامات غیر یہودی کلیسیاؤں کے مصرف کے نہ تھے۔ پس وہ اُن کا انتخاب نہیں کرتا لیکن مقدس لوقا نے نیک سامری کی تمثیل، شکر گزار سامری کوڑھی کا واقعہ، سیدنا مسیح کا زبدی کے بیٹوں کو سامری گاؤں کو تباہ کرنے کے خیال کو جھڑکنا اور اسی قسم کے دیگر اقوال اور واقعات منتخب کئے ہیں جو غیر یہود اقوام اور ارضِ مقدس کے باہر کے ممالک کے رہنے والوں کے لئے خاص طور پر سبق آموز تھے۔

(۲)

مقدس لوقا ایک مورخ کی طرح بتلاتا ہے کہ آنخداوند کی زندگی کے فلاں فلاں واقعات فلاں قیصر یا فلاں گورنر یا فلاں صوبہ یا فلاں حاکم کے وقت میں ظہور میں آئے (لوقا ۲: ۱۔ ۲؛ ۳: ۱۔ ۲ وغیرہ)۔ کوئی اور انجیل نویس سیدنا مسیح کے سوانحِ حیات کو اس طور پر دنیا کے تاریخی واقعات سے متعلق نہیں کرتا۔ مقدس لوقا نے اپنی انجیل سلطنتِ روم کے ملکوں اور صوبوں کے مشرکہ غیر یہود بُت پرستوں اور خدا پرست نو مرید یہودیوں کے لئے لکھی تاکہ وہ منجیٔ عالمین پر ایمان لا کر نجات پائیں۔ اور اُن میں سے جو سیدنا مسیح کے حلقہ بگوش ہو گئے ہیں وہ جان لیں کہ "جن باتوں کی تعلیم انہوں نے پائی ہے، ان کی پختگی اُن کو معلوم ہو جائے"۔

(۳)

انجیل اول میں حضرت کلمتہ اللہ کے معلم ہونے کے پہلو پر زور دیا گیا ہے۔ وہ ایک ربی ہیں جنہوں نے موسوی شریعت کی ایک نئی تاویل کی ہے۔ انجیلِ سوم میں مقدس لوقا نے آنخداوند کے منجی ہونے کے پہلو کو واضح کیا ہے۔ پہلی تین انجیلوں میں سے مقدس لوقا ہی صرف اس خطاب کا

---

[1] G.C. Monetfiore, The Synoptics Gospels Vol.1 pLXXXVI.

استعمال کرتا ہے (لوقا ۱:۷۔۴۲:۱۱؛ اعمال ۵:۱۳؛۳۱:۱۳:۲۳)۔ مقدس لوقا خود طبیب تھا للہٰذا اس کو قدرتاً سیدنا مسیح کے سوانح حیات اور تعلیم میں وہ باتیں دلکش معلوم ہوئیں جن میں امراض، دکھ اور گناہ سے نجات کا ذکر موجود تھا اور جن سے انسانی زندگی کو خوشی، آرامِ قلب، اطمینانِ جان، محبت اُمید اور ایمان نصیب ہوتے تھے۔

فصل سوم

انجیلِ لوقا کی قدامت اور پایہ اعتبار

ناظرین کو یاد ہوگا کہ عید س پنتیکوست کے ایام میں "خداپرست "یہود جن کی مادری زبان یونانی تھی جو سلطنتِ روم کے مختلف کونوں سے عید منانے کے لئے یروشلیم آئے ہوئے تھے (اعمال ۲:۱۰)۔ مقدس پطرس اور دیگر رسولوں کی تبلیغی مساعی (کوششیں) کی بدولت منجی عالمین پر ایمان لے آئے تھے۔ بالفاظِ دیگر روزِ اوّل سے ہی "یونانی مائل "یہودی کلیسیا میں داخل ہوگئے اور چند مہینوں کے اندر اندر ارامی بولنے والے یہود اور یونانی مائل یہودی ایمان داروں کی جماعت دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرگئی"۔ "یونانی مائل "یہودی خاص طور پر غیر یہود کو سیدنا مسیح کے حلقہ بگوش کرنے میں سر گرم تھے۔ کٹر یہود کی ایذارسانی کی وجہ سے جب کلیسیا پر بڑا ظلم برپا ہوا تو ایمان داروں کی جماعت "پراگندہ "ہوگئی۔ اور جو "پراگندہ ہوئے تھے وہ کلام کی خوشخبری دیتے پھرے اور فلپس شہر سامریہ میں جاکر لوگوں میں مسیح کی منادی کرنے لگا اور لوگوں نے بالاتفاق اس کی باتوں پر جی لگایا اور سامریوں نے خدا کا کلام قبول کرلیا اور اُنہوں نے روح القدس پایا" (اعمال ۸ باب)۔ یہی فلپس "حبشیوں کی ملکہ کے وزیر اور اس کے سارے خزانہ کے مختار" کو بپتسمہ دینے کے بعد "قیصریہ میں پہنچنے تک سب شہروں میں خوشخبری سناتا گیا"۔ مقدس پطرس ہر جگہ پھرتا ہوا" (اعمال ۹:۳۲) قیصریہ میں جا پہنچا جہاں اس نے غیر یہود "دیندار "کرنیلس کو بپتسمہ دیا اور "غیر قوموں پر بھی روح القدس کی بخشش جاری ہوئی" (لوقا ۱۰:۴۵)۔ اور سب پر عیاں ہوگیا کہ "خدا نے غیر قوموں کو بھی زندگی کے لئے توبہ کی توفیق دی ہے" (اعمال ۱۱:۱۸)۔ جو لوگ پراگندہ ہوئے تھے وہ پھرتے پھرتے فینیکے اور کپرس اور انطاکیہ میں پہنچے اور انطاکیہ میں غیر یہود کو سیدنا مسیح کی خوشخبری کی باتیں سنانے لگے اور بہت سے لوگ ایمان لاکر سیدنا مسیح کی طرف پھرے" (اعمال ۱۱:۱۹۔۲۱)۔ اور غیر یہود بُت پرست اقوام میں "خدا کا کلام ترقی کرتا اور پھیلتا گیا"۔ غیر اقوام کے رسول "مقدس پولُس اور آپ کے ساتھیوں کی تبلیغی مساعی کی وجہ سے غیر یہود "خداپرست نومرید خدا کے فضل پر قائم ہوگئے" (اعمال ۱۴:۴۳)۔ کٹر یہود کی مخالفت کی وجہ سے رسول مقبول نے اپنی تمام توجہ غیر یہود اقوام پر مبذول کردی اور "اس تمام علاقہ میں خدا کا کلام پھیل گیا" (۱۳:۴۷۔۴۸)۔ اس کے بعد جہاں بھی مقدس پولُس گئے ہر جگہ غیر یہود "کی ایک بڑی جماعت ایمان لے آئی" (اعمال ۱۴ باب) اور غیر قوموں کے لئے ایمان کا دروازہ "کھل گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ منجی عالمین کی وفات کے چند سال کے اندر اندر ہزار ہا غیر یہود شرک اور بُت پرستی کو ترک کرکے ایمان داروں کی جماعت میں شامل ہوگئے۔ یہ تعداد روز بروز بڑھتی گئی اور غیر یہود کلیسیائیں منظم ہوکر (اعمال ۱۴:۲۳) قوت پکڑتی گئیں۔

مقدس متی نے اپنی انجیل یہودی نومریدوں کے لئے لکھی تھی جس میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ عیسیٰ ناصری قوم اسرائیل کا مسیح موعود ہے جو انبیائے سابقین اور شاہانِ اسرائیل سے بھی بڑا ہے (متی ۱۲:۴۱۔۴۲ وغیرہ) اور جس کا وجودِ مبارک یروشلیم کی ہیکل سے بھی اعلیٰ اور ارفع ہے (متی ۱۲:۶)۔ یہاں تک کہ وہ سبت کا بھی مالک ہے (متی ۱۲:۸)۔ وہ "ابن آدم" ہے جس کو "زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے" (متی ۹:۶)۔ اور جس نے

موسوی شریعت میں ایک نئی روح پیدا کردی ہے(متی ۵: ۱۷۔ ۴۷)۔ لیکن گو یہ باتیں اہل یہود کے لئے "زندگی اور موت"(استثنا ۳۰: ۱۹؛ یرمیاہ ۲۱: ۸)کا سوال تھیں پر غیر یہود کو یہ باتیں اپیل نہ کرتی تھیں۔ جو باتیں اہلِ یہود کے لئے دلفریب اور جاذبِ توجہ تھیں وہ بُت پرست غیر یہود کے لئے دلکش نہ تھیں کیونکہ دونوں قوموں میں مغائرت(ناموافقت، اجنبیت) تھی(اعمال ۱۰: ۲۸ وغیرہ)۔ پس غیر یہود مسیحیوں کے لئے وہ کام کی باتیں نہ تھیں اور نہ اُن باتوں سے متاثر ہوتے تھے۔

پس مقدس لوقا نے "اس پر کمر باندھی" کہ منجی جہان کے سوانح حیات، واقعات اور کلماتِ طیبات کے ذخیرہ کی تحقیق اور تلاش کرے جو مختلف مقامات کی کلیسیاؤں کے پاس محفوظ تھا اور جس کو اُن لوگوں نے رسالوں، پاروں اور ورقوں کی صورت میں لکھ رکھا تھا"جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے"۔ آپ سخت دوڑ دھوپ کرکے(جیسا ہم فصل اوّل میں بتلا چکے ہیں) مختلف مقامات کے مردوں اور عورتوں کو ملے جنہوں نے "زندگی کے کلام کو خود اپنے کانوں سے سنا تھا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا بلکہ غور سے دیکھا تھا اور اپنے ہاتھوں سے چھوا تھا"(۱۔یوحنا ۱: ۱) آپ مقدس پولُس کے ساتھی تھے اور مقدس پطرس سے بھی ملاقات کرچکے تھے جنہوں نے "خود سیدنا مسیح کی عظمت کو دیکھا تھا"(۲۔پطرس ۱: ۱۶)۔ پس آپ نے "خشکی اور تری کا دورہ" کرکے "سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کیا"۔ تاکہ ان ماخذوں سے غیر یہود ایمان داروں کے لئے سیدنا مسیح کی سوانحِ حیات اور کلماتِ طیبات کا ایک نہایت معتبر اور مستند مجموعہ تیار کریں تاکہ جن باتوں کی غیر یہود نو مریدوں نے تعلیم پائی ہے اُن کی پختگی اُن کو معلوم ہو جائے"۔ پس جو کام مقدس متی نے یہودی نو مریدوں کے لئے سرانجام دیا وہی کام مقدس لوقا نے غیر یہودی نو مریدوں کے لئے پورا کیا تاکہ اُن کے کام آئے۔

اس باب کی فصل اول میں ہم نے ان ماخذوں کا ذکر کیا ہے جن کو مقدس لوقا نے اپنی انجیل کی تالیف میں استعمال کیا ہے۔ یہ ماخذ قدیم ترین تھے۔ ان میں سے دو ماخذوں کو جیسا ہم نے ذکر کیا ہے مقدس متی نے بھی استعمال کیا ہے یعنی **رسالہِ کلمات** اور **مقدس مرقس کی انجیل** جو قدیم ترین اور معتبر ترین ماخذ تھے۔ ان دو ماخذوں کے علاوہ مقدس لوقا نے دیگر قدیم معتبر اور مستند ماخذوں سے کام لے کر ان کو ترتیب دے کر ایک ایسی انجیل تیار کی جس کی سند کا معیار بلند اور پایہ اعتبار اعلیٰ تھا۔ ڈاکٹر سٹریٹر کہتا ہے کہ مقدس لوقا کے خاص ماخذ سند عین بعین مقدس مرقس کی انجیل کی سن کی سی ہے جو اوّل درجہ کی سند ہے[1]۔ انشاء اللہ ہم آگے چل کر ثابت کردیں گے کہ اس انجیل میں سیدنا مسیح کے کلمات اور انجیلی بیانات میں ارامی الفاظ اور محاورات موجود ہیں جس سے اس امر کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ ماخذ احاطہ تحریر میں آچکے تھے[2]۔ پس وہ نہایت معتبر تھے۔ اگر ڈاکٹر کیڈبری کی تاویل صحیح ہے کہ مقدس لوقا آنخداوند کی زندگی کے واقعات اور تعلیم سے خود واقف تھا جس کی بنا پر وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ "میں ابتدا ہی سے سب باتوں سے ٹھیک ٹھیک واقفیت رکھتا ہوں"(لوقا ۱: ۳) تو اس کی انجیل کا پایہ اعتبار اور بھی بلند ہو جاتا ہے۔

(۲)

اعمال کی کتاب سے جیسا ہم اوپر بتلا چکے ہیں یہ پتہ چلتا ہے کہ غیر یہود پہلے دن ہی سے کلیسیا میں شامل ہوگئے تھے(اعمال ۲: ۱۰)۔ اور ان کی تعداد، روز بروز بڑھتی گئی حتیٰ کہ چند سالوں کے اندر اندر غیر یہود میں مسیحیت کا جلال سایہ فگن ہوگیا۔ پہلے انطاکیہ پھر شام اور دیگر مقامات میں مسیحی

---

[1] Streeter, Four Gospels p.222
[2] J.T.S July-October 1943 p.135

کلیسیائیں قائم ہوگئیں، جن کی شرکا کی اکثریت بُت پرست غیر یہود پر مشتمل تھی۔ماحول کے بدل جانے سے کلیسیا کے مسیحی معلموں کے لئے یہ لازم ہوگیا کہ وہ اپنی تعلیم کا طریقہ کار بدل دیں اور "یہودیوں کے لئے یہودی اور غیر مختونوں کے لئے غیر مختون بن جائیں۔رسولوں کی "منادی" کے بنیادی اصول ویسے کے ویسے ہی قائم رہے لیکن قدرتی طور پر غیر یہود کے لئے ان کو پیش کرنے کا طریقہ مختلف ہوگیا۔یہ اصول مسیحی انجیل کے روح رواں تھے۔چونکہ غیر یہود کے لئے زیادہ تفصیلات کی ضرورت تھی لہٰذا پہلے مقدس پولُس جیسے معلموں نے ان کی اس ضرورت کو پورا کیا۔لیکن چونکہ ارض مقدس کے اندر اور باہر سلطنتِ روم کے مختلف صوبوں اور شہروں میں ہزارہا غیر یہود بُت پرست منجی عالمین پر ایمان لارہے تھے۔پس ان روز افزوں ایمان داروں کے لئے ایک انجیل کی ضرورت کا احساس بہت جلد پیدا ہوگیا تاکہ ان کے ایمان کی استقامت ہو اور اس کے ذریعہ دوسروں کو بھی منجی کے قدموں میں لاسکیں۔اس خلااور ضرورت کو پورا کرنے کے لئے مقدس لوقا نے انجیل لکھی۔پس یہ انجیل کلیسیا کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہے۔ان دنوں میں رسالہ کلمات اور انجیل دوم اور چند دیگر رسالے اور پارے لکھے گئے تھے لیکن غیر یہود کلیسیاؤں کے لئے یہ ناکافی تھے۔ان کو ایک ایسی جامع کتاب کی ضرورت تھی جس میں نہ صرف سیدنا مسیح کی پیدائش سے لے کر صعودِ آسمانی تک کے واقعات ہوں بلکہ جس میں آنخداوند کی تعلیم کے وہ حصص جو خاص طور پر غیر یہود کو اپیل کریں درج ہوں۔مقدس لوقا نے اس کام کو پورا کرنے کا بیڑا اٹھایا۔پس مقدس لوقا کی انجیل، مقدس مرقس کی انجیل کے قریباً پندرہ(۱۵)سال بعد احاطہِ تحریر میں آئی۔

(۳)

جب ہم مقدس متی کی انجیل اور مقدس لوقا کی انجیل کا مقابلہ کرتے ہیں تو جیسا ہم کہہ چکے ہیں ہم پر عیاں ہو جاتا ہے کہ دونوں انجیل نویس ایک دوسرے کی تصنیف سے واقف نہ تھے[1]۔پس دونوں ایک دوسرے کی تصنیف کی جانب سے بے نیاز ہیں۔دونوں اپنی اپنی انجیلوں کو مختلف زاویہ نگاہ سے لکھتے ہیں۔مقدس متی کی انجیل میں اُن سوالات کے جواب پائے جاتے ہیں جو کٹر یہودی مسیحی جماعت سے پوچھتے تھے مثلاً تم ایسے شخص کو مسیحِ موعود کیوں کہتے ہو جس کے حالات ہمارے تصوراتِ مسیحائی کے خلاف ہیں۔بعض یہودی مقدس یوحنا بپتسمہ دینے والے کے شاگرد(اعمال۱۹: ۱۔۷۔ ۱۸: ۲۵وغیرہ)جو مسیح موعود کی راہ دیکھتے تھے۔اُن کے سوالات کے جواب بھی اسی انجیل میں ہیں۔لیکن غیر یہود کو ایسے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔وہ مشرک بُت پرس تھے جو گناہوں سے نجات پانے کے طالب تھے۔ان میں سے جو موحد" خداپرست تھے وہ مشرکانہ مذاہب کے توہمات اور تعلیمات سے بیزار تھے۔مقدس پولُس کے خطوط سے بالخصوص جو آپ نے رومیوں، کرنتھیوں، گلتیوں، کلیسیوں کو لکھے ان سوالات کا پتہ چلتا ہے جو غیر یہود کو مسیحیت کی جانب کھینچ لائے۔ہم نے اپنے رسالہ **نورِ الہدیٰ** میں ان کا مفصل ذکر کیا ہے۔لہٰذا ہم ان کا یہاں ذکر نہیں کرتے۔مقدس لوقا نے ان غیر یہود کے سوالات کے جواب اپنی انجیل میں لکھے تاکہ ان کو مسیحی ایمان کے اُصول کی پختگی معلوم ہو جائے۔پس چونکہ دونوں انجیل کا نقطہ نظر الگ الگ ہے۔ان کے مصنفوں نے ایک دوسرے کی تصنیف سے کچھ اخذ نہیں کیا۔حالانکہ دونوں میں مشابہت بھی موجود ہے مثلاً دونوں نے انجیل دوم کا استعمال کیا ہے۔دونوں نے **رسالہِ کلمات** کے خطبات کو اپنا ماخذ بنایا ہے۔دونوں نے اپنی انجیل کے شروع میں پیدائش کے حالات بیان کئے ہیں۔دونوں میں نسب نامے موجود ہیں۔دونوں نے مقدس مرقس کے صلیبی واقعات کے بیان میں اضافہ کیا ہے۔گو دونوں کے اضافوں میں کوئی مشترکہ بات نہیں

[1] Sanday.The Bearing of Criticism upon the Gospels History in Exp.Times, December 1908.

ہے اور دونوں انجیل مرقس اور رسالہِ **کلمات** کو ایک ہی طرح استعمال نہیں کرتے، جس کی وجہ سے اُن کا الگ الگ زاویہ نگاہ ہے۔ لیکن چونکہ دونوں اناجیل ایک دوسرے سے بے نیاز ہیں اس حقیقت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں اناجیل قریب قریب ایک ہی وقت میں لکھی گئی تھیں۔

مقدس مرقس کی انجیل میں ہم آنخداوند کی زندگی کے واقعات کے زمانہ کے قریب ترین ہیں۔اس میں جو واقعات درج ہیں ان کے بیان کی سادگی، شگفتگی اور تازگی اس بات کی شاہد ہیں کہ یہ واقعات باقی دونوں انجیلوں سے کم از کم دس پندرہ سال پہلے لکھے گئے تھے۔ پس مقدس لوقا کی انجیل مرقس کی انجیل سے دس پندرہ سال بعد احاطہِ تحریر میں آئی۔انشاءاللہ ہم آگے چل کر اس موضوع پر مفصل بحث کریں گے۔

(۴)

انجیلِ سوم کی قدامت اور پایہ اعتبار اس امر سے بھی ثابت ہے کہ مقدس پولُس کے خطوط، الٰہیات اور تصورات کا اثر اس انجیل میں کہیں نہیں پایا جاتا حالانکہ مقدس لوقا آپ کے ہم سفر اور ساتھی تھے اور اس نے آپ کا ساتھ آخری دم تک دیا۔ مقدس لوقا ایک ایمان دار اور دیانت دار مورخ کی طرح ان واقعات کو صحیح صحیح بیان کرنے پر ہی کفایت کرتے ہے جو اس کے ماخذوں میں موجود تھے۔ سیدنا مسیح کے صعودِ آسمانی کے بعد جو تصورات کلیسیا کے معلموں نے پیش کئے، ان کا شائبہ بھی اس انجیل میں موجود نہیں ہے۔ علی ہذاالقیاس مقدس لوقا کی انجیل کے پہلے دو باب کا تعلق یہودی ماخذوں سے ہے جس میں بہت سی ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو مقدس لوقا جیسے غیر یہودی مصنف کے خیالات سے بیگانہ ہیں۔ان میں یہودی رسوم اور یہودی شریعت کا ذکر ہے۔ زکریاہ اور الیشبع کا بیان، ہیکل میں باری باری کا مقرر ہونا، آٹھویں روز ختنہ کی رسم کی ادائیگی اور نام رکھا جانا، زچّہ کا شکرانہ اور نذرانہ، شمعون اور حنہ کے گیت وغیرہ وغیرہ تحریری ماخذ تھے جن کو وہ نہایت ایمانداری کے ساتھ نقل کرتا ہے[1]۔

(۵)

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہم نے حصہ اوّل کے باب سوم میں رسولوں کی "منادی" کا خاکہ پیش کیا تھا۔ حصہ دوم کے باب اوّل کی فصلِ دوم میں ثابت کر آئے ہیں کہ مقدس مرقس کی انجیل کے مضامین رسولوں کی "منادی" کے مطابق مرتب کئے گئے ہیں۔ لہٰذا وہ قدیم ترین تصنیف ہے۔ جب ہم مقدس متی اور مقدس لوقا کی انجیلوں کے مضامین پر نظر کرتے ہیں تو ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ مقدس مرقس نے آئندہ انجیل نویسوں کے لئے ایک نمونہ قائم کر دیا ہے جس کے ڈھانچہ کو باقی انجیل نویس اختیار کر لیتے ہیں۔انجیلِ اوّل اور سوم میں رسولوں کی ابتدائی "منادی" کے مختلف حصص میں سے بعض پر نمایاں زور دیا گیا ہے اور بعض حصوں پر زور نہیں دیا گیا۔ یہ حقیقت بھی اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ یہ دونوں اناجیل ابتدائی ایام سے ذرا پرے ہٹ کر اور اُن کے بعد کی تصنیف کی گئی تھیں۔ مثلاً مقدس مرقس کی انجیل میں صلیبی واقعہ تمام انجیل کا پانچواں حصہ ہے، لیکن انجیل اوّل کا ساتواں حصہ اور انجیل سوم کا چھٹواں حصہ ہے۔ اگر ان دونوں انجیلوں کو بہ حیثیت مجموعی دیکھا جائے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان میں "تعلیم" کے حصص غالب ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ دونوں انجیل نویس اُس زمانہ میں لکھ رہے تھے جب ابھی وہ رسولوں کی "منادی" سے براہِ راست اور بلاواسطہ واقف تھے[2]۔ابتدائی منادی کے اصول اور اس کا نفس مضمون ان انجیلوں میں زندہ اور جیتا جاگتا ہے۔اس حقیقت سے ظاہر ہے کہ یہ دونوں اناجیل قدیم ہیں۔ اگرچہ وہ مقدس مرقس کی انجیل کے دس پندرہ سال بعد تصنیف کی گئی تھیں۔

---

[1] Dodd.Apostolic Preaching and Its Development Lecture I.
[2] The Mission and Message of Jesus p.258

(۶)

مقدس لوقا کی انجیل سے یہ ظاہر ہے کہ وہ اس زمانہ میں لکھی گئی تھی جب غیر یہود کے درمیان مقدس لوقا اور اس کے ساتھی انجیل جلیل کی تبلیغ بڑے زور اور شور سے کر رہے تھے۔ صلیب کے یہ شجاع سپاہی اور دلیر علم بردار سلطنتِ روم کے مختلف مقامات میں صلیب کا پرچم لہرا رہے تھے۔ وہ "فتح کرتے ہوئے نکلے اور فتح کرتے گئے" (مکاشفہ ۶: ۲)۔ اعمال کی کتاب کا مطالعہ بھی یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ انجیلِ سوم اس زمانہ میں لکھی گئی جب وہ واقعات رونما ہو رہے تھے جن کا ذکر اعمال کی کتاب میں ہے۔ انجیلِ سوم میں بعض ایسی باتیں موجود ہیں جو اُس کتاب کے واقعات کی روشنی میں ہی بخوبی سمجھ میں آسکتی ہیں [1]۔

(۷)

مقدس لوقا میں خدا کی بادشاہی کے تصور کو نمایاں جگہ حاصل ہے لیکن اس انجیل میں اس سے مراد صرف خدا کی حکومت ہی ہے، جس کی آمد پر موجودہ دور کا خاتمہ ہو جائے گا اور اس کی بجائے خدا کی بادشاہت قائم ہو جائے گی۔ پس یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس اصطلاح سے مقدس لوقا کا وہی مطلب ہے جو انجیلِ مرقس اور رسالہِ کلمات میں موجود ہے (لوقا ۱۱: ۲؛ ۱۳: ۲۸۔ ۲۹؛ ۱۷: ۲۰؛ ۲۲: ۱۶۔ ۱۸؛ ۲۳: ۵۱)۔ لیکن اس بادشاہی کا جلدی ظہور میں آنے کا خیال ایسا نمایاں اور واضح نہیں جیسا انجیل مرقس میں ہے (دیکھو مرقس ۱۴: ۶۲؛ لوقا ۲۲: ۶۹؛ مرقس ۱۳: ۳؛ لوقا ۹: ۲۷)۔ چنانچہ مقدس لوقا میں سیدنا مسیح کی ایک تمثیل درج ہے جس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو یہ "گمان کرتے تھے کہ خدا کی بادشاہی ابھی ظاہر ہوا چاہتی ہے"۔ (لوقا ۱۹: ۱۱؛ ۲۱: ۸)۔ ہمیں ان لوگوں سے خبردار کیا گیا ہے جو کہتے تھے کہ "وقت نزدیک آپہنچا ہے" تاہم یہ انجیل نویس تمام ابتدائی کلیسیا کے ایمان داروں کے ساتھ یہ تسلیم کرتا ہے کہ موجودہ دور ختم ہو جائے گا اور ابنِ آدم کا ظہور اچانک ہو گا (لوقا ۱۷: ۲۲؛ ۲۱: ۳۵۔ ۳۶)۔

اس امر سے بھی ظاہر ہے کہ یہ انجیل تب لکھی گئی تھی جب اس قسم کے خیالات کلیسیاؤں میں پائے جاتے تھے اور مقدس پولُس نے تھسلنیکی کلیسیا کو ان کے خلاف اپنے دوسرے خط میں خبردار کیا تھا (۲ باب)۔ اگر ہم (۱۔ تھسلنیکیوں ۵: ۲۔ ۸ کا مقابلہ لوقا ۲۱: ۳۴۔ ۳۶) سے کریں تو یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ رسول کی عبارت کے الفاظ تک انجیلی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ انجیل پہلی صدی کے نصف کے قریب لکھی گئی تھی جب یہ خطوط احاطہ تحریر میں آئے تھے۔

ڈاکٹر ڈاڈ Dodd لکھتے ہیں [2]۔ "یہ امر قابل ذکر ہے کہ اگرچہ اعمال کی کتاب کی تقریروں میں آنخداوند کی آمد کا ذکر ہے (لوقا ۳: ۱۲۔ ۲۱) تاہم آپ کی فوری آمدِ ثانی کے سوال پر زور نہیں دیا گیا۔ چنانچہ ابواب ۲، ۴، ۵، ۱۳ میں اس کا نہ تو خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے اور نہ اس پر خاص زور دیا گیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ بات رسولوں کی "منادی" کا جزو ضرور تھی لیکن اس پر زور نہیں دیا گیا بلکہ اُن کی "منادی" کا تمام تر زور اس بات پر ہے کہ خدا نے اپنے لوگوں پر رحم کیا ہے اور نجات بخشی ہے اور اسی بات پر مقدس پولُس زور دیتا ہے چنانچہ ۱۔ تھسلنیکیوں (۵۰ء) سے ظاہر ہے کہ آمدِ ثانی کا وقت آگیا ہے۔ لیکن بعد میں اس پر زور نہیں دیا گیا بلکہ تمام تر زور گناہ سے نجات پانے پر ہے (۲۔ کرنتھیوں ۵: ۱۶؛ کلسیوں ۱: ۱۳؛ ۲: ۶ وغیرہ)"۔ یہی زاویہ نگاہ مقدس لوقا کی انجیل کا ہے جو اس انجیل کی اصلیت اور قدامت کا ایک مزید اور زبردست ثبوت ہے۔

---

[1] J.M. Creed ,The Gospel according to St.Luke (1930) p.XII

[2] Dodd, Apostolic Preaching pp.65-71.

باب چہارم

اناجیلِ کے طریقہ تالیف پر تبصرہ

گذشتہ ابواب سے ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہو گا کہ ہماری اناجیل نہایت قدیم ہیں اور ان کا پایہ اعتبار نہایت بلند اور رفیع ہے کیونکہ وہ اُن ماخذوں سے تالیف کی گئی ہیں جن کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب ابھی واقعات رونما ہو رہے تھے۔اور ان میں سے اہم ترین ماخذ آنخداوند کی حینِ حیات میں ہی لکھا گیا تھا۔

جب آنخداوند تعلیم دینے لگے تو آپ "قریباً تیس (۳۰) برس" کے تھے (لوقا ۳: ۲۳)۔آپ کی زندگی کا وہ زمانہ جو خلقِ خدا کی خدمت میں صرف ہوا کم از کم چار سو (۴۰۰) دن کا مختصر زمانہ تھا لیکن جب ہم چاروں انجیلوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر واضح ہو جاتا ہے کہ اُن چار سو (۴۰۰) دنوں میں سے بمشکل چالیس الگ الگ دنوں کے بعض چھوٹے بڑے واقعات کا ہی ذکر ملتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنخداوند کی اس اعلانیہ زندگی کا (لوقا ۹: ۱۰) حصہ کی نسبت ہمیں کوئی علم نہیں۔اگر چاروں انجیلوں کا کھنڈ پاٹھ (کتاب کے حصے) کیا جائے اور ان کو لگاتار آہستہ آہستہ پڑھا جائے تو زیادہ سے زیادہ چھ گھنٹے لگتے ہیں [1]۔چاروں اناجیل آنخداوند کی پہلی تیس (۳۰) سالہ زندگی کو دو باب میں بیان کر دیتی ہیں لیکن آپ کی زندگی کے آخری ہفتہ کے واقعات تیس (۳۰) ابواب پر مشتمل ہیں۔اس کی کیا وجہ ہے ؟

ہم بتلا چکے ہیں کہ سیدنا مسیح کے سامعین کی تعداد ہزارہا تھی اور آپ کی زندگی میں آپ کی وفات کے بعد بیس پچیس سال تک ان ہزاروں چشم دید گواہوں کے آپ کے متعلق ہزاروں زبانی اور صدہا (سینکڑوں) تحریری بیانات مشہور ہوں گے۔پس انجیل نویس کے پاس بہت مسالہ تھا جو بہتوں نے لکھا تھا (لوقا ۱: ۱)۔لیکن انجیل نویسوں نے ہر ایک بیان کو اپنی انجیل میں درج نہ کیا بلکہ آنخداوند کے کلماتِ طیبات، معجزاتِ بینات اور سوانحِ حیات میں سے صرف اُن کو منتخب کیا جو اعلیٰ ترین پایہ اعتبار کے تھے اور جو ان کے مطلب کے بھی تھے۔مقدس یوحنا نے اس انبار (ڈھیر) میں سے بعض کو منتخب کیا (یوحنا ۲۰: ۳۰؛ ۲۱: ۲۵۔اعمال ۱۰: ۲۹۔۴۱ کو دیکھو)۔مقدس متی اور مقدس لوقا نے بھی ایسا ہی کیا (لوقا ۱: ۱۔۳)۔مقدس مرقس کا طرق کار یہی تھا (اعمال ۱۱: ۴؛ ۲۶: ۱۶؛ عبرانیوں ۲: ۳؛ یوحنا ۱۵: ۲۷۔۲پطرس ۱: ۱۶؛ ۱۔یوحنا ۱: ۱۔۴)۔

حق تو یہ ہے کہ ہر مصنف کا یہی طریقہ کار ہوتا ہے۔جب کوئی شخص کتاب لکھنے بیٹھتا ہے تو وہ اپنی تصنیف میں ان تمام باتوں کا ذکر نہیں کرتا جن کا اس کو علم ہوتا ہے بلکہ صرف ان ہی باتوں کا ذکر کرتا ہے جو اس کے موضوع کے خاص پہلو سے تعلق رکھتی ہیں۔مثلاً مقدس پولُس نے اپنے خطوط میں منجی جہان کے معجزات کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتا اور بمشکل آپ کے دو چار اقوال پیش کرتا ہے اور وہ بھی صرف ضمنی طور پر۔اعمال کی کتاب میں پولُس رسول کی تبلیغی مساعی کا مفصل ذکر ہے لیکن اس کو پڑھنے سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ مقدس رسول نے اپنی کلیسیاؤں کو کبھی خط بھی لکھے تھے۔اس رسالہ سے ہم کو مقدس پولُس کے طرزِ استدلال اور اسلوبِ تحریر کا پتہ بھی نہیں چل سکتا۔علیٰ ہذا القیاس روم کے مقدس کلیمنٹ نے جو خط پہلی صدی کے آخر میں لکھا تھا اس میں مقدس پولُس کے خطوط کے مجموعہ کا وہ ذکر نہیں کرتا۔حالانکہ ۴۷ باب میں (۱۔کرنتھیوں ۱: ۱۲) کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

[1] F.C. Burkitt, Gospels History and it's Transmission p.20.

(۲)

علاوہ ازیں سیدنا مسیح کی زندگی کے اُن واقعات اور آپ کے اُن کلماتِ زرین کو بقانصیب ہوئی جو رسولوں اور مبشروں کی " منادی" کے جز اور اس منادی کے اجزا کی مثالیں تھیں یا جن کا دورانِ وعظ اکثر ذکر کیا جاتا تھا۔اس زمانہ میں بیان کرنے والے وہ لوگ تھے جو خود چشم دید گواہ تھے اور جو ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے تھے (اعمال ۸: ۱، ۱۴، ۲۶۔ ۹: ۳۲ وغیرہ)۔ یہ لوگ مختلف کلیسیائی مرکزوں میں آنخداوند کی تعلیم، زندگی اور قیامت کے حالات سناتے تھے۔ پس مختلف کلیسیاؤں میں مختلف بیانات مروج تھے جن کو انجیل نویسوں نے اپنے ماخذ بنایا۔ مثلاً سیدنا مسیح کی قیامت کے متعلق کسی جگہ یروشلیم میں، اور کسی جگہ گلیل میں دکھلائی دینے کے بیانات مروج تھے۔ انجیل نویسوں نے ان میں سے بعض بیانات کو لے لیا اور دوسروں کو چھوڑ دیا۔ مثلاً مقدس پولُس ہم کو بتلاتا ہے کہ آنخداوند اپنی قیامت کے بعد "کیفا کو اور اس کے بعد اُن بارہ کو دکھائی دیا"۔ (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۵)۔ لیکن کسی انجیل نویس نے کیفا کو دکھائی دینے کا واقعہ بیان نہیں کیا اگرچہ اس کا ذکر کیا گیا ہے (لوقا ۲۴: ۳۴)۔

آنخداوند کی تعلیم، رسولوں، مبلغوں اور مبشروں کی " منادی" میں اور کلیسیا کی روزانہ زندگی میں چراغِ راہ تھی۔ وہ ہر جگہ دہرائی اور سکھلائی جاتی تھی۔ مثلاً یہ کہ کلیسیا کا رویہ کیا ہونا چاہیے جب یہودی رسوم، ختنہ، حلال وحرام، سبت کا احترام، نکاح، طلاق، ہیکل اور قیصر کو جزیہ دینے کے سوال وغیرہ درپیش ہوں یا جب زر اور دولت کا سوال، آمدِ ثانی کا سوال، نئے دور کا آغاز کا سوال مسیحی جماعت کے سامنے پیش ہو۔ یہ زبانی بیانات اور تحریری پارے جو دورِ اولین کے تھے، مختلف قیمتی پتھروں کی طرح جا بجا دُور دراز مقامات کی کلیسیاؤں میں بکھرے پڑے تھے۔ انجیل نویسوں نے ان قیمتی پتھروں کو جمع کیا اور ان سے اناجیل کے تاج بنائے [1]۔

(۳)

گذشتہ ابواب سے ظاہر ہو گیا ہے کہ انجیل نویسوں نے چشم دید گواہوں کے بیانات کو قلمبند کیا ہے۔ ہر ایک انجیل نویس کے پاس مختلف ماخذ تھے۔ اگرچہ ان میں سے بعض نے ایک ہی قسم کے ماخذ استعمال کئے ہیں۔ چونکہ یہ مختلف ماخذ مختلف چشم دید گواہوں کے بیان تھے۔ پس قدرتاً ان کے بیانات کی تفصیل میں اختلاف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ انجیل نویس ایک ہی واقعہ کو بیان کرتے ہیں تو چونکہ ان کے ماخذ مختلف تھے لہذا ان اناجیل کے بیانات کی تفصیلات میں اختلاف کا ہونا ایک لازمی اور ناگریز (ضروری، لازم) امر تھا۔ مثلاً صلیبی واقعہ کی تفصیلات میں اختلاف ہے چنانچہ پہلی تین انجیلوں میں مرقوم ہے کہ شمعون نے آنخداوند کی صلیب اٹھائی تھی لیکن مقدس یوحنا میں ہے کہ آنخداوند خود اپنی صلیبی اٹھائے ہوئے قتل گاہ کو گئے تھے۔ اس قسم کے تفصیلی اختلافات ہر واقعہ کے چشم دید گواہوں کے بیانات میں پائے جاتے ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اگر گواہوں کے بیانات کی تفاصیل میں اختلاف نہ ہوں تو عدالت کے فاضل جج ان بیانات کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں کیونکہ یہ قدرتی بات ہے کہ ہر گواہ اپنے خصوصی زاویہ نگاہ سے واقعہ کو دیکھے اور اس کو بیان کرے اور یہ بیانات کے اختلاف کا موجب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ رائٹ آنر یبل لارڈ شاہ جو لارڈ آف اپیل رہ چکے ہیں کہتے ہیں

" ہر شخص اور بالخصوص ہر جج پر (جس کا سابقہ شہادت اور گواہی سے پڑتا) یہ بات فوراً ظاہر ہو جاتی ہے کہ اگرچہ صلیبی بیان کی تفاصیل میں فرق ہے اور ہر انجیل نویس کے بیان کا طریقہ نرالا اور جداگانہ ہے اور چاروں بیان کرنے

---
[1] Taylor, Formation of Gospel Tradtion pp.168-176

والوں کی سمجھ کے مطابق واقعہ صلیب کے مختلف پہلوؤں پر زور دیا گیا ہے تاہم صلیبی موت کا بیان وزن رکھتا ہے اور بیان کردہ واقعات کی صحت میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا"۔

(سیدنا مسیح کا مقدمہ صفحہ ۸۔دی ٹرائیل آف جیزس کرائسٹ)۔

مقدس متی اور مقدس لوقا نے بعض واقعات کے بیان کو دہرایا ہے۔ سر جان ہاکنس کہتا ہے[1] کہ اس قسم کے بیانات نہایت نہایت اہم قسم کے ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ ہم کو اناجیل کے ماخذوں کا پتہ چل جاتا ہے اور اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ اناجیل کے مصنفوں نے اپنی انجیل کو مرتب کرتے وقت کیا کیا ماخذ استعمال کئے تھے۔ بعض اوقات سیدنا مسیح کا ایک قول دو مختلف ماخذوں میں مختلف سیاق وسباق میں لکھا گیا ہے اور دونوں انجیل نویسوں نے دونوں ماخذوں کو نہایت ایمان داری سے نقل کر دیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی قول یا واقعہ کے دو بیانات بعض اوقات ایک ہی انجیل میں پائے جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آنخداوند کے کلمات (سوانح حیات) جو اناجیل میں درج ہیں صرف کسی ایک واقعہ یا محل پر ہی بولے نہیں گئے تھے۔اس نکتہ کو عموماً نظر انداز کیا جاتا ہے اور یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ آنخداوند نے اپنی سہ سالہ خدمت میں جو کلمہ بھی فرمایا تھا وہ صرف ایک ہی بار آپ کی مبارک زبان سے نکلا تھا اور بس۔اور جس قسم کا معجزہ آپ نے ایک دفعہ کیا وہ صرف ایک ہی موقعہ پر کیا تھا۔ لیکن یہ مفروضہ سرے سے غلط ہے اور تحقیقِ حق میں بنائے فاسد (خراب، ناقص)[2] ہے۔ مثلاً (متی باب ۱۸: ۱) میں لکھا ہے کہ شاگردوں نے سیدنا مسیح سے پوچھا کہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کون ہے "۔ تب آپ نے ایک بچے کو بیچ میں کھڑا کر کے بڑائی کا اصول بتلادیا۔ اور مرقس اور لوقا میں آپ نے یہ اصول بتلایا۔ جب شاگردوں میں باہم بحث چھڑی (لوقا ۹ باب)۔

پس ظاہر ہے کہ آنخداوند نے ایک ہی قسم کا قول اپنی سہ سالہ خدمت کے دوران میں کئی بار اور مختلف موقعہ اور محل پر فرمایا تھا اور ایک ہی قول مختلف تحریری ماخذوں اور پاروں میں مختلف موقعہ اور محل کے مطابق انجیل نویسوں کے سامنے موجود تھا جس کو انہوں نے نقل کر لیا۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر مونٹی فیوری کا قول یاد رکھنے کے قابل ہے۔ وہ کہتا ہے[3] کہ آنخداوند کی زندگی کے کسی واقعہ کی سچائی یا آپ کے کسی قول کی اصلیت اس کے ماخذ کی قدامت پر منحصر نہیں ہے۔ یعنی یہ باطل ہے کہ اگر کوئی قول یا واقعہ پہلے لکھا گیا ہے تو وہ صحیح ہے اور اگر کوئی دوسرا قول یا واقعہ اس کے چند ماہ یا سال بعد احاطہِ تحریر میں آیا ہے تو وہ غلط ہے۔ کسی قول یا واقعہ کی صحت کا صحیح معیار دنوں یا مہینوں کی کمی بیشی نہیں ہے۔ مثلاً پہاڑی وعظ کو لے لو۔ یہ مجموعہ انجیل متی میں موجود ہے جس میں سیدنا مسیح کے مختلف زرین اقوال کو ایک مقام میں جمع کیا گیا ہے۔ گو یہ اقوال ایک ہی وقت اور ایک ہی موقعہ پر نہیں فرمائے گئے تھے جیسا کہ انجیل لوقا سے ظاہر ہے کہ جمع کئے جانے سے پہلے یہ اقوال منتشر تھے اور حسب موقعہ اور محل بولے گئے تھے۔ پس ان اقوال کی اصلیت کا معیار ان کے جمع کئے جانے کا زمانہ نہیں ہے بلکہ اس اصلیت کا دارومدار ان کے بولے جانے کے بعد ان کے محفوظ رہنے پر ہے۔

مورخ سیلی Seeley اپنی کتاب Ecce Homo ''ایکسی ہومو'' میں کیا خوب کہتا ہے کہ

---

[1] Sir.J. Hawkins Horce Synoptica 1st ed.p.64
[2] G.C. Montefiore, The Synoptic Gospels Vol1.pXCIX
[3] Ibid.Vol.I.XCVII-VIII.

"اناجیل کے بہترین اقوال اور زرین کلمات کی اصلیت میں کسی قسم کا شک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ایسے الفاظ ہیں جو صرف آنخداوند کی زبانِ حقیقت ترجمان سے ہی نکل سکتے تھے۔ آپ کے رسول ایسے تخلیقی دماغ اور ذہن رسا (تیز ذہن) رکھتے ہی نہ تھے کہ وہ اُن کو گھڑ سکتے۔ وہ صرف معمولی سمجھ اور سوجھ بوجھ کے انسان تھے۔ بلکہ سچ پوچھو تو وہ اس قابل نہ تھے کہ سیدنا مسیح کے کلمات کی گہرائیوں کو پاسکیں۔ بلکہ بعض اوقات تو وہ آپ کے اقوال کے سطحی مطلب کو بھی سمجھنے سے قاصر تھے۔ اُنہوں نے تمام حالات کو پوست کندہ (صاف صاف) لکھ دیا ہے اور عالم وعالمیان کو مستفید کر دیا ہے"۔

(۴)

جب اناجیل احاطہ تحریر میں آئیں اُس زمانہ میں کاغذ ابھی دریافت نہیں ہوا تھا۔ کتابیں اور رسالے طوماروں پر لکھے جاتے تھے جو لپیٹے جاتے تھے۔ قدرتاً ہر مصنف یہ چاہتا تھا کہ اس کے طومار کا سائز صرف اتنا بڑا ہو کہ کھولتے پڑھتے اور لپیٹتے وقت پڑھنے والا دِقت محسوس نہ کرے اور طومار بھی نہ پھٹے۔ پس مصنف کو لازمی طور پر واقعات کا انتخاب کرنا پڑتا تھا اور وہ صرف انہی واقعات کو قلمبند کرتا تھا جو اُس کے مقصد کے لئے اہم تھے اور دیگر واقعات کو نظر انداز کر دیتا تھا۔ چنانچہ اس نقطہ کو نگاہ میں رکھ کر اناجیل کا سائز محدود رکھا گیا۔ اور اناجیل نویسوں نے آنخداوند کے ہزاروں واقعات اور کلمات میں سے صرف وہی کلمات اور واقعات لکھے جو اُن کے مطلب کو بدرجہ احسن پورا کرتے تھے۔ پے پائرس (نرسل) کے پارچہ کی تقطیع (کتاب کا سائز) ۵انچ سے ۱۵انچ تک ہوتی تھی۔ اس کے متعدد ٹکڑے اکٹھے لمبان میں جوڑے جاتے تھے اور یوں ایک لمبا طومار تیار کیا جاتا تھا جو لپیٹا جاتا تھا۔ یہ طومار طول میں عام طور پر تیس یا بتیس فٹ ہوتے تھے۔ پس انجیل نویس کو اس بات کا خیال رکھنا پڑتا تھا کہ جو کچھ اُس نے لکھنا ہے وہ بیس پچیس فٹ لمبے طومار میں لکھا جاسکے۔ چنانچہ مرقس کی انجیل کے لئے ۱۹ فٹ کا طومار درکار ہوتا تھا۔ یوحنا کی انجیل کے لئے ساڑھے تئیس فٹ کا اور متی کی انجیل کے لئے تیس فٹ کا طومار درکار تھا۔ لوقا کی انجیل کے لئے ۳۲ فٹ کے طومار کی ضرورت تھے۔ پس لامحالہ اناجیل نویسوں کو آنخداوند کے کلماتِ طیبات اور معجزات اور سوانح حیات میں سے انتخاب کرنا پڑتا تھا اور اُنہوں نے نہایت حزم واحتیاط سے کام لے کر اپنے مقصد کے تحت صرف انہی واقعات کو قلمبند کیا جو زیادہ سے زیادہ تیس یا بتیس فٹ کے طومار پر لکھے جاسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ مقدس متی اور مقدس لوقا انجیل دوم کو نقل کرتے وقت بعض الفاظ کو چھوڑ دیتے ہیں مثلاً (مرقس ۱: ۲۳) کو نقل کرتے وقت مقدس لوقا الفاظ "اور فی الفور" کو چھوڑ دیتا ہے۔ متی اور لوقا انجیل (مرقس ۱۴: ۵۱ یا ۹: ۱۴۔۲۹) کو نقل کرتے وقت اس مقام کی تفصیلات کو چھوڑ دیتے ہیں (متی ۱۷: ۱۴۔ ۲۰؛ لوقا ۹: ۳۷۔ ۴۱)۔ گو یہی تفصیلات ثابت کرتی ہیں کہ یہ تمام بیان کسی چشم دید گواہ کا بیان ہے۔ لیکن چونکہ ان تفصیلات کے بغیر بھی بیان مکمل ہے۔ پس متی اور لوقا ان کو نقل نہیں کرتے۔ لیکن اس قسم کی غیر ضروری تفصیلات سے ہر روشن دماغ پر یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان کا بیان کرنے والا ایک چشم دید گواہ ہے اور وہ انجیل نویس کے دماغ کی اختراع نہیں کیونکہ ان کے بغیر بھی بیان مکمل ہے۔

(۵)

ہم ابواب بالا میں دیکھ چکے ہیں کہ تینوں انجیل نویسوں نے قدیم ماخذوں کو لفظ بہ لفظ نقل کیا ہے۔ چنانچہ مقدس متی نے مقدس مرقس کی انجیل کی نوے فیصد باتیں تقریباً مقدس مرقس کے الفاظ میں نقل کی ہیں اور مقدس لوقا نے مقدس مرقس کی انجیل کا آدھے سے زیادہ نقل کیا ہے۔ اور

تینوں اناجیل کے مشترکہ مقامات میں مقدس متی یا مقدس لوقا یا دونوں انجیل نویس مقدس مرقس کے الفاظ کا ایک کثیر حصہ نقل کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں مقدس مرقس کی انجیل کے مندرجہ واقعات کی ترتیب کو باقی دونوں انجیل نویس قائم رکھتے ہیں اور جس مقام میں ایک انجیل نویس اس ترتیب کو چھوڑ دیتا ہے، دوسرا انجیل نویس اس کو قائم رکھتا ہے [1]۔ ان امور سے ہم کو انجیل نویسوں کی طرز تالیف کا پتہ مل جاتا ہے کہ جہاں تک ہو سکا انہوں نے اپنے ماخذوں کے الفاظ کو قائم اور برقرار رکھا اور اُن میں تبدیلی نہ کی۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان اناجیل میں بمشکل کوئی لفظ ہو گا جو ان کے ماخذوں میں نہ ہو۔ چونکہ ان ماخذوں کے الفاظ کا پایہ اعتبار اعلیٰ ترین ہے اور ان کے ہر لفظ کی صحت کا ذمہ دار ہے۔ لہٰذا ان اناجیل کا بھی پایہ اعتبار بلند ترین ہے کیونکہ وہ صرف معتبر الفاظ پر ہی مشتمل ہیں۔

(۲)

بایں ہمہ (ان تمام باتوں کے باوجود) تینوں انجیل نویسوں نے اپنے ماخذوں کو اس حیرت انگیز پر استعمال کیا ہے کہ ان کو اپنا لیا ہے۔ ایسا کہ ہر ایک طرزِ تحریر الگ ہے۔ ہر ایک کا اسلوب بیان جدا ہے۔ مقدس مرقس کا طرز بیان مقدس متی کا سا نہیں اور مقدس متی کا طورِ تحریر مقدس لوقا کا سا نہیں۔ ہر ایک کی طرز خصوصی ہے ایسا کہ جس شخص نے اناجیل کا ذرا غور وتدبر کے ساتھ مطالعہ کیا ہے وہ فوراً بتلا سکتا ہے کہ فلاں آیت لوقا میں یا مرقس میں یا متی کی انجیل میں نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کا طرزِ تحریر اس مصنف کا سا نہیں ہے۔

حق تو یہ ہے کہ انجیل نویسوں نے اپنے ماخذوں کو اس خوش اسلوبی سے اپنایا ہے کہ اگر ہمارے ہاتھوں میں انجیل مرقس نہ ہوتی تو ہم انجیل اوّل وسوم سے تمام کی تمام انجیل مرقس کو مرتب نہ کر سکتے حالانکہ ان دونوں انجیلوں میں وہ نقل کی گئی ہے۔ ہم بآسانی اس انجیل کے الفاظ بھی متعین نہ کر سکتے، لیکن چونکہ انجیل مرقس ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے ہم نہ صرف یہ بتلا سکتے ہیں کہ اس کو باقی دونوں انجیل نویسوں نے نقل کیا ہے بلکہ ان دونوں کے مشترکہ الفاظ سے ہم **رسالہِ کلمات** کو بھی ایک حد تک معین کر سکتے ہیں حالانکہ یہ رسالہ اب عالم وجود میں نہیں ہے۔ لیکن اگر ہمارے پاس صرف انجیل متی ہوتی یا صرف انجیل لوقا ہوتی تو ہم ان دونوں میں سے کسی ایک انجیل کے ذریعہ نہ تو انجیل مرقس مرتب کر سکتے اور نہ **رسالہِ کلمات** کے الفاظ کو متعین کر سکتے۔ اس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ انجیل نویسوں نے کس خوبی سے اپنے ماخذوں کو اپنا لیا ہے۔

مقدس متی اور مقدس لوقا نے ماخذوں کو استعمال کرتے وقت نہ صرف ان کے الفاظ کی نحوی (علم نحو کا ماہر) خامیوں کو درست کیا ہے بلکہ الفاظ کی دُرشتی (سختی، بے رحمی) کو بھی دور کر دیا ہے۔ مثلاً (مرقس ۶: ۵ کا مقابلہ کریں متی ۱۳: ۵۸ سے)۔ مقدس لوقا ان الفاظ کو نقل نہیں کرتا۔ ان لفظی تبدیلیوں کا تعلق اکثر اوقات مقدس مرقس کی انجیل کی یونانی زبان کے طرزِ ادا اور اسلوبِ بیان کے ساتھ ہے۔ جیسا ہم بتلا چکے ہیں اس انجیل کی یونانی ایسی ہے، جیسے کوئی شخص فی البدیہہ تقریر کرتا ہے اور دوسرا شخص اس کی تقریر کو "شارٹ ہینڈ" میں لکھ لے۔ پس اس انجیل کی یونانی زبان میں خامیاں موجود ہیں۔ لیکن باقی دونوں انجیل نویسوں کی یونانی زبان زیادہ شستہ (پاک خالص)، مختصر اور جامع ہے اور وہ اپنے الفاظ کو تول کر لکھتے ہیں، جس طرح کوئی مصنف اپنی کتاب کو دوسرے لوگوں کے پڑھنے کے لئے سلیس، اور نستعلیق (مہذب، نفیس) زبان میں لکھتا ہے۔ مثلاً مقدس مرقس ایک جگہ لکھتے ہیں "جب شام ہوگئی اور سورج ڈوب گیا"۔ لیکن مقدس متی اس مقام کو یوں نقل کرتے ہیں "جب شام ہوئی"۔ اور مقدس لوقا "جب سورج

[1] Streeter, Four Gospels pp.200ff.

ڈوب گیا" لکھتے ہیں۔ سر جان ہاکنس نے اس قسم کی ایک سو (۱۰۰) مثالیں جمع کی ہیں [1]۔ یہ مقامات مقابلتاً بہت کم ہیں لیکن وہ معنی خیز ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ انجیل نویس محض کاتبوں کی طرح الفاظ کو نقل کرنے والے ہی نہ تھے۔ بلکہ زبان اور کلام کے نقاد (کھوٹا کھرا دیکھنے والا) بھی تھے جو اس بات پر قادر تھے کہ ماخذوں کے الفاظ کو اس طور پر نقل کریں کہ وہ اپنائے جائیں ایسا کہ ان میں خصوصی طرز پیدا ہو جائے۔

(۷)

اناجیل کے مولفوں نے اپنے ماخذوں کے استعمال کرتے وقت وہی طریقہ اختیار کیا جو اُن سے پہلے عہدِ عتیق کی کتُب کے لکھنے والوں نے استعمال کیا تھا۔ چنانچہ ان کتابوں میں اُن ماخذوں کے نام بھی دئے گئے ہیں جن سے ان کے مولفوں نے واقعات اخذ کئے تھے۔ مثلاً یشوع کی کتاب اور سیموئیل کی کتاب میں "آشر کی کتاب" کا ذکر آتا ہے (یشوع ۱۰: ۱۳؛ ۲۔ سیموئیل ۱: ۱۸ وغیرہ)۔ اسی طرح پہلی اور دوسری تواریخ کی کتُب کے مصنفوں نے پہلی اور دوسری سلاطین کی کتب سے واقعات لئے ہیں اور وہ سلاطین کی کتابوں کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں۔

جس طرح قدیم زمانہ میں "آشر کی کتاب" مشہور تھی لیکن چونکہ اس کے بہترین مضامین بائبل کی دیگر کتابوں میں نقل ہو گئے تھے اس کتاب کا نقل ہونا موقوف ہو گیا اور آہستہ آہستہ وہ کتاب نابود ہو گئی۔ اسی طرح جب انجیل نویسوں نے **رسالہِ کلمات** اور **رسالہِ اثبات** کے مضامین کو نقل کر لیا تو ان رسالوں کی ضرورت نہ رہی اور ان کا نقل ہونا موقوف ہو گیا۔ ایسا کہ یہ رسالہ رفتہ رفتہ نابود ہو گئے۔

علیٰ ہذا القیاس جب مقدس متی اور مقدس لوقا نے مقدس مرقس کی انجیل کے مضامین کو اپنی انجیل میں نقل کر لیا تو یہ انجیل بھی بہت کم نقل ہونے لگی۔ کیونکہ یہ دونوں اناجیل زیادہ مکمل اور مفصل تھیں۔ ان میں وہ سب کچھ موجود تھا جو انجیل مرقس میں پایا جاتا ہے اور اس کے علاوہ ان میں سیدنا مسیح کی تعلیم اور کلمات اور دیگر واقعات بھی درج تھے۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ابتدائی مسیحی صرف چند ایک طومار ہی رکھ سکتے تھے پس اُنہوں نے انجیل متی اور انجیل لوقا کے طوماروں کو قدرتاً ترجیح دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انجیل مرقس کی نقلیں بھی کم ہونے لگیں اور ایک وقت ایسا آگیا کہ یہ انجیل بھی نابود (ناپید، نیست) ہونے لگی۔ ہر ایک انجیل خواں اس بات سے واقف ہے کہ اس انجیل کے سولھویں باب کی آٹھویں آیت کے درمیان میں یہ انجیل ختم ہو جاتی ہے۔ اس آیت کا آخری فقرہ بھی ادھورا ہی رہ گیا ہے جس کے آخری الفاظ "کیونکہ لرزش اور ہیبت" ہیں حالانکہ اس میں رتی بھر شک نہیں کہ اس انجیل کے آخر میں سیدنا مسیح کے شاگردوں پر ظاہر ہونے کا واقعہ درج تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس کی موجودہ اُدھوری حالت محض ایک اتفاقیہ امر ہے کیونکہ اگر یہ بات ارادتاً وقوع میں آئی تو کم از کم آخری فقرہ تو ادھورا نہ رہنے دیا جاتا بلکہ وہ پورا لکھا جاتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس انجیل کا نقل ہونا موقوف ہو گیا تھا اور ایک وقت ایسا آیا جب صرف ایک ہی نسخہ موجود رہ گیا تھا جس میں یہ فقرہ اُدھورا تھا اور کوئی دوسرا نسخہ دستیاب نہ ہو سکا جس کے ذریعہ اس آخری فقرہ کو پورا کر لیا جاتا۔

جب بعد کے زمانہ میں کلیسیا نے اناجیل اربعہ کی مسلمہ فہرست کو تسلیم کر لیا تو انجیل دوم پھر سے نقل ہونے لگی اور اب یہ انجیل ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے، اگرچہ اس کو باقی دونوں انجیلوں میں نقل کیا گیا ہے۔ جس طرح سلاطین کی دونوں کتابیں ہمارے ہاتھوں میں موجود ہیں اگرچہ ان کے مضامین اور الفاظ تواریخ کی کتابوں میں نقل ہو گئے تھے۔

---

[1] Hawkin's Horce Synoptica p.125

(۸)

انجیل نویس وقائع نگار مورخ (تاریخی واقعات لکھنے والے) نہ تھے۔اس زمانہ میں تاریخ کا موجودہ تصور ابھی معرضِ وجود میں نہیں آیا تھا۔

جسٹن شہید دوسری صدی کے پہلے نصف حصہ میں اناجیل کو "تذکرہ "Memoirs کے نام سے موسوم کرتا ہے اور یہ انجیل نویسوں کے نقطہ نگاہ کو سمجھنے کے لئے نہایت موزوں لفظ ہے۔انہوں نے مختلف بکھرے ہوئے ماخذوں کو مختلف گروہوں میں جمع کیا، سیدنا مسیح کی تعلیم کو مختلف عنوانوں کے ماتحت اکٹھا کیا لیکن شانِ نزول کا یعنی اس بات کا خاص لحاظ نہ رکھا کہ وہ کلمات کب اور کس موقعہ پر فرمائے گئے۔انہوں نے ان کلمات کے جمع کرنے میں کسی تواریخی ترتیب کو بھی ملحوظِ خاطر نہ رکھا۔اُنہوں نے سیدنا مسیح کے کلمات اور سوانحِ حیات کو اس مقصد کے لئے جمع کیا کہ کلیسیا کے ایمان داروں کا ایمان مستحکم اور مضبوط ہو۔اُنہوں نے سیرتِ نگاری کا کام انجام دیا۔وہ واقعات کو مسلسل تواریخی طور پر جمع کرنے والے نہ تھے۔حق تو یہ ہے کہ تاریخ اتفاقیہ واقعات کے محض سلسلہ کا نام نہیں۔ان واقعات کے پس پردہ الٰہی اٹل قوانین ہوتے ہیں اور مورخ کا کام ان پنہانی قوانین کو بتلانا ہے۔چنانچہ انجیل نویس اس کام کو سرانجام دیتے ہیں۔

ہمارے ملک ہندوپاکستان کے قدیم لوگوں کی طرح اہل یہود بھی تواریخی واقعات کو اس طرح قلمبند نہیں کرتے تھے جس طرح رومی سلطنت کے مورخ کر لیتے تھے۔اگرچہ عہدِ عتیق کی تواریخی کتُب یہود میں مروج تھیں تاہم یہود تاریخ کی جانب سے بے نیاز تھے اور یہی وجہ ہے کہ کسی نبی یا یہودی ربی کی سوانحِ عمری موجود نہیں [1]۔کتبِ عہدِ عتیق کی تواریخی کتُب بھی محض واقعات کے ذکر کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتیں بلکہ ان واقعات کے پس پردہ جو روحانی اور اخلاقی قوانین کارفرما ہیں،ان کا ہی ذکر کرتی ہیں۔

سچ پوچھو تو محض واقعات کو تواریخی طور پر جمع کر دینے سے کسی شخص کی سیرت کا پتہ نہیں چل سکتا۔مثلاً اگر کوئی مصنف کسی مشہور شخص کی سیرت لکھنے بیٹھے اور تواریخی طور پر صرف یہ بتلائے کہ وہ فلاں مقام میں اور فلاں سن میں پیدا ہوا۔اُس نے فلاں سکول سے فلاں سن میں فلاں جماعت کا امتحان پاس کیا۔اور فلاں کالج سے فلاں یونیورسٹی میں فلاں سال فلاں امتحان میں اول درجہ پر رہا۔فلاں سال وہ فلاں ہائی کورٹ کا جج اور فلاں سال میں فلاں ملک کا وزیر اعظم بنا۔اس کے عہدہ وزارت کے زمانہ میں فلاں فلاں قانون بنے اور وہ فلاں سال اچانک مر گیا تو اس قسم کی وہ وقائع نگاری سے کسی کو اس شخص کی سیرت اور اہمیت کا پتہ نہیں چل سکتا اور نہ اس قسم کی تواریخی مسلسل ترتیب کسی مصرف (کام) کی ہوسکتی ہے۔کیونکہ ہر شخص کی زندگی میں خفیف واقعات رفتنی اور گذشتنی ہوتے ہیں جو صرف عارضی اور وقتی قسم کے ہوتے ہیں اور چند عرصہ کے بعد وہ بھول بسر جاتے ہیں کیونکہ ایسے واقعات کا دائمی اثر نہیں ہوتا۔لیکن اس کی زندگی کے بعض حالات تمام زمانوں کے لئے ہوتے ہیں۔ان کا ذکر لازمی ہے۔اگر اس کی شخصی، خاندانی اور پبلک زندگی کی چند مثالیں دی جائیں اور یہ بتلایا جائے کہ اس کے تعلقات دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ کیا تھے،اس کا سلوک قومی کارکنوں اور عامتہ الناس کے ساتھ کیا تھا۔جس کی وجہ سے وہ اس پر فدا تھے۔اس کا قومی اور بین الاقوامی مطمح نظر (اصلی مقصد) کیا تھا۔جس سے اس کے ملک میں انقلاب اور دنیا میں تہلکہ پڑ گیا وغیرہ وغیرہ۔تو یہ اُمور اس کی سیرت کو سمجھنے میں اور اس کی شخصیت کو جاننے میں بڑے کام کے ہوتے ہیں۔

اس سلسلہ میں پلوٹارک کے الفاظ قابل ذکر ہیں۔چنانچہ وہ اپنی کتاب سکندر کے زندگی نامہ کے شروع میں کہتا ہے "اس کے بڑے اور عجیب کام اس کثرت سے تھے کہ میرے لئے یہ ضرور ہے کہ میں اپنے ناظرین کو آگاہ کردوں کہ میں نے اس کی زندگی کا مختصر خاکہ ہی پیش کیا ہے اور ہر واقعہ کی

[1] Streeter, Sources of The Gospels in Outlines of Christanity Vol1.p.303

تفصیلات سے احتراز کیاہے۔ یہ یادرکھناچاہیے کہ میرا مقصد یہ نہیں کہ میں کوئی تاریخ کی کتاب لکھوں بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ میں ایک زندگی نامہ لکھوں۔ پس جس طرح مصور چہرے کی اُن لکیروں اور خصوصی باتوں کو پیش کرتاہے جن سے کیریکٹر (کردار) صاف ہو جائے۔اسی طرح میں نے اُن واقعات کو پیش کیاہے جن سے اُس کی روح نظر آجائے"۔

اسی طرح یہ انجیل نویس سیرتِ مسیح کو پیش کرناچاہتے تھے تاکہ آنخداوند کے تصورات اور روحانی جذبات کانقشہ اُن کے پڑھنے والوں کی نظروں کے سامنے کھینچ جائے۔

"سیرتِ مسیح" سے ہماری یہ مراد ہے کہ ابتدائی مسیحی اپنے آقااور منجی کی تعلیم اور سوانحِ حیات،آپ کی ظفریاب قیامت اور صعودِ آسمانی سے واقف ہوناچاہتے تھے اورا ناجیل اربعہ نے یہ کام بہترین طریقہ سے پورا کردیاہے۔لیکن اگر "سیرت" سے یہ مرادلی جائے کہ ایک واقعہ سے کس طرح دوسرا واقعہ رونماہوا،اور دوسرے واقعہ کا تیسرے واقعہ سے کیا تعلق ہے یاآپ کی ذہنی اور روحانی زندگی نے کس طرح بتدریج (درجہ بدرجہ) ترقی کی تاکہ آپ کے باطنی خیالات اور روحانی جذبات اور مختلف محرکات کاپتہ لگ سکے تواس قسم کاتصور انجیل نویسوں کے زمانہ میں موجود ہی نہ تھا۔یہی وجہ ہے کہ ہم ٹھیک ٹھیک یہ نہیں بتلاسکتے کہ آپ کی عمر کیا تھی۔یاآپ کی علانیہ خدمت کا عرصہ کتنے برس کا تھایاآپ کامبارک چہرہ، قدو قامت خدوخال (شکل وصورت) کیاتھے۔اور آپ کی زندگی کابیشتر اور متعدبہ (بہت، کئی) حصہ ہم سے پوشیدہ ہے۔

واقعات کو مفصل طورپر تاریخ وار لکھ کر ترتیب دیناایک بات ہے۔اور کسی شخص کی شخصیت، سیرت، سبھاؤ وغیرہ کی کردار نگاری دوسری بات ہے۔تاریخی واقعات صرف بیرونی عالم کے مشاہدات ہوتے ہیں اوران کو لکھنے میں مقابلۃً شعور کواتنادخل نہیں ہوتا جتناایک امر اور ہمیشہ زندہ رہنے والی شخصیت کی سیرت نگاری میں عقل اور شعور کودخل ہوتاہے۔واقعہ نگاری میں کوئی آگ نہیں ہوتی لیکن سیرت نگاری کی چنگاریاں تن بدن میں آگ لگادیتی ہیں اورپڑھنے والے کی رگ رگ میں ارتعاش (کانپنا) پیداہو جاتاہے۔اور یہ کام انجیل نویسوں نے بدرجہ احسن انجام دیاہے [1]۔

انجیل نویسوں کے طریقہ کارکم ازکم یہ فائدہ ضرور ہواکہ آپ کی زندگی کے واقعات میں اسلامی احادیث کی طرح غلط بیانی، مبالغہ آمیزی اور رنگ آمیزی سے کام نہیں لیاگیا۔جس کا یہ مطلب ہے کہ اگرچہ ہمارے پاس دورِ حاضرہ کے مورخوں کے سے بیان نہیں ہیں تاہم انجیل کے پڑھنے والے آنخداوند کی سیرت اور شخصیت سے بخوبی واقف ہیں۔انجیل نویسوں نے آپ کی زندگی کے اہم واقعات کو لکھا جن کا علم لازمی اور ضروری تھا۔دیگر واقعات کو قلم انداز کردیاگیاہے۔جوواقعات لکھے گئے وہ بالعموم میں موجود تھے کیونکہ زبانی بیانات عموماً مسلسل واقعات کی صورت میں نہیں ہوتے بلکہ وہ الگ الگ اور غیر مربوط ہوتے ہیں [2]۔

اناجیل کا سرسری مطالعہ بھی ہم پر یہ واضح کردیتاہے کہ ان کے مصنف آنخداوند کی سیرت نگاری کا کام سرانجام دینے کی استعداد اور قابلیت رکھتے تھے۔یہ مصنف وہ تمام صفات رکھتے تھے جو کسی اعلیٰ سیرت نگار کے لئے لازمی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف دوہزار سال کے بعد روزِاوّل کی طرح اب بھی ویسی ہی جاذبِ توجہ ہیں اور دنیا کے مختلف ممالک،اقوام اور زمانوں میں دلکش ثابت ہو کر کروڑوں کی نجات کا باعث ہوتی چلی آئی ہیں۔

[1] Burkitt, Gospels History and its Transmission pp.23-27.
[2] Vincent Taylor, Formation of Gospels Tradtion pp.144-167

(۹)

اگرانجیل وقرآن کے ماخذوں پراوران کی تالیف پرایک اجمالی نظرڈالی جائے تودونوں آسمانی کتابوں کے پایہ صحت واعتبار کافرق خود بخود سامنے آجاتاہے۔ ہمارے مسلم برادران قرآن وحدیث میں تمیز کرکے قرآن کوخدا کاکلام اور حدیث کورسول کاکلام کہتے ہیں۔ لیکن ہر عاقل پر یہ بات روشن ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ انسان کے بنے ہوئے کسی مکان میں سکونت نہیں کرتا، اسی طرح وہ انسان کی زبان کے بنے ہوئے الفاظ کی بولی بھی نہیں بولتا۔قرآن میں خود آیاہے۔(وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا)

ترجمہ: یعنی کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے باتیں کرے مگر بذریعہ وحی کے (سورہ الشعوریٰ آیت ۵۰)۔

قرآن کے مطابق وحی کامطلب کسی انسان کے جی میں بات ڈالناہے۔ چنانچہ لکھاہے(وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيهِ)

ترجمہ: یعنی ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی بھیجی یعنی اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ موسیٰ کو دودھ پلائے(قصص آیت ۷)۔

اور سورہ نحل میں ہے کہ خدانے شہد کی مکھی کی طرف بھیجی وغیرہ۔ لہذا اگر قرآن خدا کاکلام ہے تووہ اُن معنوں میں نہیں کہ اس کے الفاظ خدا کے اپنے منہ کے الفاظ ہیں کیونکہ خدا کانہ توکوئی منہ ہے، نہ زبان، اور نہ الفاظ۔ اس کی ذات ایسی باتوں سے بالااور منزہ ہے۔ پس ظاہر ہے کہ قرآن بھی حدیث کی طرح رسول عربی کاکلام ہے جوخدا کی طرف سے القااور الہام کانتیجہ ہے اور جو ماخذوں سے جمع کیا گیا تھا۔ اور دیگر کتُب کی طرح تالیف کیا گیا تھا۔

جب رسولِ عربی نے ۱۱ ہجری میں وفات پائی توموجودہ قرآن احاطہِ تحریر میں نہیں آیا تھا۔ قرآن کوجمع کرنے والے زید بن ثابت کے پاس یہ ماخذ تھے۔

> **"وحی کبھی ہرن کی جھلیوں اور کبھی اونٹ کی ہڈیوں اور کبھی کھجور کے پتوں کی کتلوں(پتھر کی کرچ، مٹی کے برتن کاٹکڑا) پر لکھی جاتی تھی۔ اصحاب میں سے جن کوزیادہ شوق تھاوہ بطورِ خود وحی کوجمع بھی کرتے جاتے تھے۔ لیکن بالااستیواب(تمام) نہیں۔ بلکہ جس کوجوکچھ بہم پہنچابقدر فرصت جمع کرلیا۔ پیغمبر صاحب کی زندگی میں پورے قرآن کاکسی ایک شخص کے پاس ہوناثابت نہیں۔ مگرہاں جماعتِ صحابہ میں پوراقرآن موجود تھا۔ کچھ لوگوں کے سینوں میں، کچھ جھلیوں اور ہڈیوں اورکتلوں اور پتوں میں۔ اس زمانہ کے لوگ ازبس(بہت زیادہ) پڑھے لکھے نہ تھے، قوتِ حافظہ کوزیادہ کام میں لاتے تھے"۔**

(حافظ نذیراحمد دیباچہ قرآن صفحہ ۳۶)

یہ ماخذ اس قسم کے تھے اور جمع قرآن کاکام ایسادُشوار تھاکہ زید کہتاہے کہ "خدا کی قسم اگرمجھے مجبور کرتے کہ تم پہاڑ کوایک جگہ سے دوسری جگہ کردوتویہ بات مجھے زیادہ مشکل معلوم نہ ہوتی بہ نسبت اس کے کہ مجھے جمع قرآن کاحکم دیا"۔

(ا۔) پہلی قسم کے ماخذ قرآن کے حافظ اور قاری تھے اور قرآن زیادہ تراُن کے سینہ میں ہی تھا۔ کیونکہ "جھلیوں اور ہڈیوں اور کتلوں اور پتوں" پر قرآن کاحصہ بہت کم لکھاجاسکتا تھا۔ لیکن اوّل یہ حافظ آخر بشر تھے۔ ان کے حافظہ سے بعض آیات فراموش ہوسکتی تھیں اور ہوئیں۔ بلکہ

حدیث سے ظاہر ہے کہ خود رسول اللہ بھی بعض آیات بھول جاتے تھے۔ دوم۔ رسول عربی کے جیتے جی ہجرت کے بعد ۹ سالوں کے اندر ۸۳ غزوات اور سریا ہوئے اوران کی وفات کی بعد خلفاء کے زمانہ میں بہت جنگیں ہوئیں جن میں یہ حافظِ قرآن مارے گئے۔ معرکہ یمامہ میں بالخصوص بہت سے حافظِ قرآن کام میں آئے۔ پس قرآن کا وہ حصہ جو صرف ان کو ہی یاد تھاان کے ساتھ ضائع ہوگیا۔ چنانچہ ابن داؤد سے مروی ہے کہ حضرت "عمر نے قرآن کی کسی آیت کو دریافت کیااُن سے کہا گیا کہ وہ آیت فلاں شخص کو یاد تھی جو کہ معرکہ یمامہ میں قتل ہوگیا۔ یہ سن کر عمر نے کہاانااللہ اور قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیا"۔

(۲۔) قرآن کے دوسرے ماخذ اس قسم کے تھے، کہ وہ پائدار نہ تھے اور منتشر (بکھرے، پراگندہ) حالت میں تھے جو قریب نصف صدی تک محفوظ رہ سکتے۔ ان کو جمع کرنے اور جمع کرنے کے بعد ان کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا۔

(۳۔) قرآن کو جمع کرنے والا زید بن ثابت اس کام کے اہل نہ تھا جو اس کے سپرد کیا گیا تھا۔ قرآن کے چاروں مسلم الثبوت استادوں یعنی عبد اللہ بن مسعود، سالم مولا ابن حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے کسی کو جمع قرآن کے لئے نہ کہا گیا۔ لیکن یہ کام زید کو دیا گیا جو بعد ہجرت مدینہ میں مسلمان ہوا تھا اور خورد سال ہونے کی وجہ سے جنگوں میں بھی شریک نہ کیا گیا تھا۔ وہ نہ مشہور صحابہ میں سے تھا اور نہ اس کو قرآنی آیات والفاظ کی ترتیب کا علم تھا۔ وہ حافظِ قرآن بھی نہ تھا۔

(۴۔) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو قرآن جمع کیا گیا، اس میں تمام کا تمام قرآن جو رسول کے زمانہ میں تھا درج نہ ہوا بلکہ اس کا صرف ایک حصہ جمع ہوا اور وہ بھی بے ترتیبی اور بے ربطی کے ساتھ۔ مکی آیات مدنی سورتوں میں موجود ہیں اور بالعموم قرآن کے مقامات اور آیات کی جمع اور تقسیم میں کوئی مناسبت پائی نہیں جاتی۔ امام جلال الدین سیوطی کی کتاب **"اتقان"** کا سطحی مطالبہ بھی یہ ظاہر کردیتا ہے کہ اصل قرآن نہ صرف آیات کی آیات بلکہ سورتیں بھی موجودہ قرآن میں نہیں ہیں۔ اور اس میں بعض آیات ایسی ہیں جو درحقیقت اصل قرآن کا حصہ نہ تھیں اور قرآن وغیر قرآن میں کوئی فرق نہ رہا۔ اصل قرآن کے بعض حصے غیر قرآنی سمجھے گئے اور غیر قرآنی حصے قرآن میں داخل ہوگئے۔ اب حالت یہ ہے کہ سورتوں اور آیتوں کا صحیح محل ومقام دریافت کرنا ایک ناممکن امر ہوگیا ہے۔ اس بے احتیاطی اور بے ربطی کو علمائے اسلام تسلیم کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے بعض مقامات میں فصاحت وبلاغت تو الگ، سلیس عربی عبارت کی بجائے لفظی عیوب موجود ہیں۔ تکرار لفظی اور معنوی موجود ہے اور جابجا بے ربطی پائی جاتی ہے۔ مثلاً بطور مشتے نمونہ از خروارے (سورہ یونس ع ۹) میں (وَأَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰ ۔۔۔ الخ) میں پہلے حکم تثنیہ کے صیغہ سے دینا شروع ہوا پھر ربوط توڑ کر اس کو جمع کردیا ہے اور پھر دفعتہً اس کو واحد بنادیا ہے! (سورہ فتح آیت ۸) میں ہے (إِنَّآ أَرۡسَلۡنَٰكَ شَٰهِدٗا وَمُبَشِّرٗا ۔۔۔۔ الخ) میں متکلم حاضر اور غائب کو مخلوط کرکے ضمیروں کو گڑبڑ کردیا ہے۔ ہم اس موضوع پر ناظرین کی توجہ امام سیوطی کی کتاب **"اتقان"** مرزا سلطان احمد کی کتاب **"تصحیفِ کاتبین"** سید علی حائری کی کتاب **"موعظہ تحریف قرآن"** سید امجد حسین کی کتاب **"تحریف القرآن"** پروفیسر رامچندر کی کتاب **"تحریف القرآن"** اور مسٹر اکبر مسیح کی کتاب **"تنویر الاذہان فصاحت القرآن"** اور پادری عماد الدین کی کتاب **"تقویتہ الایمان"** وغیرہ کی جانب مبذول کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

ہر منصف مزاج شخص خود دیکھ سکتا ہے کہ اناجیل اربعہ اور قرآن کے ماخذوں اور تالیف کرنے والوں کی قابلیت اور مجموعہ اناجیل اور قرآن میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ع

بہ بیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

حصہ سوم

تاریخ تصنیفِ اناجیلِ متفقہ

ہم نے پچھلے دو حصوں میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ اناجیل کا پایہ اعتبار نہایت بلند اور ان کے مضامین کی صحت کی شان نہایت رفیع ہے۔ان کے بیانات کے ہزار ہا چشم دید گواہ تھے جو ان کی تالیف وترتیب کے زمانہ میں زندہ تھے۔ان چشم دید گواہوں کے بیانات ہماری اناجیل کے ماخذ ہیں جو نہایت قدیم ہیں اور اولین زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس حصہ میں ہم انشاءاللہ یہ ثابت کریں گے کہ یہ اناجیل منجیِ جہان کی صلیبی موت کے تین سالوں کے اندر اندر اُن قدیم ترین ماخذوں سے تالیف کی گئیں جن میں سے (جیسا ہم حصہ دوم میں ثابت کر چکے ہیں) بعض اُسی زمانہ میں لکھے گئے تھے جب یہ واقعات رونما ہوئے تھے اور جب آنخداوند ابھی مصلوب بھی نہیں ہوئے تھے۔

رسولوں کے اعمال کی کتاب (جو انجیلی مجموعہ میں پانچویں کتاب ہے) انجیلِ سوم کے بعد لکھی گئی (اعمال ۱:۱) ہم دوسرے حصہ کے ابواب اوّل کی فصل سوم میں بتلا چکے ہیں کہ انجیل سوم کے مصنف مقدس لوقا نے انجیل دوم کو بطورِ ایک ماخذ کے استعمال کیا ہے۔ پس مقدس لوقا کی انجیل مرقس کی انجیل کے بعد لکھی گئی تھی۔ لہذا اگر ہم سب سے پہلے رسولوں کے اعمال کی تاریخ تصنیف کو معین کرلیں تو مقدس لوقا اور مقدس مرقس کی انجیلوں کی تاریخِ تصنیف کو معلوم کرنے میں سہولت ہو جائے گی اور ہم وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکیں گے کہ یہ دونوں اناجیل رسالہ اعمال کے فلاں سنِ تصنیف سے پہلے احاطہ تحریر میں آچکی تھیں۔

باب اوّل

تاریخِ تصنیف رسالہ اعمال الرسل

فصل اوّل

تاریخِ تصنیف کی اندرونی شہادت

عموماً یہ خیال کیا جاتاہے کہ اعمال کی کتاب ۸۵ء کے قریب لکھی گئی تھی [1]۔ لیکن کتاب کی اندرونی شہادت اس تاریخ کے خلاف ہے اور یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ تاریخ درست نہیں ہوسکتی بلکہ اگر ہم رسولوں کے اعمال کی کتاب کا غور وتدبر سے مطالعہ کریں تو اس کے غائر (گہرا) مطالعہ اور اندرونی شہادت سے یہ ثابت ہوجاتاہے کہ یہ کتاب ۶۰ء کے قریب لکھی گئی تھی۔

کسی تاریخ کی کتاب کا سن تصنیف معلوم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم یہ معلوم کریں کہ اس میں آخری واقعہ جو درج ہواہے وہ کس سال میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ اعمال کی کتاب کے آخری باب میں مقدس پولُس کے شہر روم میں پہنچنے کا ذکر پایا جاتاہے تاکہ وہ قیصرِ روم کے سامنے اپنی صفائی پیش کرسکیں چنانچہ اس کتاب کے آخری الفاظ یہ ہیں"۔ جب ہم روم میں پہنچے تو پولُس کو اجازت ہوئی کہ اکیلا اس سپاہی کے ساتھ رہے جو اس پر پہرا دیتا تھا۔ تین روز کے بعد اس نے یہودیوں کے رئیس کو بلوایا۔ وہ اس سے ایک دن ٹھہرا کر کثرت سے اس کے ہاں جمع ہوئے۔ بعض نے اس کی باتوں کو مان لیا اور بعض نے نہ مانا۔۔۔۔ اور پولُس پورے دوبرس اپنے کرایہ کے گھر میں رہا اور جو اس کے پاس آتے تھے ان سب سے ملتا رہا اور کمال دلیری سے بغیر روک ٹوک کے خدا کی بادشاہیت کی منادی کرتا اور سیدنا مسیح کی باتیں سکھاتا رہا"۔

یہ آخری تاریخی واقعہ ہے جو اس کتاب کے تتمہ (اختتام) میں پایا جاتاہے۔ "یہ دوسال" جن کا ذکر اس تتمہ میں کیا گیاہے ۵۸ء تا ۶۰ء کے بعد کسی تاریخی واقعہ کا ذکر موجود نہیں۔ پس نتیجہ ظاہر ہے کہ مقدس لوقا نے یہ کتاب ۶۰ء کے اختتام سے پہلے اُن دوسالوں کے درمیان لکھی جب مقدس پولُس رسول روم میں تھے اور مقدس لوقا آپ کی معیت (ساتھ، ہمراہی) میں رہتے تھے (کلسیوں ۴: ۱۴) اور کہ یہ تتمہ (آیات ۳۰، ۳۱) ۶۰ء میں لکھا گیا۔

موجودہ تتمہ کتاب کو یکایک اور اچانک بے ربطی کے ساتھ ختم کردیتاہے۔ اس کتاب کا لکھنے والا ایک نہایت قابل مصنف ہے جو فنون لطیفہ میں مہارت تامہ (پوری لیاقت) رکھتاہے۔ وہ اعلیٰ ترین انشاء پرداز (ادیب، نثر کو لکھنے والا) بھی ہے۔ اس پایہ کے شخص سے یہ اُمید نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنی کتاب کو ایسے بے ڈھنگے طریقہ سے ختم کرے۔ اس قسم کے مصنف کے قلم سے اس قسم کا بھدا خاتمہ تب ہی ممکن ہوسکتاہے جب یہ مان لیا جائے کہ

[1] Peake's Commentary p.744.

جب مصنف روم میں مقدس پولُس کا ساتھی تھا تواس دو برس کے عرصہ میں اس نے یہ کتاب لکھی تھی۔ صرف اس حالت میں ہی یہ آخری فقرہ ایک موزوں خاتمہ ہوسکتا ہے[1]۔

اگراعمال کی کتاب قیصر نیرو کے فیصلہ کے بیس یا پچیس برس بعد لکھی جاتی تو مقدس لوقا کے پایہ کاانشاءپرداز اس قسم کے خاتمہ سے کتاب کو کبھی ختم نہ کرتا کیونکہ قیصر کا فیصلہ خواہ کچھ ہی ہوتا وہ اس کتاب کے مصنف کے لئے انتہائی درجہ کا موزوں خاتمہ ہوتا جو مقدس لوقا کے پایہ کے مصنف کا منتہائے کمال (انتہا کو پہنچا ہوا، پورا کامل) ہوتا[2]۔ چنانچہ اگر خاتمہ میں اس بات کا ذکر ہوتا کہ قیصر نے مقدس پولُس کے مقدمہ کی سماعت کے بعد آپ کو بری کردیا تھا تو یہ حقیقت مسیحیت کی آزادی کا شاہی منشور (شاہی فرمان) اور رسول مقبول کے کارناموں کا تاج ہوتی۔ پس اس قسم کا خاتمہ اس تالیف کا منتہائے کمال ہوتا۔ لیکن اگر قیصر نیرو مقدمہ کی سماعت کے بعد آپ کو واجب القتل قرار دے دیتا تو آپ کی زندگی کے اس مبارک انجام کا ذکر کتاب کا نہ صرف قدرتی خاتمہ ہوتا بلکہ آپ کی شہادت کا بیان اس کتاب کا شاندار اختتام ہوتا۔

پس موجودہ خاتمہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اعمال کی کتاب مقدس پولُس کی حراست کے دوران میں لکھی گئی تھی اور اس کا خاتمہ ۶۰ء کے قریب ہوا۔

(۲)

(ا۔) ایک اور تواریخی امر قابل غور ہے۔ ان رُومی حکام کے سامنے صرف دو حل طلب سوال تھے: (ا۔) کیا مسیحی کسی ایسے مذہب کے پرستار ہیں جو ازروئے قانون وجود میں رہ سکتا ہے (۲۔) کیا وہ اپنے قول اور فعل سے کسی ایسی بات کے مرتکب ہوئے ہیں جس کی وجہ سے سلطنت کو مداخلت کرنی پڑے (اعمال ۲۳:۲۹؛۲۵:۱۶؛۲۶:۳۱)۔ اگر یہ درست ہے کہ حکام کو صرف انہی سوالوں کا فیصلہ دینا تھا تو لازم آتا ہے کہ اعمال کی کتاب پہلی صدی کے خاتمہ میں نہیں بلکہ اس سے بہت پہلے لکھی گئی ہو کیونکہ یہ سوال کہ آیا کوئی مذہب ازروئے قانون وجود میں رہ سکتا ہے یا کہ نہیں بڑی تیزی کے ساتھ مٹ رہا تھا[3]۔

(۲۔) ہمارے پاس یہ ماننے کے لئے کافی وجوہ (وجہ کی جمع) ہیں کہ ان دو سالوں کے بعد قیصرِ روم نے مقدس پولُس کے مقدمہ کی سماعت کرکے آپ کو بری قرار دے کر رہا کردیا تھا اگر یہ کتاب ۶۰ء کے بعد لکھی جاتی تو مقدس لوقا اس مقدمہ کا اور رسول مقبول کی رہائی کا ضرور ذکر کرتے کیونکہ قیصر روم کا فیصلہ مسیحیت کے پرچار کے حق میں نہایت اہم قسم کا تھا۔ مقدس لوقا تفصیل کو کام میں لاکر عدالتوں کی پیشیوں کا ذکر ابواب (اعمال ۲۲ تا ۲۶) میں کرتے ہیں۔ کیا یہ امر قرینِ عقل (وہ بات جسے عقل قبول کرے) ہوسکتا ہے کہ اگر کتاب کے لکھنے سے پہلے مقدس لوقا کو شاہنشاہ روم کے بری کرنے کے فیصلہ کا علم ہوتا تو وہ ایسے زبردست واقعہ کو نظر انداز کردیتے جو کلیسیا کے حق میں نہایت اہم قسم کا تھا۔ قیصر روم کا عدالتی فیصلہ مسیحی کلیسیا کی ہستی، بقا اور آزادی کے لئے ایک شاہی منشور تھا۔ ایسے اہم اور زبردست واقعہ کے ذکر کا نہ ہونا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یہ کتاب اس واقعہ کے رونما ہونے سے پہلے احاطہِ تحریر میں آچکی تھی۔

---

1 Beginnings of Christianity Part I.Vol2 by Foakes Jackson and Kirsopp Lake 1922 p.309
2 Adeney St Luke (Century Bible)p.42
3 See W.M. Ramsay, The Chruch in the Roman Empire Befor 170 (1893) also Beginnings of Christianity Part1 Vol2 pp.179-187.

ہمیں یادرکھنا چاہیے کہ مقدس لوقا مذکورہ بالا پانچ ابواب میں (اعمال ۲۲تا۲۶) مختلف حکام کے سامنے مقدس رسول کے مقدمہ کی سماعت کا اس لئے ذکر کرتے ہیں تاکہ ہر خاص وعام پر ظاہر ہوجائے کہ ان حکام کی نظر میں مسیحی مذہب کے اصول رومی سلطنت کے قانون کے مطابق قابل عتاب (ملامت کے لائق) نہیں تھے (اعمال ۲۳: ۲۹؛ ۲۴: ۲۷؛ ۲۶: ۳۰۔ ۳۱؛ ۲۸: ۱۸ وغیرہ)۔ یہ پانچ باب (۲۲تا۲۶) مقدموں اور کچہریوں سے بھرے پڑے ہیں۔ بلکہ (اعمال ۱۶ باب سے آخر تک) پوُلس رسول کی زندگی کے واقعات درحقیقت ایک عدالت سے دوسری اور دوسری سے تیسری عدالت میں جاکر رہائی پانے پر ہی مشتمل ہیں۔ کرنتھ میں گیلیو جو رومی سلطنت کے قائدین میں سے تھا۔ مقدمہ کو خارج کردیتا ہے۔ افسس کے "ایشیارک" جو اپنے ملک میں صاحبِ ثروت (امیر) اور مقتدر (اختیار والا) لوگ تھے فساد کے دوران میں مقدس رسول کے حامی نظر آتے ہیں۔ شہر کا "محرر" (کاتب، منشی) آپ کو علانیہ صلح پسند اور امن کا حامی قرار دیتا ہے۔ کلاڈیس لسیاس سوائے ایک موقعہ کے جب وہ یہود کے زیر اثر تھا آپ سے نرمی کا برتاؤ کرتا ہے۔ فیلکس اور فیستس جو "پروکیوریٹر" تھے آپ کو مجرم نہیں گردانتے اور نہ آپ کو دشمنوں کے حوالے کردیتے ہیں۔ اگرپا بادشاہ خود یہودی تھا لیکن وہ بھی آپ کو بری قرار دیتا ہے۔

فیستس کے سامنے کی پیشی سے ظاہر ہے کہ اگرچہ مقدمہ یہودی رسوم اور ہیکل کو ناپاک کرنے سے متعلق تھا لیکن دراصل الزام پولٹیکل تھا جس طرح کا الزام سیدنا مسیح کے خلاف تھا۔ پس مقدس لوقا نے اعمال کی کتاب کے مقدمہ کی صفائی کے لئے لکھی اور کلیسیا کی ابتدا سے اس کا پولٹیکل کے طور پر بے ضرر ہونا ثابت کیا۔ مصنف کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا مسیح اہلِ یہود کا مسیح ہے۔ پس اس کے پیروؤں کو وہی مذہبی آزادی حاصل ہونی چاہیے جو اہلِ یہود کو حاصل ہے۔ وہ مقدس پوُلس کے رومی سلطنت کے شہروں میں جانے اور وہاں فسادات ہونے کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگرچہ ان شہروں میں فسادات واقع ہوئے لیکن ان کے ذمہ دار یہود تھے اور رومی مجسٹریٹ تک کا یہ فیصلہ تھا کہ مقدس پوُلس نقصِ امن کے حامی نہیں تھے بلکہ آپ کے مخالف غیر قانونی کارروائیاں کرتے تھے[1]۔ ڈاکٹر پلوج (Plooj) کا نظریہ یہ ہے کہ تھیوفلس نیرو کے دربار میں ایک مقتدر اور بارسوخ مسیحی تھا اور لوقا نے انجیل اور اعمال الرسل کو اس کے لئے مقدس پوُلس کی صفائی کے طور پر لکھا تھا کہ اس کو معلوم ہوجائے کہ مسیحیت رومی سلطنت کے حق میں کوئی خطرناک شے نہیں ہے[2]۔ قیصرِ روم کا عدالتی فیصلہ ایک قطعی فیصلہ تھا جس کے آگے تمام دنیا کا سر جھکتا تھا۔ پس اگر اس کتاب کے لکھنے سے پہلے مقدس لوقا کو اس فیصلہ کا علم ہوتا تو جہاں وہ معمولی حکام کے فیصلوں کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں وہ نہایت تفصیل کے ساتھ رسول مقبول کی قیصر کے سامنے پیشی کا اور مقدمہ کی سماعت اور اس کے فیصلے کا ذکر ضرور کرتے مصنف کی خاموشی نہایت معنی خیز ہے اور ثابت کرتی ہے کہ اعمال کی کتاب اس فیصلے سے پہلے لکھی گئی تھی اور یہی وجہ ہے کہ اس کا اس کتاب میں کوئی ذکر پایا نہیں جاتا۔

(۳۔) ہمارے پاس یہ ماننے کے لئے کافی دلائل ہیں کہ جب قیصرِ روم نے مقدس پوُلس کو بری کردیا تو رسولِ مقبول نے کریت، مقدونیہ اور افسس وغیرہ کلیسیاؤں کا دورہ کیا (طیطس ۱: ۵؛ ۱۱نطا: ۳؛ ۳: ۱۴؛ فلیمون آیت ۲۲۔ ۲۴)۔ اگر اعمال کی کتاب ان دوروں کے بعد لکھی جاتی تو یقیناً مقدس لوقا اپنی کتاب اعمال کے ۲۰: ۲۵،۳۸، آیات کے الفاظ کو ان کی موجودہ صورت میں نہ لکھتے۔

---

[1] Dr.J. Ironside Still St. Paul on Trial (S.C.M)

[2] Foakes Jackson and Kirsopp Lake, Beginnings of Christianity Part1 Vol2 p.309 note. See also Expositor Series 8 VIII pp.511-23. XIIIpp.108-24, Cf M. Jones Expositor Series,8.IXpp.217-34 See also W.M.Ramsay, The Church in the Roman Empire Befor 170 (1893)

علاوہ ازیں کلیسیائی روایت ہے کہ مقدس پولُس نے بری ہو کر ہسپانیہ میں انجیل جلیل کی نجات کا پیغام سنایا تھا۔ اغلباً یہ روایت درست ہے کیونکہ رسول مقبول کی مدت سے یہ خواہش تھی کہ روم سے ہسپانیہ جائے (رومیوں ۱۵: ۲۰۔۲۸)۔ اگر آپ نے واقعی ہسپانیہ میں انجیل کی تبلیغ کی تھی اور مقدس لوقا نے اعمال کی کتاب ۸۵ء میں لکھی تھی تو کتاب میں اس واقعہ کا ضرور ذکر ہوتا کیونکہ اس واقعہ کے ذکر سے سیدنا مسیح کے کلماتِ طیبات کی کامل طور پر تشریح اور توضیح ہو جاتی کہ "جب روح القدس تم پر نازل ہو گا تم یروشلیم اور یہودیہ اور سامریہ بلکہ زمین کی انتہا تک میرے گواہ ہوگئے "(اعمال ۱: ۸)۔ اعمال میں یروشلیم، سامریہ، یہودیہ اور دیگر مغرب کی جانب کے ممالک کا ذکر پایا جاتا ہے لیکن ہسپانیہ کا ذکر نہیں ملتا۔ جو "زمین کی انتہا" تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ مقدس لوقا نے اعمال کی کتاب کو رسول مقبول کے بری ہونے سے پہلے یعنی ۶۰ء میں لکھا تھا۔

(۴) جب مقدس پولُس کو قیصر روم نے بری کر دیا تو اس کے بعد چار سال تک (جیسا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں)۔ آپ مختلف مقامات میں آزادانہ انجیل جلیل کی بشارت بے کھٹکے دیتے رہے۔ چوتھے سال میں آپ پہلے کرنتھس میں گئے (۲۔ تیمتھیس ۴: ۲۰) وہاں سے آپ تروآس گئے۔ جب آپ وہاں تھے قیصر نیرو نے ۶۴ء میں اپنی خوفناک ایذارسانی شروع کر دی اور آپ قید ہو کر دوبارہ روم آئے۔ وہاں سے آپ نے کریسکینس کو گلتیہ کی جانب اور طیطس کو دلمتیہ کی جانب اور تخکس کو افسس کی طرف روانہ کیا (۲۔ تیمتھیس ۴: ۱۰۔ ۱۲)۔ اسی زمانہ میں آپ نے تیمتھیس کو دوسرا خط بھی بھیجا۔ ان باتوں سے ظاہر ہے کہ قید اور تشدد کے زمانہ میں بھی رسول مقبول کو اپنا خیال نہیں بلکہ کلیسیاؤں کا فکر ستاتا تھا۔ بالآخر مقدس رسول زندان (قید خانہ) سے مقتل کی جانب لے گئے اور ۶۴ء میں آپ کو شہید کر دیا گیا۔

اگر اعمال کی کتاب ۸۵ء میں لکھی جاتی تو یہ حیرت کا مقام ہوتا اگر مقدس لوقا اس کتاب میں آپ کی شہادت کا کہیں ذکر نہ کرتے۔ کیا یہ اس بات کا قطعی ثبوت نہیں کہ آپ نے اس کتاب کو مقدس رسول کی شہادت سے پہلے لکھا تھا؟ یہ امر بعید از قیاس بلکہ ناممکن ہے کہ اگر مقدس لوقا کو کتاب کے لکھنے سے پہلے آپ کی شہادت کا علم ہوتا تو وہ اُن واقعات کا مفصل ذکر نہ کرتے جو آپ کی شہادت کا باعث ہوئے تھے۔ مقدس لوقا مقدس ستفنس شہید کی شہادت کا مفصل ذکر کرتے ہیں (اعمال باب ۶، ۷)۔ اور جو آفتیں دیگر رسولوں پر ٹوٹ پڑی تھیں اُن کی تفصیلات بتلاتے ہیں (اعمال باب ۴ تا ۶ وغیرہ)۔ لیکن وہ اپنے آقا، دوست اور ہیرو کی شہادت کا بیان نہیں کرتے۔ اگر یہ واقعہ سن تصنیف سے پہلے ظہور میں آیا ہوتا تو یہ امر قرینِ عقل نہیں کہ وہ دیدہ دانستہ (جانتے بوجھتے، باخبر ہونا) اس واقعہ کا تفصیلی ذکر نہ کرتے۔ آپ کی خاموشی اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ اعمال کی کتاب اس زمانہ میں لکھی گئی تھی جب یہ سانحہ روح فرسا (روح تباہ کرنے والا، خطرناک) ابھی واقع نہیں ہوا تھا۔

(۵۔) اعمال کی کتاب میں نہ صرف مقدس پولُس کی شہادت کا ذکر موجود نہیں بلکہ کلیسیا کے دیگر سربرآوردہ (بزرگ) لیڈروں اور رسولوں کی شہادت کا بھی ذکر نہیں مثلاً کلیسیا کے سردار مقدس یعقوب (اعمال ۱۵: ۱۹)۔ ۶۲ء میں شہید کئے گئے لیکن اعمال میں ان کی شہادت کا ذکر نہیں پایا جاتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اس واقعہ سے پہلے ۶۰ء میں لکھی گئی تھی جب وہ ابھی یروشلیم کی کلیسیا پُر حکمران تھے۔

علاوہ ازیں کلیسیائی روایت کے مطابق مقدس پطرس رسول نے بھی قیصر نیرو کی ایذارسانی کے دنوں میں ۶۴ء میں اپنے خون سے اپنے ایمان پر مہر لگائی۔ لیکن ایسی زبردست شخصیت کی شہادت کا ذکر تو الگ اشارہ تک بھی اعمال کی کتاب میں نہیں ملتا۔ یہ بات ہمارے نتیجہ کی مصدق ہے کہ کتاب مذکورہ ۶۰ء میں لکھی گئی تھی جب مقدس رسول "کمال دلیری سے بے روک ٹوک" اپنے تبلیغی فرائض کو ادا کر رہے تھے۔

(٦۔) جب ہم اعمال کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہم اس میں اس وقت کی کلیسیا کے حالات بعینہ (ویسا ہی، جوں کا توں) وہی پاتے ہیں جو ۶۴ء سے پہلے موجود تھے۔ رومی سلطنت ابھی تک اگر مسیحیت کے حق میں نہیں تھی تو اس کے برخلاف بھی نہ تھی۔ لیکن ۶۴ء کے بعد تمام نقشہ بدل گیا تھا کیونکہ تب قیصر نیرو (از ۵۴ء تا ۶۸ء) نے روم کو ۶۴ء میں آگ لگا کر اس کا الزام مسیحیوں پر لگا دیا تھا اور ان کو قتل وغارت کرنا شروع کر دیا تھا اور مسیحیت کے عظیم الشان مبلغین مقدس پطرس اور پولُس کو شہید کر دیا تھا۔ ۶۴ء کے بعد رومی سلطنت اور مسیحیت کے باہمی تعلقات کا نقشہ یوحنا عارف کے مکاشفات میں پایا جاتا ہے جہاں قیصر نیرو اور سلطنتِ روم کی نسبت لکھا ہے "پس وہ مجھے روح میں جنگل کو لے گیا وہاں میں نے قرمزی رنگ کے حیوان (قیصر نیرو) پر جو کفر کے ناموں سے لپا ہوا تھا اور جس کے سات سر اور دس سینگ تھے۔ ایک عورت (سلطنتِ روم) کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ یہ عورت ارغوانی اور قرمزی لباس پہنے ہوئے اور سونے اور جواہر اور موتیوں سے آراستہ تھی اور ایک سونے کا پیالہ مکروہات یعنی اس کی حرام کاریوں کی ناپاکیوں سے بھرا ہوا اس کے ہاتھ میں تھا اور اس کے ماتھے پر یہ نام لکھا ہوا تھا۔ راز، بڑا شہر بابل، کسبیوں اور زمین کی مکروہات کی ماں، اور میں نے اس عورت کو مقدسوں کے خون اور یسوع اور شہیدوں کے خون پینے سے متوالا دیکھا اور اسے دیکھ کر سخت حیران ہوا" (وغیرہ ۱۷: ۳ تا ۶)۔ ان آیات کے الفاظ میں اور مقدس پولُس کے قیصر کی دوہائی دینے (اعمال ۲۵: ۱۱) اور تتمہ (اختتامیہ) کے الفاظ "پولُس کمال دلیری سے بے روک ٹوک کے منادی کرتا رہا" میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہی فضا (۱۔ تیمتھیس ۲: ۱۔ ۲) آیات کی ہے۔ اگر مقدس لوقا اعمال کی کتاب کو ۸۵ء میں لکھتے تو آپ کے الفاظ مکاشفات کے الفاظ سے بھی زیادہ درشت (سخت) ہوتے کیونکہ نیرو کے جانشین مسیحیت کی ایذا رسانی میں اس سے بھی گوئے سبقت لے گئے تھے۔

(٧۔) رومی افواج نے (۷۰ء) میں یروشلیم کو فتح کرکے ہیکل کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس واقعہ نے نہ صرف اہل یہود کی تاریخ پر مستقل اثر ڈالا بلکہ اس نے مسیحی کلیسیا کی بھی کایا پلٹ دی۔ (۷۰ء) کے بعد یہود تمام دنیا میں پراگندہ ہو گئے اور غیر یہودی اقوام جوق درجوق مسیحیت کی حلقہ بگوش ہو گئیں اور ہر کہ ومہ (ہر چھوٹا بڑا) پر روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ مسیحیت یہودیت کی شاخ نہیں بلکہ ایک مستقل عالمگیر مذہب ہے جس کے اُصول ہر ملک وملت پر حاوی ہیں۔

مقدس لوقا نے اپنی انجیل اور اعمال کی کتاب غیر یہود اقوام کی خاطر لکھی تھی۔ اگر کتاب کے لکھنے کے وقت اس کو یروشلیم کی بربادی جیسے اہم ترین واقعہ کا علم ہوتا تو یہ ناممکن امر تھا کہ وہ اس سے پورا فائدہ نہ اٹھاتا اور ہیکل کی بربادی کا ذکر کرکے ان نتائج کو جو اس میں مضمر تھے اپنے ناظرین پر واضح نہ کرتا۔ لیکن کتاب میں اس عظیم واقع اور اس کے نتائج کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔

اگر کتاب کی تصنیف کے وقت شہر یروشلیم اور اس کی ہیکل برباد ہوتے اور اہلِ یہود اطرافِ عالم میں پراگندہ ہوتے تو مصنف (اعمال ابواب ۳، ۴، ۵، ۲۱) کے واقعات کو اس قدر اہمیت نہ دیتا اور نہ ان کو ایسی طوالت کے ساتھ لکھتا کہ وہ کتاب کا تقریباً چھٹواں حصہ ہو جائے۔ تمام کتاب میں اس بات کا اشارہ تک نہیں ملتا کہ شہر یروشلیم برباد ہو چکا ہے۔ ہیکل کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی ہے۔ قوم یہود کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ کتاب میں اس قسم کے انقلابی واقعات کے ذکر کا نہ ہونا، اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ کتاب ایسے زمانہ میں لکھی گئی تھی جب کسی کے خواب وخیال میں بھی نہیں آیا تھا کہ اس قسم کے واقعات جلدی رونما ہوں گے۔ پس یہ کتاب (۶۰ء) کے بعد تصنیف نہیں ہوئی۔

اگر اس کتاب کے لکھے جانے سے پیشتر یروشلیم تباہ ہو گیا ہوتا اور آنخداوند کی پیشینگوئی پوری ہو گئی ہوتی تو مقدس لوقا اس کتاب میں سیدنا مسیح کی پیشینگوئی اور اس کے پورا ہونے کا ضرور ذکر کرتے۔ جس طرح آپ نے اگبس کی پیشینگوئی کا ذکر کر کے اس کے پورا ہونے کا بھی ذکر کیا تھا (اعمال ۱۱: ۲۸)۔ لیکن مقدس لوقا اس بات کا ذکر چھوڑ اشارہ تک نہیں کرتے۔ جس سے ظاہر ہے کہ شہر یروشلیم اور ہیکل دونوں اس کتاب کی تصنیف کے وقت سلامت تھے۔

چونکہ یروشلیم کی بربادی کی دلیل نہایت زبردست دلیل ہے لہٰذا ناظرین کی واقفیت کے لئے ہم اس واقعہ کا مختصر ذکر کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

(۶۲ء سے ۶۶ء) تک رومی گورنروں کی حکومت اہلِ یہود کے لئے نہایت تکلیف دہ تھی۔ چنانچہ گورنر البی نس (از ۶۲ء تا ۶۴ء) اور گورنر فلورس (از ۶۴ء تا ۶۶ء) کے ایامِ حکومت یروشلیم اور قومِ یہود کے لئے نہایت نازک دن تھے۔ ادھر زیلوتیس کے فرقہ اور دیگر فسادی یہود نے حکام کا دم ناک میں کر رکھا تھا۔ زیلوتیس رومی حکام کا اطاعت کرنا اور اُن کو ٹیکس ادا کرنا قوم کے خلاف غداری اور جُرم تصور کرتے تھے۔ (۶۶ء) کے موسم بہار میں فلورس کے مظالم کی وجہ سے فساد برپا ہوئے۔ گورنر کو شہر سے باہر نکال دیا گیا۔ بغاوت ہر چہار سو پھیل گئی اور کنعان کے مختلف شہروں میں یہود اور غیر یہود میں خانہ جنگی چھڑ گئی۔ اس پر شام کا گورنر سیس ٹیئس گیلس ایک لشکر جرار لے کر آیا۔ اس نے یروشلیم پہنچ کر شمال کے مضافات کی اینٹ سے اینٹ بجادی لیکن اس میں یہ ہمت نہ ہوئی کہ شہر پر حملہ کرے۔ جب وہ واپس جا رہا تھا تو (نومبر ۶۶ء) میں یہود اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔ اس پر شہر یروشلیم کے مسیحی یردن پر پیلا میں چلے گئے۔ بغاوت کی آخری منزل (۷۰ء) کا واقعہ ہائلہ تھا۔ جب طیطس بے شمار افواج کے ساتھ (۷۰ء) کی عیدِ فسح کے تہوار سے پہلے یروشلیم پر حملہ آور ہوا۔ تہوار کی وجہ سے ہزاروں یہودی اور ارضِ مقدس کے مختلف مقامات سے یروشلیم آئے ہوئے تھے۔ محاصرہ کی وجہ سے کال اور وبا نے یروشلیم میں خوب جشن منایا اور لاکھوں لاشیں فصیل کے باہر پھینکی گئیں۔ طیطس نہیں چاہتا تھا کہ ہیکل جیسی خوبصورت عمارت تباہ ہو جائے۔ پس اس نے سخت احکام جاری کئے لیکن ایک منچلے سپاہی نے جلتی مشعل ہیکل کے اندر پھینک ہی جس کی وجہ سے ہر طرف آگ پھیل گئی اور فوج نے بے لگام ہو کر ہیکل کو ایسا تباہ و برباد کر دیا کہ اس پر پتھر پر پتھر نہ رہا (متی ۲۴: ۲)۔ اس جنگ میں دس لاکھ کے قریب یہودی مارے گئے۔

(۷۰ء) میں زیلوتیس کا فرقہ برسرِ اقتدار تھا۔ لیکن جب طیطس نے شہر کو فتح کر لیا تو وہ بھی بے دست وپا (اپاہج، مجبور، لاچار) ہو گئے کیونکہ رومی سلطنت کی قوت و حشمت کے سامنے وہ بے بس تھے۔ پس ان کا خاتمہ ایک لازمی اور ناگریز امر تھا۔ (۱۳۵ء) کے واقعہ کے بعد یروشلیم کا رومیوں نے کلیۃً خاتمہ کر دیا اور اس سال بار کوکب کی بغاوت کے بعد فرقہ زیلوتیس کے پیرو اہلِ یہود کی تاریخ کے صفحوں سے مٹ گئے۔

(۷۰ء) کے بعد صدوقیوں کی جماعت کا بھی خاتمہ ہو گیا کیونکہ حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ اس پارٹی کا بقا ناممکن ہو گیا تھا۔ ہیکل کی بربادی کے ساتھ ہی سالانہ تہواروں اور کہانت کے فرائض کی ضرورت بھی ختم ہو گئی تھی۔ سیاسی دُنیا میں ان کا وجود نہ رہا۔ اناجیل میں جو باتیں ان کی بابت اور ہیرودیس بادشاہوں کے متعلق درج ہیں وہ صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔

اب (۶۶ء اور ۷۰ء) کے درمیان کے واقعات کا نہ تو اعمال کی کتاب میں اور نہ کسی انجیل میں اشارہ پایا جاتا ہے جو اعمال سے پہلے لکھی گئی تھیں۔ پس یہ خاموشی نہایت معنی خیز ہے کیونکہ اعمال کی کتاب کی فضا اس جنگ و جدل کی فضا سے بالکل جدا ہے۔

(۸۔) یہودی اور یونانی فلسفیانہ خیالات کی وجہ سے پہلی صدی میں چند بدعتیں رونما ہونی شروع ہوگئیں۔ لیکن اعمال کی کتاب میں ان بدعتوں کا کہیں نشان بھی نہیں ملتا۔ اگر یہ کتاب(۸۵ء) میں لکھی گئی ہوتی تو مقدس لوقاان کا ذکر مفصل طور پر کرتے کیونکہ اس وقت یہ غناسطی بدعتیں بہت ترقی کر چکی تھیں۔ چنانچہ مقدس پولُس رسول خود ان بدعتوں کا ذکر کلسیوں کے خط میں کرتے ہیں جو (۶۳ء) میں لکھا گیا تھا (کلسیوں ۲: ۱۶، ۱۸، ۲۰۔ ۲۳: ۱۔ تیمتھیس ۱: ۷؛ ۴: ۶؛ ۳: ۲۰ وغیرہ)۔ چونکہ ان بدعتوں کا اشارہ تک اعمال کی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ پس نتیجہ ظاہر ہے کہ یہ کتاب ان بدعتوں کے ظاہر ہونے سے پہلے (۶۰ء) میں لکھی گئی تھی۔

(۹۔) جب ہم اعمال الرسل کا بنظرِ تعمق (باریک بینی سے) مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعض مقامات میں ایسے نام پائے جاتے ہیں جن کا واقعات کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہیں۔ مثلاً (اعمال ۱۷: ۵؛ ۱۹: ۳۳؛ ۲۱: ۱۶؛ ۲۸: ۱۱) وغیرہ مقامات میں ایسے ناموں کا ذکر ہے جو اگر نہ لکھے جاتے تو بیان میں کسی قسم کا کوئی ہرج واقع نہ ہوتا۔ یہ نام محض اس وجہ سے یاد رہے اور کتاب میں لکھے گئے کیونکہ وہ واقعات (جن میں ان کا ذکر آتا ہے) ابھی تازہ ہی تھے لیکن اگر اعمال کی کتاب (۸۵ء) میں لکھی جاتی تو یہ نام کب کے فراموش ہوگئے تھے۔ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی اور معمولی تفصیلات بھی ہمارے اس نتیجہ کی مصدق ہیں کہ مقدس لوقا نے اعمال کی کتاب (۶۰ء) میں تصنیف کی تھی۔

(۱۰۔) جب یروشلیم تباہ ہوگیا اور اہل یہود ہر چہار سو پراگندہ ہوگئے (تو جیسا ہم اوپر بتلا چکے ہیں) صدوقیوں کا مقتدر فرقہ بھی ختم ہو کر ناپید ہوگیا۔ حُریت پسند یہودیت کے عالم یوحنا بن زکی نے جبنہ میں اپنے اسکول (مسلک) کی بنیاد ڈالی [1]۔ اس جگہ آزاد خیال ربیوں کے خیالات، معمولات اور الہیات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ مسلک صلح پسند فریسیوں کا نمائندہ تھا اور اس کے بانی کو تمام یہود عزت و تکریم کی نگاہوں سے دیکھتے تھے لیکن اعمال کی کتاب میں اس مسلک کا نشان تک نظر نہیں آتا۔ اگر یہ کتاب (۸۵ء) میں لکھی جاتی تو یہ ناممکن امر تھا کہ اس آزاد خیال پسند یہودی فرقہ کا ذکر تک نہ ہوتا۔ اس کے برعکس تمام کتاب میں صدوقیوں کا فرقہ زندہ اور ہر جگہ اپنے اقتدار اور رسوخ سے کام لیتا نظر آتا ہے۔ ہر جگہ فقیہوں کے ساتھ بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری ہے اور فریسیوں کے برادر کش سخت رویہ کا اور اُن کی سخت دلی اور ایذا دینے کا ہر جگہ چرچا پایا جاتا ہے (اعمال ۲۲: ۲۲ وغیرہ)۔
اعمال کی کتاب کی تمام فضا یہی ہے اور وہ اس فضا سے باہر نہیں جاتی۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اس زمانہ میں لکھی گئی جب یروشلیم کی ہیکل ابھی کھڑی تھی، صدوقیوں کا فرقہ برسرِ اقتدار تھا، فقیہوں اور فریسیوں کی مخالفت روز بروز ترقی پر تھی اور ہر طرف مسیحیت کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ یہ تمام حالات ثابت کرتے ہیں کہ مقدس لوقا نے رسولوں کے اعمال کو (۶۰ء) میں تصنیف کیا تھا۔

---

[1] The Beginnings of Christianity Part1.Vol1 p.118.

فصل دوم

اعمال کی زبان، خیالات اور معتقدات

اعمال کی کتاب کی زبان، خیالات اور معتقدات اس نظریہ کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ کتاب (۸۵ء) میں نہیں بلکہ اس سے پچیس (۲۵) برس پہلے لکھی گئی تھی۔ جب ہم اس کتاب کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں کلیسیا کی زندگی کے ابتدائی ایام کے خیالات اور معتقدات (اعتقاد رکھنے والا) پائے جاتے ہیں۔ اور کہ ان خیالات کی ادائیگی کا طور وطریقہ بھی اُسی زمانہ کا ہے۔ کتاب کا اسلوب بیان، الفاظ کی بندش اور اندازِ بیان بالکل اسی قسم کا ہے جو اناجیل اربعہ کا ہے اور یہ طرز پہلی صدی کے اواخر کی تصنیف شدہ کتابوں سے بالکل الگ ہے۔ اس کتاب کے آخری ابواب کے اندازِ بیان میں اور مقدس پولُس کے آخری خطوط میں (جن کو عموماً پاسبانی خطوط کہتے ہیں) بہت مشابہت پائی جاتی ہے [1]۔

ذیل میں ہم ان چند خیالات اور معتقدات کا مختصر ذکر کرتے ہیں:۔

(۱۔) اگر اعمال کی کتاب (۸۵ء) میں لکھی جاتی تو اعمال کے پہلے باب کا دوسرا حصہ اس کی موجودہ شکل میں نہ لکھا جاتا۔ کیونکہ جس خیال کے مطابق مقدس متیاہ کا چناؤ ہوا تھا۔ اس خیال کا تعلق کلیسیا کی زندگی کے ابتدائی زمانہ کے ساتھ ہے۔ یہ خیال سیدنا مسیح کے اُس قول پر مبنی تھا جو (متی ۱۹: ۲۷۔۲۸؛ لوقا ۲۲: ۲۹۔۳۰) میں مندرج ہے [2]۔ یروشلیم کی بربادی سے پہلے ان آیات کو لفظ بلفظ مانا جاتا تھا۔ اس خیال کے مطابق یہوداہ غدار کی خودکشی سے جو جگہ خالی ہوئی تھی اس کو پر کرنا لازم تھا تاکہ عدالت کے دن بارہ (۱۲) رسول بارہ (۱۲) تختوں پر بیٹھ سکیں اور کوئی تخت خالی نہ رہ جائے۔ جب شہر یروشلیم برباد ہو گیا اور یہود کے بارہ (۱۲) قبائل تتر بتر ہو گئے تو اس خیال کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اگر اعمال کی کتاب (۸۵ء) میں لکھی جاتی تو اس قسم کے خیالات کو کبھی اہمیت نہ دی جاتی اور مقدس متیاہ کے انتخاب کا واقعہ بآسانی نظر انداز کر دیا جاتا خصوصاً جب پہلے باب کے بعد اس مقدس کا ذکر کہیں پایا نہیں جاتا۔ پس ظاہر ہے کہ یہ کتاب اہلِ یہود کی پراگندگی سے پہلے لکھی گئی تھی۔

(۲۔) اعمال کی کتاب میں مقدس پولُس رسول کی جو تقریریں درج کی گئی ہیں، وہ رسولِ مقبول کے خیالات کے ارتقاء کی ابتدائی منازل ہی سے متعلق ہیں، جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بھی دیگر یہودی مسیحیوں کی طرح شریعت کے بارے میں سرگرم" تھے (اعمال ۱۶: ۳؛ ۲۱: ۲۶ وغیرہ)۔ یہ خیالات اہلِ یہود کی پراگندگی سے پہلے کلیسیا میں رائج ہو سکتے تھے لیکن اس واقعہ کے بعد ان کا وجود ناممکن ہو گیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد کلیسیاؤں میں (جو زیادہ تر غیر یہود تھیں)۔ رسولِ مقبول کے وہ خیالات اور معتقدات مروج ہو گئے جن کا ذکر آپ نے گلتیوں اور رومیوں کے خطوط میں کیا تھا اور جن کے مطابق مسیحیت، موسوی شریعت اور یہودی پابندیوں سے کلیتہً آزاد تھی۔ اگر اعمال کی کتاب (۸۵ء) میں لکھی جاتی تو مقدس لوقا پولُس رسول کے ابتدائی خیالات کا مفصل ذکر کرنے کی بجائے حالات کے بدل جانے کی وجہ سے رسول کے اُن خصوصی خیالات اور معتقدات کا مفصل

---

[1] Ibid p.299

[2] H.R. Mackintosh, The Doctrine of the Person of Jesus Christ p.48

ذکر کرتا جو پہلی صدی کے آواخر میں غیر یہودی کلیسیاؤں میں مروج تھے۔اس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب یروشلیم کی تباہی اور قوم یہود کی بربادی سے بہت پہلے لکھی گئی تھی۔

(۳۔) اعمال کی کتاب میں سیدنا مسیح کی ذات کے متعلق جو تعلیم پائی جاتی ہے وہ کلیسیا کی زندگی کے ابتدائی زمانہ سے متعلق ہے جب کلیسیا کو ابھی ضرورت نہ پڑی تھی کہ سیدنا مسیح کی ذات کے متعلق غور وفکر کرکے اپنے معتقدات کو فلفسیانہ الفاظ کے ذریعہ واضح کرے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس اوائل زمانہ میں بزرگانِ کلیسیا سیدنا مسیح کی ذات پر غور وفکر نہیں کرتے تھے۔بلکہ آپ کے ساتھ والہانہ عشق رکھتے تھے، جس کا منبع اور سرچشمہ وہ تجربہ تھا جو اُن کو فاتح اور جلال نجات دہندہ کے ساتھ شخصی طور پر حاصل تھا[1]۔

اوائل ہی سے منجی عالمین کی ذاتِ پاک پر عہدِ عتیق کی کتُبِ مقدسہ کے بعض ناموں کا اطلاق کیا گیا تھا۔ مثلاً ابن آدم، خدا کا بیٹا، خدا کا خادم، موسیٰ کی مانند نبی، اور خداوند۔ جب ہم ان القاب کا بنظرِ تعمق مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اعمال کی کتاب میں ان تمام اصطلاحات کا اطلاق آنخداوند پر اُن کے ابتدائی معنوں میں ہی کیا گیا ہے۔ مثلاً ابن آدم کا لقب، جو اناجیل اربعہ میں صرف کلمۃ اللہ کی زبانِ معجز بیان پر پایا جاتا ہے۔اعمال میں مقدس ستفنس کی زبان پر ہے (اعمال ۷: ۵۶)۔ اور اس کے بعد یہ لقب کہیں نہیں ملتا۔ اسی طرح منجی عالمین کے لئے " خدا کا بیٹا" استعمال کیا گیا ہے (اعمال ۸: ۳۷؛ ۹: ۲۰ وغیرہ)۔ لیکن اس اصطلاح میں تاحال کوئی فلسفیانہ مطالب موجود نہیں۔اصطلاح "خدا کا خادم" (اعمال ۳: ۱۳ وغیرہ) میں بھی صرف ابتدائی منازل کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ گو اس کتاب میں سیدنا مسیح کے دکھ اٹھانے کو خادم یہوواہ کے دکھ اٹھانے پر منطبق (برابر، موافق، اوپر تلے ٹھیک آنے والا) کر دیا گیا ہے (اعمال ۸: ۲۶۔ ۳۶؛ یسعیاہ ۵۳: ۷ تا آخر)۔ تاہم اس سے بنی آدم کی نجات کے متعلق کوئی نتائج اخذ نہیں کئے گئے۔ مقدس پطرس رسول اور مقدس ستفنس کی تقریروں میں آنخداوند کی موت دیگر انبیاء کی شہادت کی مانند شریروں کی بداعمالی کا نتیجہ ہے (اعمال ۲: ۲۲۔ ۳۶؛ ۳: ۱۷؛ ۷: ۵۱۔ ۵۳)۔ اسی طرح "موسیٰ کی مانند نبی" کی پیشینگوئی کا اطلاق آنخداوند پر کیا گیا ہے (اعمال ۳: ۱۷۔ ۲۶)۔ لیکن اس سے کسی قسم کے نتائج اخذ نہیں کے گئے۔ پس اعمال کی کتاب کلیسیا کی زندگی کے ابتدائی دور کے ساتھ ہی تعلق رکھتی ہے۔

ایک اور مثال لفظ "مسیح" ہے۔ یہ لفظ مقدس پولُس کے ہر ایک خط میں بار بار بطور اسمِ معرفہ یا اسمِ خاص سیدنا مسیح کے لئے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ آپ کے ہر خط میں جابجا "یسوع مسیح"، "مسیح یسوع" یا صرف "مسیح" پایا جاتا ہے۔ لیکن اعمال کی کتاب میں یہ لفظ ایک جگہ بھی سیدنا مسیح کے لئے اسم خاص کے طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔ بلکہ صرف خطاب کے طور پر "مسیحِ موعود" کے معنوں میں ابن اللہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے (اعمال ۲: ۲۶؛ ۳: ۱۵؛ ۴: ۴۱؛ ۹: ۳۰: ۲۰؛ ۴۱: ۲۲؛ ۶۷: ۲۳؛ ۳۵: ۳۹؛ ۲۴: ۲۶، ۴۶ وغیرہ)۔ یہی حال انجیل سوم کا ہے۔ اس میں بھی یہ لفظ صرف خطاب کے طور پر ہی ہر جگہ آیا ہے مثلاً (لوقا ۲: ۱۱؛ ۴: ۴۱؛ ۱: ۲۶؛ ۲۴: ۲۶ وغیرہ)۔

مقدس یوحنا کی انجیل میں بھی یہ لفظ صرف خطاب کے طور پر ہی سولہ (۱۶) مقامات میں وارد ہوا ہے۔ انجیل متی میں یہ لفظ خطاب کے طور پر (۱۳) دفعہ اور انجیل مرقس میں خطاب کے طور پر چھ (۶) دفعہ استعمال ہوا ہے۔ پس یہ لفظ "مسیح" نہ تو کسی انجیل میں، اور نہ رسولوں کے اعمال کی کتاب میں، سیدنا مسیح کے لئے بطورِ اسم خاص کے ایک جگہ بھی استعمال نہیں ہوا۔ اس ایک نکتہ سے یہ ثابت ہے کہ چاروں اناجیل اور رسولوں کے اعمال کلیسیا کے اس ابتدائی دور سے متعلق ہیں جب ابھی سیدنا مسیح کو صرف بطور "مسیحِ موعود" مانا جاتا تھا۔ اور ابھی لفظ "مسیح" نے بطورِ اسم معرفہ عام مسیحیوں کی

---

[1] Foakes Jackson, Acts (Moffat's Commentary) p.XVI.

زبان پر رواج نہیں پکڑا تھا۔ایسا معلوم ہوتاہے کہ مقدس پولُس کے خطوط کی نقل، نشر اور اشاعت کی وجہ سے کلیسیا میں سیدنا مسیح کے لئے نام "مسیح" زبان زد(مشہور، معروف) خلائق (خلق کی جمع، مخلوقات) ہوگیااور اب دنیا بھر کے لوگ سیدنا عیسیٰ کو عموماً مسیح کے نام سے ہی جانتے ہیں۔

ایک اور مثال لفظ "خداوند" ہے۔ یہ لفظ "خداوند" پہلی دوانجیلوں میں بطور اسم خاص ابن اللہ کے لئے کہیں استعمال نہیں کیا گیا۔انجیل سوم میں لفظ "خداوند" کا اطلاق منجی عالمین کی ذاتِ پاک پر بطور اسمِ خاص کے صرف گیارہ مقامات میں کیا گیاہے۔رسولوں کے اعمال کی کتاب میں بھی یہ لفظ صرف کہیں کہیں بطور اسمِ خاص ابن اللہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اس زمانہ میں لکھی گئی تھی، جب لفظ "خداوند" منجی عالمین کے لئے ابھی شروع ہوا تھا لیکن وہ ابھی رواج نہیں پاچکا تھا۔لیکن ان مقامات (اعمال ۲: ۳۶؛ ۹: ۵؛ ۱۰: ۳۶) میں بھی اس اصطلاح سے مراد صرف "آقا ہے" اور بس۔ اگر اعمال لرسل (۶۰ء) کے بعد یا انجیل لوقا (۹۰ء) کے قریب لکھی جاتی تو "انجیل پطرس" کی طرح یسوع کی بجائے لفظ "خداوند" ہر جگہ استعمال کیا جاتا۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ مقدس پولُس ہر ایک خط میں ابن اللہ کے لئے اکثر لفظ "خداوند" استعمال کرتا ہے۔ پس اعمال کی کتاب میں آنخداوند کے لئے ایک اصطلاحی الفاظ موجود نہیں جو پہلی صدی کے اواخر میں آپ کے لئے عام طور پر استعمال ہوتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر فوکس جیکسن کہتے ہیں[1]۔

"مسیح کی ذات اور شخصیت کے متعلق اعمال کی کتاب میں جو خیالات پائے جاتے ہیں وہ اس قسم کے نہیں جو بعد کے زمانہ میں مروج تھے"۔

ایک اور امر قابل غور ہے۔ مقدس پولُس کی تحریرات میں ہر جگہ آنخداوند کی صلیبی موت کا تعلق بنی نوع انسان کی نجات کے ساتھ بتلایا گیا ہے۔ لیکن اعمال کی کتاب میں یہ تعلق موجود نہیں ہے۔اس کتاب میں آپ کی صلیبی موت کو اہلِ یہود کی شرارت سے متعلق کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ جب یہ کتاب لکھی گئی تھی تو اس وقت مسیحی عقائد اپنی ارتقا کی ابتدائی منازل میں ہی تھے۔

میں آخر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ سیدنا مسیح کے کلمات بلاغت نظام کے لئے اعمال کی میں کوئی اصطلاحی لفظ استعمال نہیں کیا گیا بلکہ صرف الفاظ "خداوند یسوع کی باتیں" استعمال کئے گئے (اعمال ۲۰: ۳۵)۔ اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ اس کتاب کا تعلق پہلی صدی کے اواخر سے نہیں بلکہ نصف کے ساتھ ہے۔ جب حضرت کلمۃ اللہ کی تعلیم کے لئے تاحال کوئی خاص لفظ یا اصطلاح تجویز نہیں کی گئی تھی۔ پس یہ نکتہ بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ یہ کتاب (۶۰ء) میں لکھی گئی تھی۔

(۴۔) پہلی صدی کے اواخر میں الفاظ "مسیحی" اور "مسیحیت" عام طور پر مروج تھے۔ لیکن اعمال کی کتاب میں یہ الفاظ مروج نہیں جس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اس زمانہ میں لکھی گئی تھی جب کلیسیا کے ممبروں کے لئے ابھی لفظ "مسیحی" عام استعمال نہیں کیا جاتا تھا اور سیدنا مسیح کے خصوصی اصولوں کے لئے لفظ "مسیحیت" وضع بھی نہیں کیا گیا تھا۔ اگر یہ کتاب (۶۰ء) کی بجائے پچیس (۲۵) سال بعد احاطہ تحریر میں آتی تو اس میں ایمان داروں کے لئے لفظ "مسیحی" زیادہ استعمال کیا جاتا کیونکہ اس صدی میں قیاصرہ (قیصر کی جمع، بادشاہ روم) روم کے تشدد آمیز رویہ کی وجہ سے لفظ "مسیحی" کی اصطلاح کلیسیا کے اندر اور باہر جڑ پکڑ چکی تھی۔

---

[1] Harnack, Luke the Physician p.24

عہدِ جدید میں لفظ " مسیحی " صرف تین جگہ وارد ہوا ہے یعنی (اعمال ۱۱: ۲۶؛ ۲۶: ۲۸؛ ۱۔ پطرس ۴: ۱۶)۔ پہلے مقام میں مقدس لوقا ہم کو بتلاتے ہیں کہ یہ شاگرد پہلے انطاکیہ میں ہی مسیحی کہلائے "۔ انطاکیہ کا شہر سکندریہ کی طرح ازراہِ تمسخر ہجو (مذاق یا گالی) یہ نام اور حقارت آمیز لقب دینے کے لئے مشہور تھا۔ جب شام کے دار السلطنت انطاکیہ کے شہر اور گردونواح میں مسیحیت پھیل گئی اور منجی عالمین کی وفات کے دس سال کے اندر غیر یہود جوق درجوق مسیحیت کے حلقہ بگوش ہوگئے تو بُت پرستوں کے لئے اہلِ یہود میں اور مسیح پر ایمان لانے والوں میں تمیز کرنا ایک لابدی امر (لازم) ہو گیا۔ اُنہوں نے غیر یہود ایمان داروں کو ازراہِ تمسخر " مسیحی " کہنا شروع کر دیا یعنی مسیح کے پیرو جس طرح ہیر دویس کے پیروؤں کو "ہیرودی" کہا جاتا تھا (متی ۲۲: ۱۶؛ مرقس ۳: ۶ وغیرہ)۔

لیکن منجی جہان پر ایمان لانے والے اپنے آپ کو " مسیحی " نہیں کہتے تھے۔ وہ اپنے اور دوسروں کے لئے عام طور پر الفاظ "بھائی"، "بھائیوں" وغیرہ کا استعمال کرتے تھے (اعمال ۶: ۳؛ ۹: ۳۰؛ ۱۰: ۲۳؛ ۱۱: ۱۲؛ ۱۲: ۱۷؛ ۱۴: ۲؛ وغیرہ۔ رومیوں ۱: ۱۳؛ ۱۲: ۱؛ ۱۶: ۱۴ وغیرہ۔ ۱۔ کرنتھیوں ۲: ۱؛ ۷: ۲۹؛ ۱۰: ۱؛ ۱۱: ۲؛ ۱۴: ۲۶؛ ۲۔ کرنتھیوں ۹: ۵؛ ۱۱: ۹؛ گلتیوں ۱: ۲؛ افسیوں ۶: ۲۳؛ فلپیوں ۱: ۱۴؛ ۱۔ تھسلنیکیوں ۴: ۱، ۱۰؛ ۱۔ تیمتھیس ۴: ۶؛ ۱۔ پطرس ۱: ۲۲؛ ۱۔ یوحنا ۳: ۱۴ وغیرہ)۔

بعض اوقات کلیسیا کے شرکاء کے لئے لفظ " شاگرد " استعمال کیا جاتا تھا (اعمال ۹: ۱، ۱۰؛ ۱۶: ۱؛ ۲۱: ۱۶؛ ۱۹: ۱؛ ۲۰: ۷ وغیرہ)۔ بعض اوقات لفظ " مقدس " استعمال ہوتا تھا (اعمال ۹: ۱۳، ۳۲، ۴۱؛ ۲۶: ۱۰؛ رومیوں ۱: ۷؛ ۱۲: ۱۳؛ ۱۵: ۲۶؛ ۱۔ کرنتھیوں ۶: ۱؛ ۱۴: ۳۳؛ ۲۔ کرنتھیوں ۱: ۲؛ ۱۳: ۱۳ وغیرہ)۔

اہلِ یہود سیدنا مسیح پر ایمان لانے والوں کو "ناصری" اور " گلیلی " کہا کرتے تھے۔ عہدِ جدید کی تمام کتُب میں کسی ایک مقام میں بھی ہم یہ نہیں پاتے کہ کلیسیا کے شرکاء نے اپنے آپ کو "مسیحی" کہا ہو۔

دوسرا مقام جہاں عہدِ جدید میں لفظ " مسیحی " وارد ہوا ہے (اعمال ۲۶: ۲۸) ہے۔ اس مقام میں مقدس پولُس رسول اگرپا کو خطاب کرکے کہتا ہے "اے اگرپا بادشاہ تو نبیوں کا یقین کرتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تو یقین کرتا ہے۔ اگرپا نے پولُس سے کہا۔ تو تو تھوڑی سی نصیحت کرکے مجھے مسیحی کر لینا چاہتا ہے "۔ یہ واقعہ اہل انطاکیہ کے لفظ " مسیحی " کو اختراع (نئی بات نکالنا) کرنے کے قریباً بیس (۲۰) سال بعد کا ہے۔ یہاں اگرپا بادشاہ بھی ازروئے تمسخر ایمان داروں کو حقارت آمیز لفظ " مسیحی " سے یاد کرتا ہے۔ جس طرح عصرِ حاضرہ میں پنجاب کے بعض دیہاتی غیر مسیحی، کلیسیا کے شرکاء کو " کرانی " کہتے ہیں۔ مقدس پولُس کی تحریرات میں کہیں لفظ " مسیحی " نہیں پایا جاتا۔

تیسرا مقام مقدس پطرس کے پہلے خط (۱۔ پطرس ۴: ۱۶) یہاں مقدس پطرس کلیسیا کے ممبروں کو فرماتے ہیں کہ اگر بُت پرست تم کو ازراہِ حقارت " مسیحی " کہتے ہیں یا تم کو مسیح کے نام کے سبب ملامت کرتے ہیں تو یہ امر تمہارے لئے عار (شرم) کا اور شرمانے کا موجب نہیں ہونا چاہیے بلکہ تم اس نام کے سبب خدا کی تمجید کرو۔ کیونکہ اگر مسیح کے نام کے سبب تم کو ملامت کی جاتی ہے تو تم مبارک ہو (۱۔ پطرس ۴: ۱۴۔ ۱۶)۔ مقدس پطرس کا یہ خط (۶۴ء) کے قریب لکھا گیا تھا۔ جس سے ظاہر ہے کہ کلیسیا کے شرکاء (۶۴ء) تک لفظ " مسیحی " اپنے لئے استعمال نہیں کرتے تھے۔ اس سال مقدس پولُس اور مقدس پطرس ابھی زندہ تھے۔ مقدس پولُس کی شہادت کے چند بعد ایپکٹٹس Epictetus منجی عالمین پر ایمان لانے والوں کے لئے لفظ " گلیلی " استعمال کرتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اعمال کی کتاب اس زمانہ میں لکھی گئی تھی جب کلیسیا کے شرکاء لفظ " مسیحی " کو اپنے لئے استعمال کرنا پسند

نہیں کرتے تھے اور نیک نہاد بُت پرست بھی (جو ایمانداروں کو طعن وتشنیع (گالی گلوچ) کا آماجگاہ بنانا نہیں چاہتے تھے) اس لفظ کو ان کے لئے استعمال نہیں کرتے تھے۔ پس یہ امر بھی ہمارے نتیجہ کا مصدق ہے کہ اعمال کی کتاب (۶۰ء) کے قریب لکھی گئی تھی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ قیاصرہ روم کے احکام اور ایذارسانیوں کی وجہ سے لفظ "مسیحی" کلیسیا کے شرکاء پر چسپاں کیا جاتا تھا۔ رومی سلطنت کے قانون نے سیدنا مسیح کے مذہب کو ممنوع قرار دے دیا تھا۔ کیونکہ وہ روم کے قومی مذہب، دیوتا پرستی اور قیصر پرستی کے خلاف تھا۔ پس جب کلیسیا کے شرکاء کو گرفتار کر کے عدالت میں پیش کیا جاتا تھا تواُن سے یہ سوال کیا جاتا تھا کہ کیا تم "مسیحی" ہو؟ اگر گرفتار شدگان انکار کرتے تو کلیسیائی حلقوں میں اس بات کو خداوند کے انکار کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ پس وہ نہایت دلیری سے یہی جواب دیتے کہ وہ مسیحی ہیں۔ یوں رفتہ رفتہ کلیسیا میں لفظ "مسیحی" رواج پاگیا اور ایذارسانیوں کے دوران میں کلیسیا نے اس لفظ کو اپنالیا اور ہر ایماندار اس حقارت آمیز لفظ کو اب فخر یہ استعمال کرنے لگ گیا۔

لفظ "مسیحیت" بھی عہدِ جدید کی کُتب کے مجموعہ میں کہیں پایا نہیں جاتا۔ اعمال کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ یہود اس کے لئے حقارت کے طور پر لفظ "طریق" بمعنی "راہ" استعمال کرتے تھے (اعمال ۹: ۲ مقابلہ کرو ۲۴: ۵ وغیرہ) لیکن مسیحی کلیسیا نے ان کے تمسخر تضحیک اور حقارت کی پروانہ کی (اعمال ۲۴: ۱۴)۔ لفظ "طریق" کو اپنالیا کیونکہ اُس کے منجی نے یہ لفظ خاص اپنی ذات کے لئے استعمال فرمایا تھا (یوحنا ۱۴: ۴۔ ۶)۔ اعمال کی کتاب میں حضرت کلمتہ اللہ کے اُصولوں کے لئے یہی لفظ "طریق" جابجا استعمال ہوا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اولین اور ابتدائی زمانہ سے متعلق ہے (اعمال ۱۶: ۱۷؛ ۱۸: ۲۶؛ ۱۹: ۹، ۲۳؛ ۲۴: ۲۲ وغیرہ) قیاصرہ روم کی ایذارسانیوں کی وجہ سے (جس میں پس پردہ اہلِ یہود کا ہاتھ ہوتا تھا) یہودیت اور مسیحیت میں تمیز کرنا ضروری ہوگیا تھا۔ پس لفظ "مسیحی" کے ساتھ ساتھ لفظ "مسیحیت" بھی استعمال ہونے لگ گیا اور پہلی صدی کے آخر میں لفظ "مسیحیت" عام ہوگیا۔ قدیم زمانہ کا جو مسیحی لٹریچر محفوظ رہ گیا ہے، اس میں پہلے پہل مقدس اگنیشئس کے خطوط میں لفظ "مسیحیت" پایا جاتا ہے۔

سطور بالا سے ظاہر ہوگیا ہوگا کہ اعمال کی کتاب اس زمانہ میں لکھی گئی جب کلیسیا نے لفظ "مسیحیت" کو ابھی اپنایا نہ تھا۔ اور یہ وقت نیرو کی تشدد دانہ پالیسی سے پہلے کا ہے جس کا آغاز (۶۴ء) میں ہوا تھا۔ پس یہ کتاب (۶۰ء) کے قریب لکھی گئی تھی۔

(۵۔) اس سلسلہ میں لفظ "شہید" کی تاریخ کا بیان کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ الفاظ "شہید" اور "شہادت" کے اصلی معنی گواہی کے ہیں اور اصطلاحی طور پر صرف اُن لوگوں کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں جو اپنے خون سے اپنے ایمان کی گواہی دیتے ہیں۔ لفظ شہید کے یونانی لفظ "مارٹر" μαρτυ کے معنی گواہ کے ہیں۔ اور رومی قیاصرہ کی ایذارسانیوں کے دوران میں یہ لفظ ان ایمانداروں کے لئے استعمال ہونا شروع ہوگیا جنہوں نے اپنے خون سے اپنے ایمان کی گواہی دی تھی۔

جب ہم اعمال کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں یہ لفظ ان اصطلاحی معنوں میں استعمال نہیں کیا گیا ہے (اعمال ۲۲: ۱؛ ۴: ۳۳؛ ۵: ۳۲؛ ۱۰: ۴۱؛ ۱۳: ۳۱؛ ۲۲: ۱۵؛ ۲۶: ۱۶ وغیرہ)۔

ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ اعتراض کریں کہ مقدس پولُس کی زبان پر یہ لفظ اُن معنوں میں استعمال کیا گیا ہے لیکن اگر اس مقام (اعمال ۲۲: ۱۹) کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو ہم پر واضح ہوجائے گا کہ اس مقام میں رسول مقبول کا مطلب یہ نہیں کہ مقدس استفنس کی گواہی نے موت کی صورت اختیار کی تھی بلکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ گواہی کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی تھی۔ پس ظاہر ہے کہ لفظ "شہید" اس مقام پر اصطلاحی معنوں میں

استعمال نہیں کیا گیا۔ جس طرح مثال کے طور پر وہ مکاشفات (مکاشفہ ۲: ۱۳؛ ۱۷: ۶) میں استعمال کیا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اعمال کی کتاب قیصر نیرو کی ایذا رسانیوں سے پہلے احاطۂ تحریر میں آئی اور یہ نتیجہ ہمارے اس نظریہ کی تصدیق کرتا ہے کہ مقدس لوقا نے یہ کتاب (۶۰ء) کے قریب لکھی تھی۔

(۶۔) جب ہم اعمال کی کتاب کی کلیسیائی تنظیم پر نظر کرتے ہیں تو ہم پر یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ کلیسیا کے امور نظام بھی ابتدائی مراحل سے متعلق ہیں۔ اس کتاب کے کسی صفحہ میں بھی کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی۔ جس سے یہ ظاہر ہو کہ کلیسیائی تنظیم پہلی صدی کے آواخر کی ہے۔ اس کتاب میں الفاظ "ایپسکوپوس" اور "پریسبٹروئے" آتے ہیں لیکن ان الفاظ سے ہم وہ مطلب اخذ نہیں کر سکتے جو ان کے ہم معنی الفاظ "بشپ" اور "پریسبٹر" کے تصورات میں مابعد کے زمانہ میں پایا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس رسولوں کے "ہاتھ رکھنے" کا مطلب بھی وہ نہیں ہے جو مابعد کے زمانہ میں کلیسیا میں مروج تھا۔ حق تو یہ ہے کہ کلیسیا کی تنظیم اس کتاب کے لکھے جانے کے وقت ابھی ٹھوس اور جامد نہیں ہوئی تھی [1]۔ بلکہ اپنی ترقی کی ابتدائی منزلوں میں ہی تھی۔

ان اور دیگر وجوہ کے باعث ڈاکٹر سٹل کہتا ہے کہ اعمال کی کتاب (۶۱ء) کے بعد کی نہیں ہو سکتی [2]۔

ان تمام اصطلاحات کا مطالعہ یہ حقیقت ثابت کر دیتا ہے کہ ان کے معانی اور مطالب کلیسیا کی ارتقا کے ابتدائی زمانہ ہی سے متعلق ہیں۔ اگر کتاب اعمال الرسل پہلی صدی کے اواخر میں لکھی جاتی تو یقیناً کلیسیا کے اُس دور کے خیالات اور معتقدات اور کلیسیائی تنظیم کا عکس اور اثر اس کتاب میں پایا جاتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب (۸۵ء) سے مدتوں پہلے لکھی گئی تھی اور اسکا زمانہ تصنیف (۶۰ء) کے لگ بھگ کا ہے۔

فصل سوم

مقدّس پوُلس کے خطوط اور اعمال کی کتاب

اعمال کی کتاب سے ظاہر ہے کہ اس کے مصنف نے مقدس پوُلس کے خطوط کا استعمال نہیں کیا۔ اب اگر یہ مان لیا جائے کہ مقدس لوقا نے یہ کتاب رسول کی حینِ حیات میں ہی لکھی تھی تو اس حقیقت کی کچھ وجہ ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ کتاب رسول کی شہادت کے بیس (یا جیسا کہ بعض کہتے ہیں چالیس برس) بعد لکھی گئی تو یہ حقیقت قابل توجہ نہیں ہو سکتی۔ اعمال کی کتاب کو ایک سرے سے دوسرے تک پڑھ جاؤ کسی پر یہ امر ظاہر نہیں ہو سکتا کہ اس کا مصنف مقدس پوُلس کے خطوط سے واقف بھی تھا۔ عبرانیوں کا خط اس کتاب سے غالباً دس پندرہ برس بعد لکھا گیا تھا۔ اس کا مصنف رسول کے خطوط سے واقف نظر آتا ہے۔ پطرس کے پہلے خط میں چند حصص ایسے ہیں جو مقدس پطرس کی شہادت کے چند سال بعد اس میں ایزاد (اضافہ) کئے گئے تھے۔ اس میں بھی مقدس پوُلس کے خطوط کا صاف اشارہ اور ذکر ہے (۱۔ پطرس ۱: ۱۴؛ رومیوں ۱۲: ۲؛ ۱: ۳؛ رومیوں ۲: ۱۱؛ ۱: ۲۰؛ رومیوں ۱۶: ۲۵ الخ؛ ۲: ۶۔۸؛ رومیوں ۹: ۳۳؛ ۲: ۱۰؛ رومیوں ۹: ۲۵؛ ۱: ۲؛ افسیوں ۱: ۴؛ ۱: ۴۔۵؛ افسیوں ۱: ۱۱، ۱۸؛ ۱: ۱۴؛ افسیوں ۲: ۳؛ ۲: ۱۸؛

[1] Foakes Jackson Acts (Moffat's Commentary) p.XVI.
[2] J. Ironside Still, St. Paul on Trial (S.C.M.)

افسیوں ۶: ۵ وغیرہ)۔ اگر اعمال کی کتاب بھی مقدس پولُس کی شہادت کے بیس یا تیس سال بعد لکھی جاتی تو یہ ناممکن امر ہے کہ اس کا مصنف مقدس رسول کے خطوط کا استعمال نہ کرتا۔ ہم یہاں تین مثالیں دیتے ہیں[1]۔

(ا۔) اعمال کے سفر کے روزنامچہ (ڈائری، کھاتا، ہر روز کے حساب لکھنے کی کتاب) سے ظاہر ہے کہ فلپی ایک ایسی جگہ تھی جہاں اس روزنامچہ کے مصنف مقدس لوقا نے کچھ مدت تک قیام کیا تھا۔ پس وہ قدرتاً اُس کی کلیسیا میں نہایت دلچسپی رکھتا تھا۔ لیکن حیرت کا مقام یہ ہے کہ اعمال کی کتاب کا مصنف فلپیوں کے خط سے واقف بھی نظر نہیں آتا۔ اعمال کی کتاب میں کلیسیا کے شرکاء میں سے صرف لدیا کے ہی نام کا ذکر ہے۔ (اعمال ۱۶ باب)۔ نہ اپفردتس کا ذکر ہے۔ نہ یودیہ کا نہ سنتخے کا اور نہ کلیمنس کا ذکر ہے جو بعض علماء کے مطابق بعد میں کلیمنٹ آف روم کے نام سے تاریخ میں مشہور ہوا۔ پس کتاب میں فلپیوں کی کلیسیا کا رسول مقبول کی حاجتوں کو رفع کرنے کی غرض سے زر نقد بھیجنے کا بھی ذکر نہیں (فلپیوں ۴: ۱۶؛ نیز دیکھو ۲۔ کرنتھیوں ۱۱: ۹)۔

(۲۔) اگر اعمال کی کتاب (۸۵ء) میں لکھی جاتی جب رسول مقبول کے خطوط تمام کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں تھے تو مقدس لوقا کم از کم گلتیوں کے خط کا ضرور استعمال کرتے جو (۴۹ء) میں لکھا گیا تھا۔ اس خط کی روشنی میں (اعمال ۹: ۱۹۔ ۳۰) اور پندرھویں باب کو لکھا جاتا کہ واقعات کا تواتر اور تسلسل قائم رہے، مثلاً (گلتیوں ۱: ۱۵۔ ۱۷) سے ظاہر ہے کہ رسول مقبول عرب کو گئے تھے اور وہاں سے دمشق واپس لوٹے تھے لیکن مقدس لوقا اس سفر کا کہیں ذکر نہیں کرتے اور ہم یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سفر کب کیا گیا۔ آیا یہ سفر (اعمال ۹ باب کی ۲۱۔ ۲۲ آیات) کے مابین کے وقفہ میں واقع ہوا یا (۲۲ اور ۲۳ آیات) کے درمیانی عرصہ میں کیا گیا۔ علاوہ ازیں (گلتیوں ۱: ۲۱؛ ۲: ۱، ۱۱۔ ۱۸) وغیرہ کی آیات کی روشنی میں اعمال کا پندرھواں باب لکھا جاتا۔

اگر مقدس لوقا کے سامنے گلتیوں کا خط ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ وہ اپنی کتاب میں مقدس پولُس کے سفرِ عرب یا انطاکیہ میں مقدس پولُس اور مقدس پطرس کی باہمی رنجش کا یا طِطُس کے فتنہ کا ذکر نہ کرتے۔ پس اعمال کی کتاب کے لکھنے کے وقت گلتیوں کا خط مقدس لوقا کی نظروں کے سامنے نہیں تھا۔

اس کا سبب ظاہر ہے۔ اعمال کی کتاب کی تصنیف کے وقت گلتیوں کا خط ابھی تمام کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں نہیں تھا اور رسول مقبول خود زندہ تھے۔ پس اس کے مصنف کو جو رسول کے ساتھی تھے اُن کے خطوط کو بہم پہنچانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی۔ اگر مقدس لوقا اس کتاب کو (۶۰ء) کی بجائے پچیس (۲۵) سال بعد (۸۵ء) میں لکھتے تو وہ مذکورہ بالا واقعات کو جو اہم قسم کے تھے ہر گز نظر انداز نہ کرتے۔

(۳۔) اگر کرنتھیوں کے خطوط مقدس لوقا کے سامنے ہوتے اور آپ نے (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۶۔ ۷) کو پڑھا ہوتا تو یقیناً اپنی انجیل لکھتے وقت وہ ان واقعات کا ذکر کرتے اور بتلاتے کہ منجی عالمین اپنی ظفریاب قیامت کے بعد فلاں مقام اور فلاں موقعہ پر " پانچ سو سے زیادہ بھائیوں کو ایک ساتھ دکھائی دیئے جن میں سے اکثر اب تک موجود ہیں "۔ اور مقدس یعقوب کو بھی فلاں موقعہ اور قیامت کے بعد فلاں روز فلاں جگہ نظر آئے۔

اگر مقدس لوقا نے (۲۔ کرنتھیوں) پڑھا ہوتا تو وہ اعمال کی کتاب میں ضرور بتلاتے کہ مقدس پولُس نے کہاں اور کس موقعہ پر "یہودیوں سے ایک کم چالیس کوڑے پانچ بار کھائے۔ تین مرتبہ بیدیں کھائیں۔ تین دفعہ جہاز ٹوٹنے کی بلا میں گرفتار ہوئے (۲۔ کرنتھیوں ۱۱: ۲۴۔ ۲۵)۔

1 George Salmon, Historical Introduction to N.T. pp.317-321.

اعمال کی کتاب کو "الف" سے "ی" تک پڑھ جاؤ۔ تمام کتاب میں اس بات کا اشارہ تک نہیں ملتا کہ مقدس پولُس نے کسی کلیسیا کو کبھی کوئی خط لکھا تھا۔ اگر اعمال کی کتاب (۶۰ء) میں نہ لکھی جاتی بلکہ اس سے پچیس (۲۵) سال (یا جیسا بعض کہتے ہیں چالیس سال سے زائد عرصہ) بعد لکھی جاتی تو یہ ناممکن امر ہے کہ اس کا مصنف رسول کے خطوط کا ذکر تک نہ کرتا بالخصوص اس زمانہ تک آپ کے خطوط ہر کلیسیا کے ہاتھوں میں تھے۔ مثلاً جب وہ کرنتھ کا ذکر کرتا ہے تو ضرور لکھتا کہ یہاں رسول مقبول نے روم کی کلیسیا کو خط لکھا تھا۔ لیکن اگر کوئی غیر مسیحی جو انجیل جلیل کی کتاب کے مجموعہ سے ناواقف ہو اور یہ نہ جانتا ہو کہ اس میں کس شخص نے کیا لکھا ہے اور صرف اعمال کی کتاب کو پڑھے تو اس کے شان وگمان میں یہ بھی بات کبھی نہ آئے گی کہ مقدس پولُس نے کبھی کسی کلیسیا کو کوئی خط لکھنے کے لئے قلم بھی اٹھایا تھا۔ بلکہ اس کے برعکس وہ یہی سمجھے گا کہ پولُس صرف ایک زبردست مبلغ اور جوشیلا رسول تھا جو جنونی ہو کر جابجا سرگرداں (آوارہ) پھرتا رہاتا کہ اپنے خدا کی نجات کی بشارت رومی دنیا کے کونہ کونہ میں پہنچادے۔

پس اعمال کی کتاب لکھتے وقت مقدس لوقا کے سامنے مقدس پولُس رسول کے خط موجود نہیں تھے ورنہ آپ ان خطوں کی روشنی میں بعض اُمور کا ذکر ضرور کرتے اور دیگر اُمور کو اچھی طرح واضح کر دیتے۔ اب غبی سے غبی شخص پر بھی یہ ظاہر ہے کہ اگر یہ کتاب (۶۰ء) کے بعد لکھی جاتی تو اس کے مصنف کے ہاتھوں میں ان خطوط کی کاپیاں ضرور ہوتیں۔ مقدس پولُس (۶۴ء) میں شہید کئے گئے تھے۔ کیا یہ امر قرینِ قیاس ہو سکتا ہے کہ اگر مقدس لوقا (۸۵ء یا ۱۰۰ء) میں یہ کتاب لکھتے تو اپ اپنے شہید آقا کے خطوط کو اُن کی زندگی کے واقعات لکھتے وقت اپنے سامنے نہ رکھتے ؟ ان خطوط کا (۶۰ء) تک مقدس لوقا کے ہاتھوں میں نہ ہونا تعجب خیز امر نہیں ہو سکتا، لیکن (۸۵ء یا ۱۰۰ء) تک ان خطوط کا آپ کے ہاتھوں میں نہ ہونا ایک ناممکن الوقع امر ہے[1]۔

فصل چہارم

مخالف علماء کے خیالات کی تنقیع وتنقید

ہم اوُپر ذکر کر چکے ہیں کہ بعض علماء رسالہ اعمال کی تصنیف کے لئے (۸۵ء) کی بجائے (۱۰۰ء) تجویز کرتے ہیں۔ اُن اصحاب کی دلیل یہ ہے کہ مقدس لوقا نے یہودی مورخ یوسیفس کی تصنیف ANTIQUITES کو بطور ایک ماخذ کے استعمال کیا تھا جو (۹۴ء) میں شائع ہوئی تھی۔ اگر یہ دلیل صحیح ثابت ہو جائے تو کوئی شخص یہ انکار نہیں کر سکتا کہ رسالہ اعمال (۶۰ء) کی بجائے (۹۵ء) یا اس کے بعد لکھا گیا تھا۔ لیکن یہ دعویٰ سراسر غلط ہے اور حقیقت سے کوسوں دور ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ مقدس لوقا اور یوسیفس دونوں بعض اوقات ایک ہی واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ (اعمال ۵: ۳۶۔ ۳۷؛ ۱۲: ۲۰؛ ۲۱: ۳۸) میں جن واقعات کا ذکر ہے ان کا یہ مورخ بھی ذکر کرتا ہے۔ دونوں مصنفوں کی کتابوں میں بعض الفاظ ایک ہی قسم کے پائے جاتے ہیں۔ جن سے ان علماء کو یہ دھوکا ہو گیا ہے کہ مقدس لوقا نے اس یہودی مورخ کو ماخذ کے طور پر استعمال کیا تھا۔ مثلاً یوسیفس نے طبریاس سے کہا "اگر یہی انصاف

[1] See also Encyclo, Biblica S.V. Acts Col 42 and Moffat's Introd. To Lit of the N.T. p300

ہے تو مجھے مرنے سے انکار نہیں [1] " مقابلہ کرو (اعمال ۲۵: ۱۱) لیکن اس قسم کے الفاظ ایسے شخص کے منہ سے نکلتے ہیں جس پر جھوٹا الزام لگایا جاتا ہے اوران سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوسکتا کہ مقدس لوقا یہودی مورخ کا مرہون منت ہے۔

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جب دو مصنف ایک ہی واقعہ کی نسبت لکھتے ہیں تو وہ کسی حد تک ایک ہی قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن ان الفاظ کی متشابہت (ہمشکل) سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک نے دوسرے کی نقل کی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ دونوں مصنفوں کے بیانات کوپڑھنے سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ دونوں کے بیانات میں بڑا فرق ہے اور یہ فرق اس قدر واضح ہے کہ ایک نقاد کہتا ہے [2] کہ اگر مقدس لوقا نے یوسیفس کی کتُب کوپڑھا تھا تووہ اُن کوپڑھنے کے بعد ہی فوراً بھول گیا ہوگا!!

مقدس لوقا اور یوسیفس دونوں مصنف فاضل تھے۔اور دونوں کا مطالعہ وسیع تھا۔پس یہ امر ممکن ہے کہ جب دونوں مصنف زمانہ ماضی کے ایک ہی قسم کے تاریخی واقعات کا ذکر کرتے ہیں توان دونوں کا تاریخی ماخذ کسی تیسرے مصنف کی کتاب ہوگی جس کی وجہ سے دونوں کے الفاظ میں مشابہت ہے۔اور جب دونوں مصنف ایک ہی ملک اور قوم کے ایک ہی واقعہ کاذکر کرتے ہیں توایک ہی قسم کے منظروں کاذکر کرتے ہیں تو جائے حیرت نہیں کہ دونوں کے قلم سے ایک ہی قسم کے الفاظ نکلتے ہیں اوراس مشابہت سے ہم قطعی اور حتمی طورپر یہ نہیں کہہ سکتے کہ مقدس لوقا نے یوسیفس کی کتاب کااستعمال کیاہے اس کے برعکس یہودی مورخ نے مقدس لوقا کی تصنیف کااستعمال کیا ہے۔

حق تو یہ ہے کہ مقدس لوقا ایک محتاط مورخ ہے اوراپنی انجیل اوراعمال کی کتابوں میں تواریخی واقعات کا بار بار ذکر کرتا ہے۔مثلاًوہ ہیرودیس کے خاندان کی تاریخ سے واقف ہے۔وہ رومی قیاصرہ کے ناموں کاذکر کرتا ہے اوراہلِ یہود کی تاریخ کی جانب اشارہ بھی کرتا ہے۔وہ رومی حکام کے صحیح خطاب لکھتا ہے اور رومی سلطنت کے شہروں کا بیان بھی درستی سے کرتا ہے۔اس سے بعض علماء کو یہ گمان ہوا کہ مقدس لوقا کے سامنے تاریخی کتابیں تھیں جواُس کا ماخذ تھیں اور چونکہ اس قسم کی تاریخی کتُب میں سے صرف یوسیفس کی کتاب کا ہی ہم کو علم ہے لہٰذا انہوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ اعمال یوسیفس کی کتُب کے بعد لکھی گئی ہے۔لیکن یوسیفس کی کتاب کاوہ حصہ جواعمال کاماخذ کیاجاتاہے اس کا آخری حصہ ہے اوراس آخری حصہ کا مطالعہ ہم پر واضح کردیتا ہے کہ اس کتاب کے وہ بیان جوانجیلِ سوم اوراعمال سے متعلق ہیں نہایت قلیل،ناکافی اور کم مایہ قسم کے ہیں،کیونکہ اس حصہ کے جزواعظم کا تعلق ہیرودیس اگرپا(xxx) بابل کے یہود کے حالات(xvii)اور شاہ اویابین کی زندگی(xx) کے بیانات پر مشتمل ہے۔پس اگر یہ نظریہ درست ہو توہم کو حیرانگی ہوتی ہے کہ مقدس لوقا جیسے محتاط شخص نے ایک ایسی کتاب کوماخذ بنایا جس سے اُس کو اس قدر کم حالات ملے!ہم کو یہ امر فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ جن لوگوں کا مقدس لوقا بالعموم ذکر کرتا ہے وہ مشہور ہستیاں تھیں اوراُن کے جاننے کے لئے کسی تاریخی کتاب کے ماخذ کی ضرورت نہیں تھی۔ہاں اگر یوسیفس ہم کو یہ بتلاتا کہ ' سرجیس پولس Sergius Paulus ایک پروکونسل تھا یا فلپی کے مجسٹریٹ اپنے آپ کو "پریٹر" Proetor کہلانے کے خواہشمند تھے یاگیلیو Gallio آخیہ کا پروکونسل تھا یاافسس شہر کا "محرر" ہوا کرتا تھا تویہ نظریہ زیادہ قابل قبول ہوتا[3]۔

---

[1] Vita 29.

[2] Schrur & Salmon Hasting's Dict, of the Bible Vol1. p.30.

[3] Foakes Jackson Acts (Moffiat's Commentary) pp.XIV, XV

اس میں شک نہیں کہ مقدس لوقا کی تصنیفات کی روشنی میں یوسیفس کی کتُب زیادہ واضح ہو جاتی ہیں اور یوسیفس کی طرز ادا اور اس کے بیان کو ہم بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ الٹا ثابت نہیں ہوتا کہ مقدس لوقا نے یوسیفس کی کتُب کا استعمال کیا تھا[1]۔

(۲)

تادمِ تحریر کوئی عالم ایسی مثال پیش نہیں کر سکا جس سے اس دعویٰ کا ثبوت قطعی طور پر پایہ تکمیل کو پہنچ سکے کہ مقدس لوقا کے ماخذوں میں اس یہودی مورخ کی کتابیں شامل تھیں۔ اس کے برعکس بعض تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں مصنف نہ صرف ایک دوسرے سے بے نیاز ہیں بلکہ دونوں میں شدید اختلاف ہے۔ مثلاً تھیوس کے معاملہ میں دونوں میں حد درجہ کا اختلاف ہے (اعمال ۵: ۳۶)۔ پھر مقدس لوقا لکھتا ہے کہ مصری کے پیرو چار ہزار تھے (اعمال ۲۱: ۳۸)۔ لیکن یوسیفس اس تعداد کو تیس ہزار بتلاتا ہے۔ اور مورخین کا خیال ہے کہ مقدس لوقا کی تعداد زیادہ قرین قیاس ہے۔ ڈاکٹر سینڈے Sanday کہتا ہے[2] کہ دونوں مصنفوں میں جو اختلافات ہیں وہ ان کی باہمی مشابہت سے کہیں بڑھ کر ہیں۔۔۔۔ اور میں اکیلا ہی اس نتیجہ پر نہیں پہنچا۔ یہ مفروضہ بالکل بے بنیاد ہے"۔ جرمن نقاد ڈاکٹر ہارنیک بھی" کہتا ہے کہ یہ " نظریہ کہ اعمال کے مصنف نے یوسیفس کی کتابوں کو پڑھا تھا قطعی بے بنیاد ہے[3]"۔ یہ نظریہ ایسی بودی (کمزور) دلیل پر مبنی ہے کہ فی زمانہ مغربی ممالک کا کوئی سنجیدہ مزاج نقاد اس کا قائل نہیں رہا۔

اس دلیل میں یوسیفس کی تصنیفات کو ہم دودھاری تلوار کی طرح استعمال نہیں کر سکتے[4]۔ اگر الفاظ کی مشابہت کی بناء پر ہم یہ ثابت کرنا چاہیں کہ مقدس لوقا نے یہودی مورخ کی کتاب کی نقل کی ہے تو جہاں دونوں مصنفوں میں حد درجہ کا اختلاف پایا جاتا ہے وہاں ہم کو یہ کہنے کا مجاز نہیں کہ ان بیانوں میں یہودی مورخ کا بیان تو درست ہے لیکن مقدس لوقا کا بیان غلط ہے (لوقا ۳: ۱؛ اعمال ۵: ۳۵۔۳۶)۔ اگر مقدس لوقا کے سامنے بزعمِ معترض یوسیفس کا صحیح بیان موجود تھا تو پھر اُس نے مورخ کی کتاب سے اختلاف کیوں کیا؟ حق تو یہ ہے کہ جب موجودہ زمانہ کے نقاد دونوں مصنفوں کے مختلف بیانات کا غیر جانبدارانہ موازنہ کرتے ہیں تو وہ مقدس لوقا کے بیان کو زیادہ قرین قیاس اور صحیح پاتے ہیں۔ یہودی مورخ کے بیان مبالغہ اور رنگ آمیزی سے خالی نہیں۔

پس مقدس لوقا کے کتاب اعمال الرسل کو یوسیفس کی کتابوں سے پہلے لکھا تھا۔ اعمال کی کتاب کا مطالعہ یہ امر عیاں کر دیتا ہے کہ مصنف نے اس مورخ کی کتُب کو پڑھا بھی نہ تھا اور غالباً اُس کے ماخذ بھی وہ نہ تھے جو یہودی مورخ کے تھے۔

(۳)

حق تو یہ ہے کہ اگر اناجیل اربعہ اور اعمال لرسل پہلی صدی کے اواخر میں لکھے جاتے تو انجیلی بیانات میں اسی قسم کے خرافات (فضول بکواس) اور لغویات (بیہودہ باتیں یا اعمال) موجود ہوتیں جو اناجیل موضوعہ میں ہیں۔ واقعات کے بعد عرصہ طوالت کی نسبت سے انسان کی قوتِ متخیلہ پرواز کرنے لگ جاتی ہے اور جس قدر واقعات دور ہوتے جاتے ہیں اُسی قدر رنگ آمیزی اور مبالغہ (کسی بات کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرنا) سے کام لیا جاتا ہے۔ اگر اناجیل اربعہ کے واقعات کا سینہ بسینہ روایات پر ہی انحصار ہوتا اور اگر یہ اناجیل پہلی صدی کے اواخر میں احاطۂ تحریر میں آتیں تو ان کے

---

[1] Foakes Jackson $ Kirsopp Lake, Beginnings of Christianity Part1, Vol2 pp.311-312.
[2] Sanday, Inspiration pp. 278- 279
[3] Harnack Luke the Physician p.24 note.
[4] Plummer, St. Luke p.XXIX.

بیانات میں لغویات پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ہائراپولُس کے بشپ پے پئس کو لیں۔ اس کی کتاب کا پایہ اسلامی کتُب سیر کا ساہے۔ جس طرح ان کتُب سیر کے مصنف جو سنتے تھے وہ بغیر جانچے پرکھے لکھ لیا کرتے تھے اسی طرح یہ بشپ اس بات کے شوقین تھے کہ وہ ہر شخص کا بیان بغیر کسی کسوٹی پر پرکھنے کے لکھ لیں۔ چنانچہ اُس نے رسولوں کی زبان کے اور ان کے بعد کے آنے والے لوگوں کے اقوال کو ایک کتاب میں (۱۰۰ء) کے قریب جمع کیا۔ جس میں ہر طرح کا رطب ویابس (نیک وبد) بھرا ہوا ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے[1] کہ خداوند نے سعادت کے ہزار رسالہ دور کی نسبت فرمایا ہے کہ "انگور کی پیداوار ہوگی اور ہر پودے کی دس ہزار شاخیں ہوں گی اور ہر شاخ پر دس ہزار گچھے ہوں گے اور ہر گچھے میں انگور کے دس ہزار دانے ہوں گے اور ہر دانہ میں اڑھائی من رس ہوگا۔ یہی حال اناج کا ہوگا۔ ہر بیج سے دس ہزار ڈنٹھل پیدا ہوں گے اور ہر ڈنٹھل پر دس ہزار بالیاں اور ہر بالی میں پانچ سیر آٹا ہوگا"۔ پھر وہ یہوداہ غدار کی نسبت لکھتا ہے "اس کا جسم اس قدر پھول گیا تھا کہ وہ کشادہ سے کشادہ دروازے میں سے نہیں گذر سکتا تھا۔ گو اس میں سے ایک چھکڑا بآسانی نکل جاتا تھا۔ اس کی آنکھیں اس قدر اندر دھس گئی تھیں کہ وہ اُن سے کچھ دیکھ نہیں سکتا تھا اور نہ کوئی ڈاکٹر کسی نالی کے ذریعہ ان کا معائنہ کر سکتا تھا"۔ اب جائے غور ہے کہ اگر ایک شخص جو بشپ کے عہدہ پر فائز ہو اور جس نے انجیل اول وسوم میں غدار کی موت کا حال پڑھا ہو، اس قدر زود اعتقاد ہو سکتا ہے کہ وہ اس قسم کے خرافات کو تسلیم کرکے حوالہ قلم کرے۔ تو اگر یہ اناجیل بھی (۱۰۰ء) کے قریب لکھی جاتیں تو ان میں لغو قصص اور کہانیاں ضرور موجود ہوتیں۔ لیکن اناجیل اربعہ اور اعمال الرسل ہر قسم کی لغویات سے کلیتہً پاک ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ جو واقعات اُن میں درج ہیں وہ نہ صرف چشم دید گواہوں کے بیانات ہیں بلکہ یہ بیانات واقعات کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی تحریر میں آ گئے تھے۔

یہاں یہ بتلا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بشپ پے پئس قدیم ترین مصنف ہے اور گو جیسا مورخ یوسی بیئس اس کی نسبت کہتا ہے۔ کہ وہ کوتاہ عقل (کم عقل) تھا اور زود اعتقاد (جلد ایمان لانے والا) ہونے کی وجہ سے ہر عیار اور فریبی کی باتوں میں آجاتا تھا۔ تاہم اس کی کتاب میں ایسے بیانات بھی پائے جاتے ہیں جو سچائی کے معیار پر پورے اترتے ہیں اور یہی وجہ ہے کی یوسی بیئس جیسے محتاط مورخ نے ان کو تسلیم کیا ہے۔ ان بیانات کو ہم اس رسالہ میں نقل کر آئے ہیں۔

اس تمام بحث کا محاصل (نتیجہ، پھل) یہ ہے:۔

اعمال کی کتاب نہ تو دوسری صدی کے اوائل میں لکھی گئی اور نہ یروشلیم کی تباہی (۷۰ء) کے بعد لکھی گئی۔ بلکہ پہلی صدی کے دوسرے نصف کے اوائل میں (۶۰ء) کے قریب لکھی گئی تھی۔ کیونکہ (۱) اس میں آخری واقعہ جو درج ہے وہ پولُس رسول کی پہلی قید سے متعلق ہے۔ (۲) اس کا مصنف اس امر سے بے خبر ہے کہ جو اپیل مقدس رسول نے قیصر کے ہاں کی تھی اس کا کیا حشر ہوا۔ (۳) اس میں سیدنا مسیح کے بھائی مقدس یعقوب کی شہادت کا (جو ۶۲ء میں واقع ہوئی) ذکر نہیں ملتا۔ (۴) اس میں مقدس پطرس اور پولُس کی شہادتوں کا (۶۴ء) اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ (۵) اس میں نیرو کی ایذارسانی (۶۴ء) کا اشارہ تک نہیں ملتا۔ (۶) اس کتاب میں امید افزا حالات کی جھلک ہر جگہ نظر آتی ہے۔ اگر یہ کتاب ۸۵ء کے قریب لکھی جاتی تو اس کا لب ولہجہ مکاشفات کی کتاب کا سا ہوتا۔ (۷) اس میں مقدس پولُس کے خطوط کی نسبت ایک لفظ بھی نہیں ملتا جس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ مقدس لوقا رسولِ مقبول کے تادم مرگ ساتھی اور رفیق کار تھے۔ اگر یہ کتاب (۸۵ء) میں لکھی جاتی تو رسول شہید کے خطوط کا ذکر ہوتا اور ان کی روشنی میں بعض واقعات (اعمال ۹: ۱۹۔ ۳۰ وغیرہ) لکھے جاتے۔ (۸) اس میں ابتدائی قسم کے مسیحی معتقدات پائے جاتے ہیں۔ (۹) اس میں یروشلیم کی تباہی

[1] Dr.F.Blass The Origin and Character of Our Gospels. In Exp. Times, May 1907

اور اہلِ یہود کی پراگندگی کا ذکر تک نہیں۔(۱۰) اس کتاب کے ہیرو، ایکٹر اور اداکار سب کے سب ایسی فضا میں سانس لیتے اور چلتے پھرتے ہیں جو مسیحیت کے اولین دور سے متعلق ہے۔ان وجوہ کے باعث ہم اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ رسولوں کے اعمال کی کتاب (۶۰ء) کے قریب لکھی گئی تھی۔

باب دوم

تاریخِ تصنیفِ انجیلِ لوقا

ہم نے گذشتہ باب میں شرح وبسط کے ساتھ کتاب اعمال الرسل کی تاریخِ تصنیف پر مفصل بحث کی ہے۔ کیونکہ اس کتاب کے زمانہ ءتصنیف کے تعین پر انجیلِ لوقا کی تاریخ تصنیف کادارومدار ہے۔ چنانچہ اس کے دیباچہ میں مقدس لوقا لکھتا ہے "اے تھیوفلس میں نے پہلا رسالہ (یعنی انجیل) ان سب باتوں کے بیان میں تصنیف کیا جو یسوع (عیسیٰ) شروع میں کرتا اور سکھاتا رہا"۔ (لوقا ۱:۱) پس انجیل سوم پہلا رسالہ ہے اور اعمال کی کتاب دوسرا رسالہ ہے جو انجیل کے بعد لکھا گیا تھا۔ اگر یہ دوسرا رسالہ (۸۰ءیا۸۵ءیا۱۰۰ء) کے قریب لکھا گیا تھا تو ظاہر ہے کہ انجیلِ سوم بھی اس سے پانچ دس سال پہلے لکھی گئی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء اس انجیل کے زمانہ تصنیف کے لئے (۷۰ءیا۸۰ء) کا زمانہ تجویز کرتے ہیں [1]۔ لیکن اگر ہمارے نتائج (جن پر ہم پچھلے باب میں پہنچے ہیں) درست ہیں اور اعمال کی کتاب فی الحقیقت (۶۰ء) کے قریب لکھی گئی تھی تو انجیل سوم کا زمانہ تصنیف اس سے چند سال پہلے کا ہوگا۔ انشاءاللہ اس باب میں ہم یہ ثابت کردیں گے کہ انجیلِ لوقا (۵۷ء) سے پہلے منجی عالمین کی صلیبی موت کے صرف قریباً پچیس (۲۵) سال بعد لکھی گئی تھی۔

فصل اوّل

مخالف علماء کے دلائل پر تنقید

اس فصل میں ہم پہلے ان علماء کے دلائل کا موازنہ کریں گے جن کا یہ نظریہ ہے کہ انجیل لوقا (۸۰ء) کے قریب لکھی گئی [2]۔

(ا)

ان علماء کا یہ قول ہے کہ یہ انجیل یروشلیم کی تباہی کے بعد احاطۂ تحریر میں آئی ان کی مضبوط ترین دلیل یہ ہے کہ جن الفاظ میں مقدس لوقا یروشلیم کے برباد ہونے کی پیشین گوئی کا ذکر کرتے ہیں اُن سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ شہر یروشلیم اس کتاب کی تصنیف سے بہت پہلے برباد ہوچکا تھا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ جب ہم انجیل سوم کی پیشین گوئی کے الفاظ کا دیگر اناجیل کے الفاظ کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں (لوقا ۲۱: ۲۰۔۲۳؛ مرقس ۱۳: ۱۴۔۲۸؛ متی ۲۴: ۱۵۔۲۲)۔ تو تینوں کے بیانات کے الفاظ میں ہم کو فرق نظر آتا ہے۔ مثلاً مقدس لوقا انجیلِ اوّل کے الفاظ "پڑھنے والا سمجھ لے" (متی ۲۴: ۱۵)۔ نہیں لکھتا اور الفاظ "پس جب تم اس اُجاڑنے والی مکرہ چیز کو جس کا ذکر دانی ایل نبی کی معرفت ہوا گھڑا ہوا دیکھو تو جان لینا کہ اس کا اُجڑ جانا نزدیک ہے (لوقا ۲۱: ۲۰)۔ اور تفصیلات دیتا ہے کہ "وہ تلوار کا لقمہ ہوجائیں گے اور اسیر ہوکر سب قوموں میں پہنچائے جائیں گے۔ اور جب تک غیر اقوام کی معیاد پوری نہ ہو، یروشلیم غیر قوموں سے پامال ہوتی رہے گی" (آیت ۲۴)۔ پھر آگے چل کر نشانوں کے ظہور کی نسبت بتلاتا ہے لیکن انجیلِ

---

[1] Grieve, Peake's Commentary p 724.

[2] Bishop Gore's Commentary p.209. and Adeney St. Luke (Century Bible)p.44

اوّل کے الفاظ "اور فوراًاُن دنوں کی مصیبت کے بعد "(متی ۲۴: ۲۹) کو قلم انداز کردیتاہے۔ علاوہ ازیں مقدس (لوقا۱۹: ۴۳) میں پیشنگوئی کی تفصیلات بتلاتاہے۔ "کیونکہ وہ دن تجھ پر آئینگے کہ تیرے دشمن تیرے گردمورچہ باندھ کر تجھے گھیر لیں گے۔اور ہر طرف سے تنگ کرینگے اور تجھ کواور تیرے بچوں کو جو تجھ میں ہیں زمین پر دے پٹکیں گے۔اور تجھ میں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ چھوڑینگے"۔

یہ علماء کہتے ہیں کہ اس قسم کے تفصیلی الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ انجیلِ سوم کی تصنیف سے پہلے یروشلیم تباہ ہوچکا تھااور مقدس لوقا سیدنا مسیح کی زبانی وہ باتیں کہلواتاہے جو رومی افواج نے دراصل ۷۰ء میں یروشلیم کو تباہ کرتے وقت اختیار کی تھیں۔ بالفاظ دیگر وہ مابعد کے واقعات کی روشنی میں سیدنا مسیح کی پیشین گوئی کی تشریح کرکے کہتاہے کہ مقدس متی کے الفاظ اس اجاڑنے والی مکروہ چیز۔۔۔۔ کھڑا دیکھو) سے منجی عالمین کا یہ مطلب تھا کہ "جب تم یروشلیم کو فوجوں سے گھرا ہوا دیکھو"اور وہ باتیں بتلاتاہے جو رومی افواج نے یروشلیم کے محاصرہ کے وقت کی تھیں(اعمال ۱۹: ۴۳)۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہم فصلِ اوّل میں یہ دلیل دے چکے ہیں کہ کتاب رسولوں کے اعمال میں یروشلیم کی تباہی اور قوم یہود کی پراگندگی کا اشارہ تک موجود نہیں لہٰذا یہ کتاب اس واقعہ (۷۰ء) سے بہت پہلے احاطہ تحریر میں آچکی تھی۔اب اگر یہ ثابت ہوجائے کہ مقدس لوقا اپنی انجیل میں یرشلیم اور اہلِ یہود کی بربادی کا منظر بیان کرتاہے تو ہمارا دعویٰ غلط ہوگا۔ پس ہم اس دلیل پر ہر پہلو سے غور کرکے انشاءاللہ یہ ثابت کردیں گے کہ مقدس لوقا سیدنا مسیح کی پیشین گوئی کی مابعد کے واقعات کی روشنی میں تشریح نہیں کرتے:۔

(ا۔) پہلی تینوں اناجیل اس ایک بات پر متفق ہیں کہ سیدنا مسیح کی زبانِ مبارک نے یروشلیم کی بربادی کی پیشین گوئی فرماکر کہا تھا کہ موجودہ نسل کے ہوتے ہوئے ان کی آنکھوں کے سامنے یہ واقعہ رونما ہوگا۔تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ تمام مسیحی ایمان داروں کو اس بات کا پکا یقین تھا کہ شہر یروشلیم تباہ ہوجائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مقدس لوقا کی انجیل لکھے جانے سے پہلے ہی سب ایماندار سیدنا مسیح کی پیشینگوئی کے الفاظ کا یہی مطلب سمجھتے تھے کہ یروشلیم تباہ ہوجائے گا۔ چنانچہ مقدس پولُس فرماتاہے "یہودیوں نے سیدنا مسیح اور نبیوں کو بھی مارڈالا اور ہم کو ستاستا کر نکال دیا۔وہ ہمیں غیر قوموں کو اُن کی نجات کے لئے کلام سنانے سے منع کرتے ہیں تاکہ ان کے گناہوں کا پیمانہ ہمیشہ بھرتا رہاہے۔ لیکن ان پر انتہا کا غضب آگیا"۔ (۱۔تھسلنیکیوں ۲: ۱۶، نیز دیکھو رومیوں ۱۱: ۲۵)۔یہ الفاظ مقدس لوقا کی انجیل کے الفاظ (لوقا ۲۱: ۲۲۔ ۲۳) کی صدائے بازگشت ہیں اور (۴۹ء)میں یعنی یروشلیم کی تباہی سے اکیس (۲۱) سال پہلے لکھے گئے تھے۔ پس مسیح ایمان داروں کو کسی ایسی تشریح کی ضرورت نہیں تھی جو (۷۰ء) کے واقعہ کی روشنی میں لکھی جاتی۔

تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ جب یروشلیم تباہ ہونے کے قریب ہوا تو تمام مسیحی حکم خداوندی کے مطابق (لوقا ۲۰: ۲۱)۔ شہر یروشلیم کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بعض نے پہاڑوں میں جاکر پناہ لی اور باقی یردن پر شہر پیلا میں جابسے۔ جس سے ثابت ہوتاہے کہ یروشلیم کی تباہی سے پہلے انجیل لوقا اُن لوگوں کے ہاتھوں میں تھی اور ایمانداروں نے سیدنا مسیح کے حکم کے مطابق سب کچھ کیا۔اس موقعہ پر بے شمار یہود جو دیہات میں رہتے تھے بھاگ کر یروشلیم میں پناہ گزین ہوگئے جہاں اُن کی آمد کے سبب قحط پڑگیا[1] اور اہالیان یروشلیم کا حال بد سے بدتر ہوگیا۔

یہ دونوں تاریخی واقعات ثابت کردیتے ہیں کہ مقدس لوقا کے الفاظ "جب تم یروشلیم کو فوجوں سے گھرا ہوا دیکھو تو جان لینا کہ اُس کا اُجڑ جانا نزدیک ہے"۔(۷۰ء) کے واقعات کی روشنی میں قلمبند نہیں کئے گئے تھے بلکہ مسیحی ایماندار واقعہ تباہی سے پہلے ہی اس بات سے واقف تھے کہ یروشلیم

[1] Eusebius Ecclesiastical History 3.C.5

کس طرح تباہ کیا جائے گا۔ اور جب وہ نشان ظاہر ہوئے تو اُنہوں نے ارشادِ خداوندی کے مطابق عمل کیا۔ پس انجیل لوقا یروشلیم کی تباہی سے پہلے احاطہ تحریر میں آچکی تھی۔ اگر مقدس لوقا نے بربادی کے واقعہ کے بعد لکھا ہوتا تو جن پہاڑوں میں مسیحی بھاگ گئے تھے، اُن کا نام دیا ہوتا اور شہر پیلا کا بھی ذکر انجیل کی ان آیات میں [1] ملتا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ اس مقام میں سیدنا مسیح کی آگاہی کے الفاظ کو واقعات کے مطابق تبدیل نہیں کیا گیا جس سے ثابت ہے کہ پیشین گوئی کے الفاظ واقعہ بربادی (۷۰ء) سے بہت پہلے لکھے گئے تھے۔

(۲۔) پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقدس لوُقا نے سیدنا مسیح کی پیشین گوئی کے الفاظ کو (جو مرقس ۱۳: ۱۴ میں اس کے سامنے تھے) کیوں بدل کر (لوقا ۲۱: ۲۰) کے الفاظ لکھ دیئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مقدس لوقا نے اپنی انجیل اُن مسیحیوں کو تعلیم دینے کی خاطر لکھی تھی جو غیر یہود سے منجی عالمین کے قدموں میں آئے تھے (اعمال ۱: ۱۔۴) غیر یہود عبرانی محاورات اور یہودی مسائل معاد (آخرت، قیامت) کی زبان سے قطعی ناآشنا تھے۔ پس وہ (مرقس ۱۳: ۱۴) کے الفاظ "جب تم اس اُجاڑنے والی مکروہ چیز کو اس جگہ کھڑا ہوا دیکھو جہاں اُس کا کھڑا ہونا روا نہیں (پڑھنے والا سمجھ لے) اُس وقت ۔۔۔الخ" کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ لہٰذا مقدس لوقا کے ان الفاظ کا ترجمہ عام فہم الفاظ میں کر دیا اور لکھا "جب تم یروشلیم کو فوجوں سے گھرا ہوا دیکھو"۔ یہ عام فہم ترجمہ ثابت نہیں کرتا کہ مقدس لوقا نے یہ الفاظ تباہی کے واقعہ کے بعد لکھے تھے۔

(۳۔) مقدس لوقا کے تفصیلی الفاظ (لوقا ۱۹: ۴۳۔۴۴) سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ یروشلیم کی بربادی کے واقعہ کی روشنی میں لکھے گئے تھے۔ پہلی نصف صدی (جیسا ہم گذشتہ باب بتلا چکے ہیں) ایک نہایت ہی پر آشوب زمانہ (فتنہ فساد کا وقت) تھا۔ جس میں یہودی مورخ یوسیفس کے مطابق جنگ وجدل ہر سو ہوا کرتے تھے۔ مقدس لوقا اُس سلوک سے بخوبی واقف تھے جو فاتح بالعموم مفتوح (جس پر فتح حاصل کی گئی ہو) کے ساتھ کیا کرتے تھے اور جس کا ذکر ان دو آیات میں کیا گیا ہے۔ یروشلیم کا شہر (۷۰ء) میں پہلی دفعہ برباد نہیں ہوا تھا بلکہ سنِ عیسوی سے قبل ڈیڑھ سو (۱۵۰) سال کے عرصہ میں یہ شہر دو دفعہ تاراج (برباد) ہو چکا تھا۔ دونوں موقعوں پر ہیکل کی بے حرمتی کی گئی تھی اور باشندوں کو قتل اور غارت اور بے انتہا مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ انٹی اوکس اپی فینیز Antiochus Epiphanes نے تمام پچھلے ریکارڈ مات کرکے یروشلیم کو تہ وبالا کر دیا تھا۔ پس مقدس لوقا جیسا فہم مورخ فاتحین کے سلوک سے بخوبی واقف تھا اور جانتا تھا کہ جب سیدنا مسیح کے ارشاد کے موافق شہر تباہ ہوگا تو "دشمن اس کے گرد مورچہ باندھ کر گھیر ڈالیں گے اور ہر طرف سے تنگ کریں گے اور اہالیان یروشلیم کو قتل کریں گے اور بچوں کو زمین پر دے پٹکیں گے۔ اور یروشلیم میں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ چھوڑیں گے۔ اہلِ یہود تلوار کا لقمہ ہو جائیں گے اور اسیر ہو کر سب قوموں میں پہنچائے جائیں گے اور یروشلیم غیر قوموں سے پامال ہو گی" (لوقا ۱۹: ۴۳۔۴۴؛ ۲۱: ۲۰۔۲۴)۔ بفرضِ محال اگر مقدس لوقا دشمن کے سلوک سے واقف نہ بھی ہوتے تو بھی اہلِ یہود کی کتُب (جن سے وہ کماحقہ بمعنی "جیسا اُس کا حق ہے، بخوبی" واقف تھے) اُن کو بتلا دیتیں کہ یہ سلوک کس قسم کا ہو گا۔ کیونکہ ان تمام تفصیلات کا ذکر ان میں موجود ہے (یرمیاہ ۲۰: ۴؛ استثنا ۲۸: ۶۴؛ ۱۔ سلاطین ۸: ۴۶؛ یسعیاہ ۵: ۵؛ ۶۳: ۱۸؛ دانی ایل ۸: ۱۳؛ زکریاہ ۱۲: ۳؛ ۱۔ مکابین ۴: ۶۰؛ یسعیاہ ۲۹: ۳؛ ۳۷: ۳۳؛ یرمیاہ ۶: ۶؛ حزقی ایل ۴: ۲؛ زبور ۱۳۷: ۹؛ ہوسیع ۱۳: ۱۶ وغیرہ۔

[1] Ibid, 3,5,8.

اس پیشینگوئی کے تمام تفصیلی الفاظ (جو اس انجیل کے یونانی متن میں ہیں) یہودی کتُب مقدسہ کے یونانی ترجمہ سبعینہ (سپٹواجنٹ) میں پائے جاتے ہیں۔ اور یہ یونانی الفاظ (جو پہلی تینوں اناجیل میں موجود ہیں) صرف اسی مقام سے مخصوص ہیں اور عہدِ جدید میں کسی دوسری جگہ نہیں پائے جاتے [1]۔

ہاں۔ اگر کوئی شخص سرے سے اس بات کا انکار کردے اور کہے کہ آنخداوند میں معمولی فراست (سمجھ داری، دانائی) بھی نہیں تھی اور وہ یروشلیم کی بربادی کی پیش خبری دے سکتے تھے تو یہ اور بات ہے۔ ایسے اصحاب کی تسلی کے لئے ہم ایک اور تواریخی واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جن سے اُن کی سمجھ میں آجائے گا کہ آنخداوند نے یروشلیم کی تباہی کی پیش خبری دی تھی۔ اٹلی کا سیونیر والا Savanarola ایک مشہور مصلح (اصلاح کرنے والا) گزرا ہے۔ اس نے (۱۴۹۶ء) میں شہر روم کی تسخیر اور لوٹ مار کی پیشین گوئی جو اگلے سال (۱۴۹۷ء) میں چھپ کر شائع ہوگئی۔ جس میں اس نے دیگر تفاصیل میں یہ بھی نبوت کی تھی کہ گرجا گھر اصطبل (جانوروں کے باندھنے کی جگہ) بنائے جائیں گے۔ یہ پیشین گوئی (۱۵۲۷ء) میں پوری ہوئی۔ ناظرین کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یروشلیم کی تباہی (۷۰ء) سے پہلے واقع ہوچکی تھی اور اہل یہود دشمنوں کے سلوک سے جو انہوں نے ان کے شہر مقدس سے کیا واقف تھے اور قوتِ متخیلہ اس تباہی کی تفصیلوں سے کام لے سکتی تھی، لیکن شہر روم کے ساتھ اس قسم کا موقعہ پہلے کبھی ہوا ہی نہ تھا اور نہ (۱۴۶۹ء) میں کسی کے وہم وگمان میں آسکتا تھا کہ شہر روم کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا۔ جیسا فرانس کی افواج نے چارلس ہشتم کے زمانہ میں روم کے ساتھ روا رکھا [2]۔

(۴۔) اگر کوئی شخص یہ جاننا چاہے کہ سیدنا مسیح کی یہ پیشن گوئی کس طرح پوری ہوئی تو وہ یہودی مورخ یوسیفس کی کتُب کا مطالعہ کرے۔ یہ کتُب اس کی بہترین تفسیر اور توضیح کرتی ہیں۔ اگر مقدس لوقا یہودی مورخ کی طرح یروشلیم کی بربادی کے بعد لکھتا تو ظاہر ہے کہ وہ بھی اس امر کا نہایت تفصیلی طور پر ذکر کرتا لیکن وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ صرف چار پانچ آیات میں دشمن کے سلوک کا مجمل طور پر ذکر کرتا ہے۔ جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ مقدس لوقا نے یہ باتیں بربادی کے واقعہ کے بعد نہیں لکھیں۔

یہ امر اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ مقدس لوقا نے (جیسا ہم اوپر کہہ چکے ہیں) یہودی مورخ کی کتب کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ اگر اس کی کتُب آپ کی انجیل کا ماخذ ہوتیں تو آپ ان سے ان تفاصیل کو اخذ کرتے (بالخصوص ہیکل کے نذرِ آتش ہونے کے واقعہ کو) جن سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ سیدنا مسیح کی پیشین گوئی نہایت شاندار طریقہ سے پوری ہوئی۔ اس کے برعکس وہ آیہ زیر بحث میں (اعمال ۲۱: ۲۰) انجیلِ اول کے الفاظ "مقدس مقام" اور انجیل دوم کے الفاظ "اس جگہ جہاں اس کا کھڑا ہونا روا نہیں" (متی ۲۴: ۱۵؛ مرقس ۱۳: ۱۴) چھوڑ جاتے ہیں اور ہیکل کے آگ لگنے کے واقعہ کو بالکل نظر انداز کردیتے ہیں۔

ہم نے ان علماء کی دلیل کی قدرے تفصیل کے ساتھ تنقیح وتنقید (تحقیق) کی ہے۔ کیونکہ ان کے پاس یہی مضبوط ترین دلیل ہے جو ہمارے دعویٰ کو کہ اعمال کی کتاب (۶۰ء) اور مقدس لوقا کی انجیل (۵۷ء) کے قریب لکھی گئی غلط ثابت کرسکتی ہے۔ یہ دلیل درحقیقت اس قدر کمزور ہے کہ

---

[1] P.N.F. Young, The College St. Luke, p.344

[2] Dr.F. Blass, The Origin & Character of our Gospels. Exp. Times, May 1907. See also J.M. Creed, The Gospel according to St.Luke,(1930 p.XXIII)

بشپ گور جیسا محتاط نقاد بھی کہتا ہے[1]۔کہ "اعمال کی کتاب کے ان مقامات (اعمال ۲۱: ۲۰؛۱۹: ۴۳-۴۴) سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ مقدس لوقا نے اپنی تصنیفات کو(۷۰ء) سے پہلے نہیں لکھا تھا"۔بشپ لائٹ فٹ بھی کہتے ہیں کہ "میرے خیال میں یہ دلیل کمزور ہے"[2]۔

ان ہر دو علماء کا یہ فیصلہ ہمارے نتیجہ کے لئے نہایت زور دار ہے کیونکہ دونوں عالموں کا یہ یقین ہے کہ اعمال کی کتاب اور انجیلِ سوم یروشلیم کی تباہی کے بعد لکھی گئی تھیں۔

(۲)

جو علماء مقدس لوقا کی انجیل کے لئے (۷۰ء تا ۸۰ء) کا زمانہ تجویز کرتے ہیں اُن کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ مقدس لوقا اپنی انجیل کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ "چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں ان کو ترتیب وار بیان کریں۔۔۔۔ میں نے بھی مناسب جانا کہ ان کو ترتیب سے لکھوں" (لوقا ۱: ۱-۴)۔ یہ علماء کہتے ہیں کہ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ متعدد لوگوں نے منجی عالمین کے حالات و تعلیمات کو قلمبند کیا تھا اور یہ رسالے مختلف مقامات کی مسیحی کلیسیاؤں میں رواج پا چکے تھے۔ یہ رسالے مقدس لوقا کے ماخذوں میں سے بھی تھے۔ان رسالوں کے مصنفوں اور مولفوں کے لئے سیدنا مسیح کی زندگی کے واقعات کی کھوج لگا کر اپنا مسالہ تیار کرنے،ان کو ترتیب دے کر لکھنے،اور پھر ان رسالوں کے مروج ہونے کے لئے ایک اچھی خاصی مدت چاہیے جو کم از کم نصف صدی کی ہو[3]۔

(ا۔) لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ضرور ہے کہ ان رسالوں کے مسالہ کے جمع کرنے اور ان کی تصنیف و تالیف اور رواج کے لئے نصف صدی کا طویل عرصہ متعین کیا جائے؟ کیا اس غرض کے لئے ایک پوری پشت اور ربع صدی (سو سال کا چوتھا حصہ) کا عرصہ کافی نہیں ہے؟

اس دلیل کے پیش کرنے والے اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ ابتدائی کلیسیا میں تین تاریخیں[4] یادگار تاریخیں شمار کی جاتی تھیں۔اوّل (۳۰ء) جب آنخداوند مصلوب ہوئے پھر "بارہ (۱۲) سال بعد" اگرپا کی ایذارسانی جس کی وجہ سے دوازدہ رسول منتشر ہو گئے (۴۲ء) اور پھر پچیس (۲۵) برس بعد پطرس رسول کی شہادت (۶۷ء)۔اس کے بعد ایک نیا دَور شروع ہوتا ہے۔جب قدیم مسیحی کلیسیا کے خیال کے مطابق "شروع سے خود دیکھنے والوں اور کلام کے خادموں" کا زمانہ ختم ہو گیا تھا۔انجیل کا سطحی مطالعہ بھی یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ یہ اس زمانہ میں نہیں لکھی گئی تھی جب ان چشم دید گواہوں کا زمانہ ختم ہو گیا تھا۔بلکہ اس انجیل کی پہلی آیت کے الفاظ "ہمارے درمیان "ثابت کرتے ہیں کہ جو باتیں اس انجیل میں لکھی گئیں،ان کے وقوع میں اور وقتِ تصنیف میں ستر اسی سال کا وقفہ نہیں تھا۔ستّر اسّی سال کی پُرانی باتوں کو "ہمارے درمیان" کی "باتیں" نہیں کہا جا سکتا۔

علاوہ ازیں اہلِ یہود کا ہر بالغ لکھا پڑھا ہوتا تھا۔لیکن یہ علماء یہ فرض کر لیتے ہیں کہ سیدنا مسیح کے کلماتِ ہدایات آیات نہ تو حضرت کلمۃ اللہ کی حینِ حیات میں اور نہ آپ کی صلیبی موت کے تیس (۳۰) سال بعد تک احاطہِ تحریر میں آئے اور کہ سیدنا مسیح کے مقدس رسولوں اور شاگردوں نے ایمانداروں کی لکھی پڑھی جماعتوں کو صرف زبانی تعلیم دی تھی جنہوں نے اس تعلیم کو سینہ بسینہ کم از کم دو پشتوں تک دوسروں تک پہنچایا۔

---

[1] Gore's New Commentary on N.T. p.234 Col a.
[2] J.B. Lightfoot, Smith's Dict of the Bible Vol1.Part1.p.40,Col.b.
[3] Sanday, Inspiration pp.278-80
[4] B.W. Bacon, "Their Growth and Conflict" in Outline of Christianity by Peake & Parsons Vol1.p.281.

ایک حدتک تو یہ درست ہے کہ منجی عالمین نے اپنے بعد اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی کتاب نہ چھوڑی اور آپ کے بعد کچھ عرصہ تک رسول جا بجا آپ کی جانفزا (دل خوش کرنے والا) تعلیم اور نجات کی بشارت، ایمان داروں کو زبانی دیتے رہے۔ ہم نے اس رسالہ کے حصہ اول میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔ پس ہم یہاں اس کا اعادہ (دوہرانا) ضروری نہیں سمجھتے۔ یہاں یہ کہنا کافی ہے کہ گو رسولوں نے اور اُن کے سامعین نے بھی دوسروں تک مسیحی نجات کا پیغام سینہ بسینہ ضرور پہنچایا تھا۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی رسول یا ایماندار نے سیدنا مسیح کی حینِ حیات میں آپ کے کلماتِ طیبات کو کبھی قلمبند ہی نہیں کیا تھا اور سالہا سال تک مسیحی روایات صرف سینہ بسینہ ہی چلی آئیں۔ کیا عقل اس بات کو مان سکتی ہے کہ اگرچہ مسیحی کلیسیا کے یہود و غیر یہود سب لکھے پڑھے اور خواندہ ممبر تھے۔ لیکن ایک پشت کے گزرنے پر یکایک متعدد ایمان داروں کو خیال آیا کہ منجی جہان کی زندگی اور موت اور ظفریاب قیامت کے واقعات کو قلمبند کرنا شروع کر دیں۔ اور انہوں نے چھوٹے چھوٹے مختصر رسالے لکھے جو مختلف کلیسیاؤں میں مروج ہوگئے اور چالیس پچاس سال بعد جا کر ان رسالوں سے موجودہ اناجیل اربعہ مرتب کی گئیں؟ اناجیل کے ماخذوں کی بحث میں ہم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ تمام مضحکہ خیز مفروضات از سرتاپا غلط ہیں۔

یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود انجیل جلیل کا مجموعہ اس امر کا گواہ ہے کہ سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت کے بعد پہلے چالیس (۴۰) سال میں کلیسیا نے ایسا لٹریچر پیدا کر دیا جس کا ثانی روئے زمین کے علمِ ادب کی تاریخ میں نہیں ملتا۔ اُس وقت کے لکھے ہوئے مکتوبات وغیرہ قیامت تک لوگوں کے دلوں کو اپنی مقناطیسی کشش سے کھینچتے رہیں گے۔ انجیلی مجموعہ کی کتُب سے ثابت ہے کہ مسیحی علم وادب پہلی پُشت میں ہی بلوغت کے زمانہ کو پہنچ چکا تھا۔ کیونکہ تھسلنیکیوں کے خط، کرنتھیوں کے خط، گلتیوں کا خط، رومیوں کا خط (۴۹ء اور ۵۴ء) کے درمیان یعنی سیدنا مسیح کی صلیبی موت کے بعد پہلے چالیس (۴۰) سال ایسے نہ تھے کہ ان میں کسی نے ایک سطر بھی نہ لکھی ہو اور سیدنا مسیح کے کلماتِ طیبات معجزات بینات اور مقدس حالات قطعی (یقینی) قلمبند نہ کئے گئے ہوں۔

ایک اور امر قابلِ غور ہے۔ انجیلی مجموعہ کے خطوط میں سیدنا مسیح کی زندگی کے واقعات اور آپ کے کلماتِ ہدایت آیات کا صرف کہیں کہیں ذکر آتا ہے۔ یہ خطوط زیادہ تر پند ونصائح (نصیحت) پر اور سیدنا مسیح کی ذات، الوہیت اور شخصیت کے مسائل پر اور کلیسیاؤں کی تنظیم اور اُن کی مقامی مشکلات کے حل پر ہی مشتمل ہیں۔ کیا یہ حیرانی کی بات نہیں کہ نو مریدوں کو سیدنا مسیح کی ذات اور شخصیت کی نسبت تو تعلیم دی جائے لیکن جس بات پر تمام مسائل کا دار و مدار ہے یعنی مسیح کی زندگی اور تعلیم اس کا ذکر ہی نہ کیا جائے؟ یہ خاموشی صرف پولُس رسول ہی اختیار نہیں کرتے بلکہ مقدس پطرس، مقدس یوحنا، مقدس یعقوب، عبرانیوں کے خط کا مصنف اور رسولوں کے اعمال کا مولف سب کے سب بلا استثنا خاموش ہیں۔ پس یہ خاموشی نہایت معنی خیز ہے۔ جس سے ہم صرف یہی نتیجہ مستنبط (چُنا گیا) کر سکتے ہیں کہ ان خطوط کے لکھے جانے کے وقت کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں ایسے چھوٹے چھوٹے مختصر رسالے موجود تھے جن میں کلمۃ اللہ کی تعلیم یا آپ کے سوانحِ حیات یا دونوں درج تھے اور چونکہ یہ کلیسیائیں زبانی تعلیم اور تحریری رسالوں کے رواج کے سبب آنخداوند کی تعلیم اور زندگی سے واقف تھیں، لہٰذا انجیلی مجموعہ کے مذکورہ بالا مصنف اپنے خطوط اور تحریرات میں ان کے ذکر کا دہرانا ضروری خیال نہیں کرتے۔ چنانچہ عبرانیوں کے خط کا مصنف اپنے مخاطبوں کو کہتا ہے۔ "وقت کے خیال سے تو تم کو استاد ہونا چاہیے تھا۔ مگر اب تمہارا یہ حال ہے کہ تم کو اس بات کی حاجت ہے، کہ کوئی شخص خدا کے کلام کے ابتدائی اصول اور کلمات کے عناصر یا استفسارات (دریافت کرنا، پوچھنا) تمہیں

پھر سکھائے ۔ سخت غذا کی جگہ تم کو دودھ پینے کی پھر حاجت پڑ گئی۔ پس آؤ ہم مسیح کی تعلیم کی ابتدائی باتیں چھوڑ کر کمال کی طرف قدم بڑھائیں " (عبرانیوں۵: ۱۲۔۱۴)۔

اگر ہم ان حالات کا مقابلہ موجودہ زمانہ کے تبلیغی کام سے کریں تو یہ امر اور بھی واضح ہو جائے گا۔ جو مسیحی اُستاد گاؤں کی ناخواندہ کلیسیاؤں میں کام کرتے ہیں۔ وہ ان کو صرف سیدنا مسیح کے سوانحِ حیات، معجزات اور تعلیمات کی نسبت ہی تعلیم دیتے ہیں تاکہ یہ ابتدائی باتیں ان کلیسیاؤں کے (جو اُن سے عموماً ناواقف ہوتی ہیں) ذہن نشین ہو جائیں۔ لیکن وہ اُن کے سامنے سیدنا مسیح کی ذات، الوہیت یا شخصیت پر بحث نہیں کرتے اور نہ اُن کے روبرو مسیحی عقائد کے فلسفیانہ پہلوؤں کو وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ بقولِ مصنف عبرانیاں "دودھ پینے والے کو راستبازی کے کلام کا تجربہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وہ بچہ ہے اور سخت غذا پوری عمر والے کے لئے ہوتی ہے" (عبرانیوں ۵: ۱۳)۔ اس کے برعکس جو مبلغ شہروں کی خواندہ کلیسیاؤں میں کام کرتے ہیں وہ اپنی جماعتوں کے سامنے بالعموم مسیحیت کے عقائد پر ہی بحث کیا کرتے ہیں۔ لیکن سیدنا مسیح کے سوانح حیات کا کبھی کبھار ذکر کرتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ گاؤں کی کلیسیائیں ناخواندہ ہونے کے باعث اناجیل کے مطالعہ سے محروم ہیں اور وہ صرف ابتدائی باتوں ہی کو اپنے دماغ میں جگہ دے سکتی ہیں۔ لیکن شہروں کی کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں اناجیل موجود ہیں جن کو پڑھ کر وہ ابتدائی امور سے واقف ہوتی ہیں۔ پس ان کے سامنے عموماً مسیحیت کے عقائد اور فلفسیانہ پہلوؤں پر بحث کی جاتی ہے۔

پس قیاس یہی چاہتا ہے کہ جب مقدس پولُس نے یا دیگر رسولوں، استادوں اور بزرگوں نے اپنے خطوط اور تحریرات کو مختلف کلیسیاؤں کے ایمان کی استقامت (قیام) کی خاطر لکھا تھا اُس زمانہ میں (جیسا ہم حصہ اوّل میں ثابت کر چکے ہیں) کلیسیاؤں کے درمیان چھوٹے چھوٹے مختصر رسالے مروج تھے، جن میں سے کسی میں کلمتہ اللہ کی تعلیم کا۔ کسی میں آپ کے معجزاتِ بینات کا، کسی میں نبوتوں کے پورا ہونے کا اور کسی میں آپ کے سوانحِ حیات کا ذکر تھا (لوقا ۱: ۱)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ منجی عالمین کی صلیبی موت کے بیس (۲۰) سال کے اندر اس قسم کے رسالے مختلف کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں موجود تھے اور رواج پا کر اناجیل کے ماخذ بھی بن چکے تھے۔

پس ظاہر ہے کہ وہ علماء غلطی پر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اس قسم کے رسالے نصف صدی تک کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں نہیں تھے اور اس دعویٰ کی بنیاد پر مقدس لوقا کی انجیل کی تصنیف کے لئے (۷۰ء یا ۸۰ء) کا دُور دراز زمانہ تجویز کرتے ہیں۔

فصل دوم

مسیحی اصطلاحات اور انجیلِ لوقا

ہم نے گذشتہ باب میں اعمال کے سنِ تصنیف کو مقرر کرنے کے لئے یہ دلیل بھی دی تھی کہ اس کتاب میں آنخداوند کے لئے اصطلاحی القاب استعمال نہیں ہوئے۔ یہی حال مقدس لوقا کی انجیل کا ہے۔ اس انجیل میں آنخداوند کی ذات کی نسبت کوئی نظریہ قائم نہیں کیا گیا بلکہ اس معاملہ میں مقدس لوقا کے وہی تصورات ہیں جو آپ کے ماخذوں میں پائے جاتے ہیں[1]۔ اور ان سے آگے انجیل کا مصنف ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا۔ اس

[1] Prof.J.M Creed, The Gospel according to St. Luke (1930) pp.LXXII-V

میں بنیادی تصور یہی ہے کہ یسوع ناصری ہی مسیح موعود ہے۔ عہدِ عتیق کی کتُب میں مسیح موعود کا خدا کے ساتھ بیٹے کا تعلق ہے۔ پس اناجیل متفقہ میں بعض اوقات یہ دونوں اصطلاحیں "مسیح "اور "ابن اللہ "ایک ہی مقام میں اکٹھی لکھی گئی ہیں (مرقس ۱۴: ۶۱؛ متی ۱۶: ۱۶)اور دونوں ہم معنی ہیں(لوقا ۴: ۴۱)۔ لیکن رفتہ رفتہ "خطاب "ابن اللہ "کا مطلب زیادہ وسیع ہوتا گیا"۔ "مسیح "کا لفظ ہم خاص یعنی اسم ِ معرفہ ہو گیااور لفظ "ابن اللہ "کی اصطلاح آنخداوند کی ذات اور آپ کے خصوصی مقام کے لئے مخصوص ہو گئی جیسامقدس پولُس کے خطوط سے ظاہر ہے۔ لیکن مقدس لوقا کی انجیل میں آنخداوند کے ازل سے ہونے کا کہیں ذکر چھوڑا اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔ اس انجیل کے خیالات ایک الگ سطح پر ہیں جس سے آگے وہ پرواز نہیں کرتے اور ثابت کرتے ہیں کہ یہ انجیل کلیسیا کے ابتدائی زمانہ کی تصنیف ہے۔ یہ ابتدائی زمانہ اوّلین منازل کا زمانہ تھا جس میں مقدس پولُس، مقدس یوحنا اور دیگر انجیل نویسوں کے تصورات ابھی تک روانی اور سیالی حالت میں ہی تھے اور ٹھوس اور جامد نہیں ہوئے تھے۔ عقائد کی عمارت کا قیام ابھی بہت دُور تھا۔

اس میں شک نہیں کہ اس انجیل میں "ابنِ آدم "کا خطاب موجود ہے لیکن ہر مقام میں یہ خطاب آنخداوند کی زبانِ حقیقت ترجمان پر ہی پایا جاتا ہے۔ یہ تمام مقامات مقدس لوقا نے اپنے ماخذوں یعنی انجیلِ مرقس اور **رسالہ کلمات** سے اخذ کئے ہیں۔

یہ بات بھی درست ہے کہ اس انجیل میں یسوع ناصری کو "خداوند "کہا گیا ہے۔ چنانچہ نائن کی بیوہ کے بیٹے کو زندہ کرنے کے بیان میں پہلی دفعہ لفظ یسوع کی بجائے لفظ "خداوند "استعمال کیا گیا ہے۔(لوقا ۷: ۱۳)۔ اس انجیل کے حسب ذیل مقامات میں یہ خطاب وارد ہوا ہے(لوقا ۷: ۱۳، ۱۹؛ ۱۰: ۱؛ ۱۲: ۴۲؛ ۱۳: ۱۵؛ ۱۷: ۵۔ ۶؛ ۱۸: ۶؛ ۱۹: ۸؛ ۲۲: ۶۱)ان مقامات کا مطالعہ ظاہر کر دیتا ہے کہ یہ وہ مقام ہیں جو مقدس لوقا نے دیگر ماخذوں سے حاصل کئے ہیں۔ بالخصوص(لوقا ۱۹: ۳۴)سے معلوم ہوتا ہے کہ جب خداوند کے رسول اور دیگر ایمان دار منجی عالمین کی نسبت زبان سے کچھ بیان کرتے تھے تو وہ لفظ "خداوند "استعمال کرتے تھے(مقابلہ کرو ا۔کرنتھیوں ۱۶: ۲۲)۔ لیکن جب وہ آپ کی نسبت قلم سے کچھ لکھتے تھے تو وہ لفظ "یسوع "استعمال کرتے تھے۔ جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اس انجیل میں جس جس مقام میں لفظ "خداوند "استعمال ہوا ہے وہ کسی نہ کسی چشم دید گواہ کا زبانی بیان ہے[1]۔

پس اس اندرونی شہادت سے بھی ثابت ہے کہ مقدس لوقا نے یہ انجیل کلیسیا کی زندگی کے ابتدائی مراحل میں (۵۵ء) کے لگ بھگ تصنیف کی تھی۔

(۲)

مشہور نقاد ڈاکٹر بلاس نے اس مضمون پر ایک معرکہ خیز مقالہ سپردِ قلم کیا[2] ہے جس کا اردو ترجمہ ہم ناظرین کی خاطر ذیل میں درج کرتے ہیں۔آپ لکھتے ہیں:۔

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انجیل لوقا کب اور کہاں لکھی گئی ؟ جب تک رسول یروشلیم میں رہے تب تک یروشلیم اور یہودیہ میں ان واقعات کو ترتیب وار اس موجودہ انجیل کی صورت میں قلمبند کرنے کی ضرورت لاحق نہیں ہوئی تھی۔ مقدس لوقا اپنے دیباچہ میں صاف طور پر بتلاتا ہے کہ آپ اس انجیل کو لکھنے کے وقت یہودیہ میں تھے کیونکہ آپ لکھتے ہیں "جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں "اور "جیسا کہ ان کو ہم تک پہنچایا ہے "۔

[1] Findlay, Gospel according to Luke p.12.
[2] Dr.F.Blass,"The Origin & Character of our Gospels. Exp. Times May1907

لفظ "ہمارے" اور "ہم" سے ظاہر ہے کہ آپ یہودیہ میں تھے جہاں تھیوفلس نہیں تھا۔ جملہ "انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے"۔ میں فعل ماضی "تھے" استعمال ہوا ہے نہ کہ فعل حال "ہیں"۔ پس اس انجیل کے مرتب ہونے کے وقت سیدنا مسیح کے رسول یروشلیم میں مقیم نہ تھے۔ فعلِ ماضی سے ہر گز مطلب نہیں کہ وہ فوت ہو چکے تھے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دیگر مقامات میں تبلیغ کا فرض ادا کر رہے تھے تاکہ زمین کی انتہا تک گواہ ہوں (اعمال ۱:۸)۔ اعمال کی کتاب سے ظاہر ہے کہ جب مقدس پولُس آخری بار (۵۴ء) میں یروشلیم گئے تو وہاں کوئی رسول موجود نہ تھا۔ صرف سیدنا مسیح کے بھائی مقدس یعقوب ہی وہاں تھے، جو وہاں کی کلیسیا کے سردار تھے (اعمال ۲۱: ۱۷۔۱۸)۔ لیکن (۴۷ء) میں جب مقدس پولُس وہاں گئے تھے تو رسول وہاں موجود تھے (اعمال ۱۵ باب؛ گلتیوں ۲: ۹) پس (۴۷ء اور ۵۴ء) کے درمیان مقدس یوحنا اور مقدس پطرس وہاں سے چلے گئے تھے۔ مقدس پولُس کے گلتیوں کے خط (گلتیوں ۲: ۱۱) الخ سے ظاہر ہے کہ مقدس پطرس کونسل کے بعد ہی یروشلیم سے غالباً (۴۷ء یا ۴۸ء) کے اوائل (آغاز) میں چلے گئے تھے کیونکہ (۴۸ء) میں مقدس پولُس اپنے دوسرے تبلیغی سفر کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ پس اگر مقدس پطرس اور دیگر رسول (۴۸ء) کے اوائل میں یروشلیم سے چلے گئے تھے تو ظاہر ہے کہ انجیل کی ضرورت درپیش تھی جس میں تمام واقعات اور تعلیمات سلسلہ وار ترتیب سے مرتب ہوں۔ پس جو تذکرے یہودیہ کے متعلق ضبطِ تحریر میں آ چکے تھے وہ (۴۸ء) سے پہلے کے ہونے چاہئیں۔ اور دیگر صوبوں کے تحریر شدہ تذکرے اس تاریخ سے بہت پہلے ہونے چاہئیں۔ کیونکہ ستیفنس کی موت کے بعد اوّلین مبلغین جنہوں نے انطاکیہ کا رخ کیا تھا وہ یونانی مائل یہود تھے، جنہوں نے غیر یہود کی ایک بڑی تعداد کو مسیحیت کا حلقہ بگوش کر لیا تھا۔ لیکن یہ مبلغین سیدنا مسیح کے سوانح حیات کے چشم دید گواہ نہ تھے (اعمال ۱۱: ۱۹ تا آخر)۔ پس یہ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے پاس تحریری تذکرے ضرور ہوں گے، گو ان کو وہ بیانات بھی یاد ہونگے جو کہ سینہ بسینہ چلے آئے تھے۔ پس پراگندگی کے زمانہ سے بہت پہلے سیدنا مسیح کے سوانح حیات وغیرہ قلمبند ہو چکے تھے۔ مقدس پولُس کے پاس بھی اس قسم کے تذکرات تھے۔ یہ تحریری تذکرے نہ تو مکمل تھے اور نہ ترتیب وار مرتب کئے گئے تھے لیکن اب چونکہ ضرورت پیش آگئی تھی پس لوقا نے ترتیب وار چشم دید گواہوں کے تحریری اور زبانی بیانات کو مسلسل طور پر لکھا"۔

"اعمال کی کتاب سے اس نتیجہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ ۱۸: ۲۴ تا آخر میں اپلوس کا ذکر آتا ہے جو سکندریہ سے افسس آیا تھا (آیت ۲۴)۔ وہ مسیحی تھا اور یسوع کی بابت صحیح صحیح تعلیم دیتا تھا مگر وہ صرف یوحنا ہی کے بپتسمہ سے واقف تھا" (آیت ۲۵)۔ یعنی اس کا مسیحی طریق کے مطابق بپتسمہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے سکندریہ میں مسیحیت کی تعلیم غالباً ان سے حاصل کی تھی "جو لوگ اس مصیبت سے پراگندہ ہو گئے تھے جو ستفنس کے باعث پڑی تھی (اعمال ۱۱: ۱۰)۔ اَب قابل غور بات یہ ہے کہ اگر کسی مسیحی مبلغ نے اس کو بپتسمہ دیا ہوتا تو وہ مسیحی طریق بپتسمہ سے ضرور واقف ہوتا لیکن "وہ صرف یوحنا ہی کے بپتسمہ سے واقف تھا"۔ لیکن یسوع کی بابت صحیح صحیح تعلیم دیتا تھا"۔ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ اپلوس کسی ایسی کتاب کے ذریعہ سیدنا مسیح کے قدموں میں آیا تھا جو کسی مسیحی مبلغ نے اس کو سکندریہ میں پڑھنے کو دی تھی "یوحنا کے بپتسمہ" کا ہی ذکر تھا اور سیدنا مسیح کی بابت " صحیح صحیح تعلیم" درج تھی۔ یہ عین ممکن ہے کہ یہ انجیل مرقس کی انجیل ہو جو اس کو (۴۹ء) سے پہلے سکندریہ میں دی گئی تھی اور جس کو پڑھ کر وہ جنابِ مسیح کا حلقہ بگوش ہو گیا تھا"۔

پسِ انجیل لوقا تب لکھی گئی تھی جب مقدس لوقا یہودیہ میں ہی تھے۔ آپ مقدس پولُس کے ساتھ یروشلیم میں آئے (اعمال ۲۱: ۱۵۔ الخ) یہ (۵۴ء) کا واقعہ ہے۔ آپ نے (۵۶ء) میں روم جانے سے پہلے ان دو سالوں کے دوران میں یہ انجیل لکھی"۔

انشاء اللہ ہم آئندہ باب میں ثابت کردیں گے کہ انجیل مرقس (۴۰ء) میں لکھی گئی تھی۔ پس ڈاکٹر بلاّس کا نظریہ کہ اپلوس اس انجیل کو سکندریہ میں پڑھ کر (۴۹ء) میں مسیحی ہوگئے تھے، عین قرین قیاس ہے۔

پس مختلف قسم کی دلائل سے ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مقدس لوقا کی انجیل (۵۵ءاور ۵۷ء) کے درمیان قیصریہ میں لکھی گئی تھی۔

فصلِ سوم

انجیل لوُقا کا سنِ تصنیف

اعمال کی کتاب اور مقدس پوُلس کے خطوط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقدس لوُقا نہ صرف رسول مقبول کے مونس غمخوار (محبت کرنے والااور دکھ درد میں شریک) اور رفیق کار تھے (کلسیوں ۴: ۱۴؛ ۲۔ کرنتھیوں ۸: ۱۸؛ فلیمون ۲۴؛ ۲۔ تیمتھیس ۴: ۱۱وغیرہ) بلکہ ابتدا ہی سے ان کو یہ شوق دامن گیر تھا کہ منجی عالمین کی زندگی کے واقعات اور آپ کے کلماتِ طیبات کی کھوج لگائیں۔ ان باتوں کو معلوم کرنے کے لئے اُنہوں نے کوئی دقیقہ فرد گذاشت (سب کچھ کہہ دینا، کوئی کسر نہ چھوڑنا) نہ کیا۔ انجیلِ سوم کا دیباچہ بتلاتا ہے کہ آپ اِس بات کے ہمیشہ جویاں (تلاش کرنے والا) رہے کہ ایسے لوگوں کا پتہ لگا کے ان سے ملاقات کریں "شروع سے دیکھنے والے" تھے۔ چنانچہ اس دارفتگی کی وجہ سے بالفاظ پوُلس رسول مقدس لوقا کی "تعریف انجیل کے سبب سے تمام کلیسیاؤں میں ہوتی" تھی (۲۔ کرنتھیوں ۸: ۱۸)۔

قیاس یہی چاہتا ہے کہ جس طرح مقدس لوقا نے پوُلس رسول کی زندگی اور سفروں کے واقعات کی ایک ڈائری (روزنامچہ) بنا رکھی تھی اور بعد میں اس روزنامچہ سے کام لے کر اعمال کی کتاب کو لکھا تھا، (اعمال باب ۱۶، ۲۰، ۲۱، ۲۷، ۲۸)۔ اُسی طرح آپ نے اپنی انجیل کی تالیف سے پہلے ایک یادداشت تیار کی ہوگی۔ آپ جس جگہ بھی جاتے ہوں گے وہاں "شروع سے دیکھنے والوں" سے جو کلام کے خادم" تھے ملتے ہوں گے۔ مثلاً جب آپ انطاکیہ گئے ہوں گے (جہاں آپ کی مقدس پوُلس سے پہلے پہل ملاقات ہوئی تھی) تو وہاں کی مقامی کلیسیا کے لیڈروں اور "کلام کے خادموں" مقدس پطرس، مقدس برنباس اور مقدس سیلاس سے مل کر آپ نے سیدنا مسیح کے حالات معلوم کرکے قلمبند کرلئے ہوں گے کیونکہ اُن دنوں میں یروشلیم اور انطاکیہ میں آمدورفت کا سلسلہ عام تھا۔ اس جگہ ہیرودیس کا رضاعی بھائی (دودھ شریک بھائی) مینن بھی تھا، جس کی وساطت سے مقدس لوقا نے قابل قدر معلومات جمع کی ہوں گی۔ لیکن سب سے زیادہ ذخیرہ معلومات آپ نے یروشلیم سے جمع کیا ہوگا، جہاں کلیسیا کے مقتدر لیڈر مقیم تھے جو "شروع سے خود دیکھنے والے تھے"۔ پروفیسر ہارنیک کا خیال ہے کہ قیصریہ میں آپ فلپس کے گھر رہے، جو "ساتوں میں سے تھا"۔ اور جس کی "چار کنواری بیٹیاں نبوت کرتی تھیں" (اعمال ۲۱: ۸۔ ۹)۔ اس سے مقدس لوقا نے سیدنا مسیح (ستر) مبشروں کو بھیجنے کا حال (لوقا ۱۰: ۱)۔ اور سامریہ کے واقعات سنے ہوں گے جن کا آپ کی انجیل میں ذکر ہے۔ اس کی بیٹیوں نے آپ کو ان عورتوں کی نسبت بتلایا ہوگا جن کے ذکر سے یہ انجیل بھری پڑی ہے۔ بالخصوص ان کا جو اپنے مال سے سیدنا مسیح کی خدمت کرتی تھیں (لوقا ۸: ۳)"۔ ہیرودیس کے دیوان خوزہ کی بیوی لوانہ "کے ساتھ آپ کی ملاقات انطاکیہ کے مناہیم کے ذریعہ (اعمال ۱۳: ۱) ہوئی ہوگی، جنہوں نے آپ کو اُن واقعات کا حال بتلایا ہوگا جن کا تعلق ہیرودیس اور اُس کے دربار کے ساتھ ہے۔ کیونکہ صرف آپ ہی کی انجیل میں یہ واقعہ مذکور ہے منجی جہان کو ہیرودیس کے دربار میں لئے گئے تھے۔ غالباً اسی وجہ سے آپ لفظ "ہیرودی" استعمال بھی نہیں کرتے (مرقس ۱۲: ۱۳؛ مقابلہ لوقا ۲۰: ۲۰ سے کرو) یوانہ نے آپ کو سیدنا مسیح ظفریاب قیامت کے بعد عورتوں کی دکھائی دینے کا حال

بھی سنایا ہوگا(لوقا ۲۴:۱۔۱۱)۔ یہ عین ممکن ہے کہ انہی عورتوں (لوقا ۸:۳؛اعمال ۲۱:۹ وغیرہ) سے آپ نے منجی عالمین اور یوحنا بپتسمہ دینے والے کی پیدائش کے حالات پائے ہوں۔ کیونکہ یہ حالات نسوانی نقطہ نگاہ سے لکھے ہوئے ہیں۔ اگر "شمعون جو کالا کہلاتا ہے" (اعمال ۱۳:۱) وہی ہے جو انجیل میں "شمعون کرینی" کے نام سے مشہور ہے، تو مقدس لوقا اس کو انطاکیہ میں ملے ہوں گے۔ صلیبی واقعات کو جاننے کے لئے اُس سے بہتر اور کوئی چشم دید گواہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ہم ان اُمور کا مفصل ذکر حصہ دوم کے باب سوم میں کر آئے ہیں۔ لہٰذا ان کا یہاں اعادہ (دوہرائی) نہیں کرتے۔

قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب مقدس لوقا نے فلپی کے مقام پر (۵۰ء) میں مقدس پولُس کا ساتھ چھوڑا جاتا تھا آپ نے اس کے بعد کے چند سال سیدنا مسیح کے حالات کی کھوج لگانے میں صرف کئے تھے۔

پس ظاہر ہے کہ مقدس لوقا مختلف مقامات اور ذرائع سے اپنی انجیل کے لئے معلومات حاصل کرکے اُن کو اپنے روزنامچہ (ڈائری) اور یادداشت کی کتاب میں درج کر لیتے تھے۔ پس آپ ایک مورخ کی حیثیت سے "سب باتوں کا سلسلہ شروع ہی سے ٹھیک ٹھیک دریافت" کرتے رہے تاکہ بوقتِ فرصت ان کو "ترتیب" دے کر لکھیں۔

(۲)

متنازعہ فیہ (وہ چیز جس پر جھگڑا ہو) سوال یہ ہے کہ مقدس لُوقا نے اس مسالہ کو (جو اُنہوں نے سالہا سال کی جان کاہ "محنت طلب" محنت اور دوڑ دھوپ کرکے جمع کیا تھا) کب ترتیب دے کر موجودہ انجیل سوم کی صورت میں لکھا؟ اس سوال کے مختلف جواب دئے جاتے ہیں:۔

(ا۔) بعض علماء کہتے ہیں کہ مقدس لوقا نے اس تمام مسالے کو اس زمانہ میں جمع کیا تھا جب آپ (۵۷ء یا ۵۸ء اور ۶۰ء) کے درمیانی عرصہ میں مقدس پولُس کے ساتھ روم میں مقیم تھے۔ پھر (۷۰ء اور ۸۰ء) کے درمیان آپ نے اس مسالہ کو ترتیب دے کر موجودہ انجیل کی صورت میں شائع کیا۔ لیکن ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ مقدس لوقا نے اپنا دوسرا رسالہ یعنی اعمال کی کتاب اُن ایام (۶۰ء) میں لکھا تھا۔ پس انہوں نے اپنا پہلا رسالہ اس سے چند سال قبل لکھا ہوگا۔

علاوہ ازیں مقدس لوقا ابتدا ہی سے اس بات کے خواہاں (خواہش مند) تھے کہ "سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کرکے ان کو ترتیب وار بیان" کریں اس غرض کے لئے وہ ہر ممکن طور پر کوشش کرتے رہے کہ ایسے لوگوں سے خود ملاقات کریں "جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے" چنانچہ انہی والہانہ اور بے غرضانہ کوششوں کی وجہ سے بالفاظ پولُس رسول اُن کی "تعریف تمام کلیسیاؤں میں ہوتی تھی" (۲۔کرنتھیوں ۸:۱۸)۔ مقدس رسول کے یہ الفاظ (۵۴ء) میں لکھے گئے تھے [1]۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ (۵۴ء) تک اس قابل مصنف کی اُن تھک کوششوں نے ہر مقام کی کلیسیا میں دوڑ دھوپ کرکے کافی مسالہ جمع کر لیا تھا۔ اگر یہ نتیجہ درست ہے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ بقول ان علماء کے سولہ (۱۶) سال اور بقول دیگر علماء پچیس (۲۵) سال مقدس لوقا کیوں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہے؟ پس ہمارے خیال میں انجیل سوم کا (۷۰ء اور ۸۰ء) کے درمیان لکھا جانا بعید از قیاس امر ہے۔

---

[1] Rackham, Acts CXV.

(۲۔) مرحوم ڈاکٹر سٹریٹر Dr. Strater کا خیال ہے[1] کہ مقدس لوقا نے ان دو سالوں میں جو آپ نے قیصریہ میں مقدس پولُس کے ساتھ کاٹے اپنا مسالہ جمع کیا اور مقدس پولُس کی شہادت کے بعد آپ نے اپنی انجیل کا پہلا ایڈیشن شائع کیا جو صرف حلقہ احباب کے لئے ہی مخصوص تھا۔ اس زمانہ کے بعد جب انجیل مرقس لکھی گئی تب آپ نے اس انجیل کے چند حصص کو اپنے پہلے ایڈیشن میں شامل کر کے انجیل سوم کو اس کی موجودہ صورت میں لکھ کر عام مسیحیوں کے فائدہ کے لئے شائع کیا۔ لیکن اس نظریہ کو قبول کرنے سے پہلے یہ لازم آتا ہے کہ ہم دو باتیں قبول کریں۔ **اوّل** یہ کہ کتاب اعمال الرسل کم از کم (۸۰ء) سے پہلے نہیں لکھی گئی تھی[2] اور **دوم** یہ کہ مقدس مرقس کی انجیل (۷۰ء) کے قریب لکھی گئی۔ ہم نے گذشتہ باب میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ پہلی بات قابل قبول نہیں ہے اور انشاء اللہ ہم آگے چل کر یہ ثابت کر دیں گے کہ مقدس مرقس کی انجیل (۷۰ء) سے بہت پہلے لکھی گئی تھی۔ پس ڈاکٹر مرحوم کی تاریخ تصنیف ہمارے نزدیک قابل تسلیم نہیں ہے۔ ہم حصہ دوم کے باب سوم کی فصل اول میں ثابت کر آئے ہیں کہ ڈاکٹر سٹریٹر کا نظریہ قابل قبول نہیں ہے۔

(۳)

پہلی صدی کے واقعات کا تاریخ وار سلسلہ واقعات کا نقشہ بنانا ایک نہایت دشوار امر ہے۔ مختلف علماء مختلف واقعات کے لئے مختلف اوقات اور سن تجویز کرتے ہیں۔ ہم نے اوپر لکھا ہے کہ مقدس پولُس کے کرنتھیوں کے دوسرے خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ (۵۴ء) تک مقدس لوقا نے اپنا مسالہ جمع کر لیا تھا۔ جب وہ اس سال کرنتھ بھیجے گئے تھے۔ (۵۵ء) میں عید فسح کے موقعہ پر مقدس پولُس یروشلیم آئے اور آپ قید ہو کر قیصریہ بھیج دئے گئے جہاں آپ دو سال (۵۵ء سے ۵۷ء) کے موسمِ گرما کے آخر تک قید رہے اور پھر وہاں سے روم بھیجے گئے جہاں آپ (۵۸ء) کے موسمِ بہار میں پہنچے۔ اور (۶۰ء) تک زیر نگرانی رہے[3]۔

اگر ہم سلسلہ واقعات کی مندرجہ بالا تاریخوں کو قبول کر لیں (۵۵ء) میں مقدس پولُس قیصریہ میں لائے گئے جہاں آپ کامل دو سال حراست میں رہے۔ قیصریہ پہلی جگہ تھی جہاں مقدس پطرس نے کرنیلس کو بپتسمہ دے کر مسیحیت کا حلقہ بگوش کیا تھا (اعمال ۱۰ باب)۔ پس وہ گویا غیر یہودی کلیسیاؤں کی ماں تھی اور مقدس فلپس اپنی بیٹیوں کے ساتھ یہیں مقیم بھی تھے۔ مقدس پولُس کی قید سخت نہ تھی۔ پس قیصریہ کی مسیحی کلیسیا کے شرکاء آپ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ مقدس لوقا اور ارسترخس آپ کے ساتھ تھے (اعمال ۲۷: ۱۔ ۲)۔ مقدس لوقا کو سوائے رسول مقبول کی حاضر باشی (موجودگی) کے اور کوئی خاص کام بھی نہ تھا۔ پس اغلب یہ ہے کہ آپ نے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر یہ دو سال انجیل سوم کی تالیف و ترتیب میں صرف کئے۔ آپ کو یہ احساس تھا کہ رومی یونانی دنیا کو اور مسیحی کلیسیا دونوں کو ایسی کتاب کی ضرورت ہے جس میں منجی عالمین کی تعلیم اور زندگی کا "ترتیب وار ذکر ہو۔ ایشیاء، آخیہ اور مقدونیہ کی کلیسیائیں اب مقدس پولُس کے قید ہونے کی وجہ سے گویا یتیم ہو رہی تھیں۔ اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ مقدمہ کا انجام کیا ہو گا۔ ان کلیسیاؤں کو اس بات کی فوری ضرورت تھی کہ ان کے ہاتھوں میں ایک ایسی مستند کتاب ہو جس میں سیدنا مسیح کی تعلیم اور سوانحِ حیات دونوں کا مفصل ذکر ہو۔ پس مقدس لوقا نے اس فرصت کے وقت کو غنیمت سمجھا اور کمر ہمت باندھ کر اپنے روزنامچے۔ یادداشت اور دیگر ماخذوں سے اور بالخصوص انجیلِ مرقس سے کام لے کر سب واقعات کو ترتیب دے کر اپنی انجیل کو لکھا۔

---

[1] Streeter, The Four Gospels pp. 218-19
[2] Ibid p.218
[3] Rackham, Acts p.CXV.

پس مقدس لوقا کی انجیل (۵۵ءاور ۵۷ء) کے درمیان یعنی صلیبی واقعہ کے صرف قریباً پچیس (۲۵) سال بمقام قیصریہ میں لکھی گئی۔

باب سوم

تاریخِ تصنیف انجیلِ مرقس

فصل اوّل

انجیلِ مرقس کا پسِ منظر

دورِ حاضرہ میں مغربی کلیسیاؤں کے علماء بالعموم یہی خیال پیش کرتے ہیں کہ مقدس مرقس نے انجیل دوم کو (۷۰ء) کے قریب لکھا تھا۔اس سوال کا میں گذشتہ تیس (۳۰) سال سے مطالعہ کر رہا ہوں اور جتنا میں اناجیلِ اربعہ کی تاریخ تصنیف پر غور کرتا ہوں اُتنا ہی مجھ کو یقین ہوتا جاتا ہے کہ مغربی علماء کی تاریخیں غلط ہیں اور موجودہ اناجیل اربعہ اس تاریخ سے کم از کم ایک ربع صدی یعنی پچیس (۲۵) سال پیشتر لکھی گئی تھیں۔اور اوّلین انجیل یعنی انجیلِ مرقس منجی عالمین کی صلیبی موت کے صرف دس سال بعد احاطہ تحریر میں آگئی تھی۔

سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت اور جلالی صعود کے بعد جب روح القدس کا نزول ہوا تو رسولوں اور تمام دیگر صحابہ اور شاگردوں کے مردہ دلوں میں وُہی زندگی دوبارہ عود کر (واپس) آئی جو وہ حضرت ابن اللہ کی فیضانِ صحبت کی وجہ سے اپنے اندر رکھتے تھے۔ہم حصہ اوّل میں بتلا چکے ہیں کہ رسولوں نے شروع شروع میں گناہوں سے نجات حاصل کرنے کی خوشخبری (انجیل) کو زبانی سنایا۔ان کی منادی کا ماحصل یہ تھا کہ ہر شخص منجی جہاں پر ایمان لائے، توبہ کرے اور گناہوں کی معافی حاصل کرنے کے لئے سیدنا مسیح کے نام پر بپتسمہ لے (اعمال ۲: ۲۲۔۴۰)۔وہ کہتے تھے کہ یہ نجات شریعت کے احکام پر کامل طور سے عمل کرنے کے ذریعہ نہیں ملتی بلکہ صرف سیدنا مسیح پر ایمان لانے سے ملتی ہے۔پس آنخداوند کی زندگی، موت، قیامت اور صعودِ آسمانی کے واقعات کو ابتدا ہی سے اسی نکتہِ نگاہ سے دیکھا گیا۔پس ان واقعات کا بیان اور ان کی تاویل و تشریح ابتدا ہی سے رسولوں کی منادی کا جزوِ اعظم تھے۔سیدنا مسیح کی زندگی کے واقعات اسی ایک مقصد کے تحت بتائے جاتے تھے اور ان کا ذکر اسی تاویل کے تحت کیا جاتا تھا(اعمال ۱۰: ۳۸۔۴۳)اور اسی ایک وجہ کے باعث ان واقعات نے اناجیل اربعہ میں جگہ بھی پائی۔حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیم، آپ کی مبارک زندگی کے واقعات، آپ کا عوام الناس میں نیکی کے کام کرنا، لوگوں کو معجزانہ طور پر شفادینا اور دیگر خوارقِ عادت (خلافِ عادت باتیں، معجزے) واقعات کے ذکر کا مطلب یہ نہیں تھا کہ آپ کی کوئی سوانح عمری لکھی جائے بلکہ یہ باتیں اسی ایک مقصد کے تحت چاروں انجیل نویسوں نے اپنے اپنے خیال، مقصد، نظریہ اور مطلب کے مطابق قلمبند کیں (یوحنا ۲۱: ۲۵)۔

یہ امر قابل غور ہے کہ رسولوں کے اعمال کی کتاب کے پہلے حصہ (ابواب ۱۔۱۳) میں سیدنا مسیح کے رسول منجی عالمین کی صلیبی موت اور فتحیاب قیامت پر زور دیتے ہیں (اعمال ۲: ۲۲۔۴۰؛ ۳: ۱۳۔۲۵؛ ۴: ۲۔۱۲؛ ۵: ۲۸۔۳۲؛ ۷: ۵۱۔۵۳؛ ۸: ۳۲۔۳۹؛ ۱۰: ۳۷۔۴۳؛ ۱۳: ۲۷۔۳۹ وغیرہ)۔ابتدا میں ہر مرید کو شروع ہی سے اس ایک بات کی تعلیم دی جاتی تھی کہ " مسیح کتابِ مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لئے موا اور دفن

ہوا اور تیسرے دن کتابِ مقدس کے مطابق جی اٹھا" (۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۳۔۴)۔اس حقیقت کو ہم پہلے حصہ کے باب سوم میں واضح کر چکے ہیں۔ابتدائی "منادی" کے عین مطابق انجیل مرقس میں بھی صلیب کو مرکزی جگہ دی گی ہے۔ایک مصنف نے خوب کہا ہے کہ انجیل مرقس کا پہلا حصہ صرف دیباچہ ہے۔اور اصل کتاب میں صلیب کا بیان ہے۔ چنانچہ اُردو ایڈیشن میں اس انجیل میں آنخداوند کی سہ سالہ خدمت کا بیان صرف سولہ (۱۶) صفحوں پر مشتمل ہے۔لیکن آپ کی زندگی کے صرف ایک آخری ہفتہ کا بیان بیس (۲۰) صفحوں پر مشتمل ہے۔مقدس مرقس کا اصل مقصد یہ تھا کہ آپ ایک ایسا مختصر رسالہ لکھیں جس میں یہ ثابت ہو کہ سیدنا مسیح ہی مسیح موعود اور ابن اللہ تھے جن کو صلیب پر مرنا ضرور تھا۔پس صلیبی واقعہ اس انجیل کا مرکز ہے جس کے گرد تمام واقعات اور بیانات گھومتے ہیں۔چنانچہ مقدس مرقس اپنی انجیل کے پہلے سولہ (۱۶) صفحوں میں پندرہ (۱۵) واقعات کا ذکر کرتے ہیں[1]۔جن کا تعلق مسیح کی مخالفت کے ساتھ ہے اور جن کا لازمی نتیجہ صلیبی واقعہ ہوا (مرقس ۲: ۱؛ ۳: ۶؛ ۳: ۲۲۔۳۰؛ ۷: ۵۔۱۳؛ ۸: ۱۱۔۱۲؛ ۹: ۱۱۔۱۳؛ ۱۰: ۲۔۱۲؛ ۱۱: ۲۷۔۳۳؛ ۱۲: ۱۳۔۴۰)۔انجیل نویس ان واقعات کو دو ٹکڑوں میں یکجا جمع کرتا ہے اور پہلے ٹکڑے کے آخری الفاظ میں "پھر فریسی نے فی الفور باہر جا کر ہیرودیوں کے ساتھ اس کے برخلاف مشورہ کرنے لگے کہ اسے کس طرح ہلاک کریں" (مرقس ۳: ۶)۔اور دوسرے ٹکڑے کے آخر میں لکھتا ہے "پھر کسی مخالف نے اس سے سوال کرنے کی جرات نہ کی" (مرقس ۱۲: ۳۴)۔

یہ پندرہ (۱۵) واقعات جو در حقیقت صلیبی واقعہ کا دیباچہ ہیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱۔) شفا دینے کا واقعہ (مرقس ۲: ۱۔۱۲)۔(۲۔) گنہگاروں کے ساتھ کھانا (مرقس ۲: ۱۳۔۱۷)۔(۳۔) روزہ رکھنے کا سوال (مرقس ۲: ۱۸۔۲۲)۔(۴۔) سبت کے احترام کا سوال (مرقس ۲: ۲۳تا ۳: ۶)(۵۔) مسیح کی قوت کا سرچشمہ (مرقس ۳: ۲۲۔۳۰)۔(۶۔) بزرگوں کی روایات کا سوال (مرقس ۷: ۵۔۱۳)۔(۷۔) نشان طلب کرنا (مرقس ۸: ۱۱۔۱۲)۔(۸۔) ایلیاہ کا آنا (مرقس ۹: ۱۱۔۱۳)۔(۹۔) طلاق کا سوال (مرقس ۱۰: ۲۔۹)(۱۰۔) یسوع کے اختیار کے بارے میں سوال (مرقس ۱۱: ۲۷۔۳۳)۔(۱۱۔) جزیہ دینے کا سوال (مرقس ۱۲: ۱۳۔۱۷)۔(۱۲۔) قیامت کا مسئلہ (مرقس ۱۲: ۱۸۔۲۵)۔(۱۳۔) اولین حکم (مرقس ۱۲: ۲۸۔۳۴)۔(۱۴۔) مسیح کے ابنِ داؤد ہونے کا سوال (مرقس ۱۲: ۳۵۔۳۷)۔(۱۵۔) فقیہوں کی روحانی کمزوری کا الزام (مرقس ۱۲: ۳۸۔۴۰)۔

ان ابتدائی بیانات میں انجیل نویس نے ذیل کے چھوٹے چھوٹے واقعات کے سات مجموعے شامل کئے ہیں:۔

(۱۔) کفر نحوم میں ایک دن کی ڈائری (مرقس ۱: ۲۱۔۳۹)۔(۲۔) تمثیلیں (مرقس ۴: ۱۔۳۴)۔(۳۔) بارہ رسولوں کا بلاوا اور تقرر (مرقس ۱: ۱۶۔۲۰؛ ۳: ۱۳۔۱۹؛ ۶: ۷۔۱۳ وغیرہ)۔(۴۔) گلیل کے شمالی حصے کے سفر (مرقس ۶: ۲۴؛ ۷: ۳۷؛ ۸: ۱۔۲۶)۔(۵۔) صلیب کی شاہراہ (مرقس ۸: ۲۷؛ ۱۰: ۴۵)۔(۶۔) یروشلیم کو سفر (مرقس ۱۰: ۱؛ ۱۰: ۴۶۔۵۲؛ ۱۱: ۱۔۲۴)۔(۷۔) مصیبتوں کا آنا (مرقس ۱۳ باب)۔

ہم نے سطور بالا میں ذرا تفصیل سے کام لیا ہے تاکہ ناظرین کے یہ ذہن نشین ہو جائے کہ انجیل مرقس کا مرکز صلیبی واقعہ ہے۔اس انجیل کے پہلے حصہ میں حضرت کلمتہ اللہ کے بعض کلماتِ طیبات بھی ہیں جو اُس تحریری مجموعہ **"رسالہ کلمات"** میں سے اخذ کئے گئے تھے جو آنخداوند کی حینِ حیات میں لکھا گیا تھا۔ان کے علاوہ چودہ (۱۴) ایسے مقامات ہیں جو "ابنِ آدم" کے سوال سے متعلق ہیں، جن میں سے سات (۷) مقامات انجیل کے اس حصہ سے متعلق ہیں جس کو ہم نے اُوپر "صلیب کی شاہراہ" کے نام سے موسوم کیا ہے جس میں منجی عالمین تین (۳) بار اپنے مصلوب ہونے کی پیشین

1

گوئی کرتے ہیں۔ کیونکہ مقدس پولُس اور ابتدائی ایام کے دیگر "اُستادوں" کی طرح مقدس مرقس بھی اس ایک معمہ کو حل کرنا چاہتے ہیں کہ جلالی ابنِ آدم نے اپنے آپ کو پست کردیا یہاں تک کہ اُس نے صلیبی موت گوارا کی۔ یہ چودہ مقامات حسب ذیل ہیں:۔

(مرقس ۲: ۱۰؛ ۲: ۲۸) اس کے بعد سات (۷) مقامات کا تعلق "صلیب کی شاہراہ" کے حصہ سے ہے (یعنی مرقس ۸: ۳۱؛ ۸: ۳۵؛ ۹: ۹؛ ۹: ۱۲؛ ۹: ۳۱؛ ۱۰: ۳۳؛ ۱۰: ۴۵)۔ ان کے بعد پانچ باقی ماندہ مقامات حسب ذیل ہیں:۔

(مرقس ۱۳: ۲۶؛ ۱۴: ۲۱ دو دفعہ۔ مرقس ۱۴: ۴۱؛ ۱۴: ۶۲)۔

پس ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ مقدس مرقس کی انجیل کا مرکز صلیبی واقعہ ہے (مرقس باب ۱۴، ۱۵) جس سے پہلے تمہید کے طور پر اُن پندرہ (۱۵) واقعات کا ذکر کیا گیا ہے، جو یہود کے ساتھ تصادم (جھگڑے) کا باعث تھے۔ چند ایک مقامات میں حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیم کا بطور مُشتے نمونہ از خروارے (ڈھیر میں سے مٹھی بھر) ذکر کیا گیا ہے تاکہ انجیل کے پڑھنے والے پر عیاں ہو جائے کہ اس قسم کی تعلیم کا اور فقیہوں اور فریسیوں کی تعلیم کا تصادم ایک ناگریز امر تھا (مرقس ۱: ۲۷)۔ پس انجیل مرقس کا اصل مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ منجی عالمین کی صلیبی موت کوئی اتفاقیہ امر نہ تھا جو آپ کی قسمت میں مقدر ہو۔ بلکہ آپ اس دُنیا میں قربان ہونے ہی کی خاطر آئے تھے اور آپ نے اُس موت کو برضاء ورغبتِ خود قبول فرمایا تھا جس سے خدا کا مقصد پورا ہوا اور دنیا کو نجات ملی (مرقس ۸: ۳۱؛ ۹: ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۰: ۳۳؛ ۱۴: ۲۱، ۳۶)۔ انجیل نویس نے اس بنیادی امر کو ابتدا ہی سے پیشِ نظر رکھا اور اسی مقصد کے تحت اُس نے اپنے مسالہ کو ترتیب دی۔

(۲)

ہم حصہ اوّل کے باب سوم میں بتلا چکے ہیں کہ مسیحیت کے آغاز ہی سے ایک سوال سب کی زبان پر تھا۔ یہود اور غیر یہود مسیحی اور غیر مسیحی، سب یہ پوچھتے تھے کہ اگر سیدنا عیسیٰ فی الواقع مسیح موعود تھے تو آپ کیوں مصلوب کئے گئے؟ صلیب اور مسیح موعود کا تصور دونوں متضاد باتیں سمجھی جاتیں تھیں (متی ۱۶ باب) صلیب یہودیوں اور غیر یہودیوں کے لئے ٹھوکر اور مضحکہ خیز بات تھی (گلتیوں ۵: ۱۱)۔ پس ہر جانب سے کلیسیا کے مبلغین پر اس سوال کی بوچھاڑ ہوتی تھی کہ اگر یسوع فی الحقیقت مسیح موعود تھے تو آپ کا انجام صلیب پر کیوں ہوا؟

مقدس مرقس نے اس سوال کا جواب دینے کے لئے اپنی انجیل تصنیف کی۔ اس سوال کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:۔

(۱۔) اہلِ یہود کے لیڈروں نے "حسد کے مارے" سیدنا مسیح کو پلاطوس کے حوالے کیا تھا (مرقس ۵: ۱۰)۔ کیونکہ اُن میں اور سیدنا مسیح میں بار بار مختلف اُمور کے متعلق (جن کی مقدس مرقس چند مثالیں بھی دیتے ہیں) باہمی تصادم ہوا تھا اور ہر موقعہ پر وہ بحث میں ہار گئے تھے اور لیڈروں کی تمام کوششوں کے باوجود عوام الناس جوق در جوق سیدنا مسیح کے پیرو ہوتے جاتے تھے۔

(۲۔) سیدنا مسیح نے برضا ورغبتِ خود اپنی جان دی تاکہ "بہتیروں کے بدلے فدیہ ہو" (مرقس ۱۰: ۴۵؛ ۱۴: ۲۴۔ مقابلہ کرو یوحنا ۱۰: ۱۸)۔

(۳۔) مسیح موعود کے حق میں انبیاء اللہ نے پیشینگوئیاں کی تھیں کہ وہ قوم کی خاطر جان دے گا۔ (مرقس ۸: ۳۱؛ ۹: ۱۲، ۳۱؛ ۱۰: ۳۳؛ ۱۴: ۲۱، ۳۶)۔ مسیح موعود کی زندگی کا آخر اور انجام صلیب پر ہونا تھا کیونکہ رضائے الٰہی یہ تھی کہ مسیح موعود اسی طرح اپنی جان دے۔

ان جوابات کی وجہ سے مرقس میں صلیب کو (جیسا ہم بتلا چکے ہیں) مرکزی جگہ حاصل ہے۔ رسولوں کے اعمال کی کتاب سے ظاہر ہے کہ رسولوں کے وعظ اور منادی میں صلیب کو شروع ہی سے مرکزی جگہ دی گئی ہے۔ رسول بار بار مذکورہ بالا سوال کا اپنی تقریروں میں جواب دیتے ہیں۔

مقدس پولُس کی تحریرات میں بھی مسیح مصلوب کے تصور کو مرکزی جگہ حاصل ہے (گلتیوں ۳: ۱؛۱۔ کرنتھیوں ۲: ۲؛۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۱۔۴؛فلپیوں ۲: ۶۔۱۱وغیرہ)مقدس پطرس کی منادی بھی صلیب کی منادی ہے (اعمال ۱۰: ۷۔۳۔۴۳)۔

یہ سوال اور دوازدہ رسولوں کے جوابات، سب کے سب کلیسیا کی زندگی کے اوّلین اور ابتدائی دور سے متعلق ہیں، جب مسیحیت کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا۔ پس انجیلِ مرقس اُس زمانہ میں تصنیف کی گئی تھی جب مذکورہ بالا سوال، یہود اور غیر یہود، مسیحی اور غیر مسیحی گروہوں کی زبان پر تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ زمانہ (۷۰ء) کا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مسیحیت کا آغاز کا زمانہ ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ انجیل منجی عالمین کی صلیبی موت کے صرف چند سال بعد ہی لکھی گئی تھی۔

لیکن صلیبِ کا واقعہ آنخداوند کی زندگی کا انجام نہیں تھا بلکہ یہ واقعہ آنخداوند کی ظفریاب قیامت اور صعودِ آسمانی کے واقعات کے ساتھ لازم وملزوم کی کڑی میں بطور ایک کامل زنجیر کے وابستہ تھا۔ سیدنا مسیح کی قیامت نے ثابت کر دیا ہے کہ یسوع فی الحقیقت جلالی مسیح موعود تھا جس نے موت کے بندھنوں کو توڑا۔ ابن اللہ کا مردوں میں سے جی اٹھنا محض کسی مردے کا دوبارہ زندہ ہونا نہیں تھا۔ آپ کا موت کے بندھنوں کو توڑنے کا واقعہ اس قسم کا سانحہ تھا جیسا نائن کی بیوہ کے بیٹے کا یا لعزر کے قبر سے دوبارہ نکل آنے کا واقعہ تھا۔ یہ اور دیگر مردے جن کو آنخداوند نے اپنی اعجازی طاقت سے زندہ کیا تھا دوبارہ مر گئے تھے لیکن انجیل نویس کے مطابق سیدنا مسیح کا مرُدوں میں سے زندہ ہونا آپ کے جلالی مسیحائی مرتبہ کا ثبوت تھا۔ آپ کی ظفریاب قیامت نے عالم اور عالمیان پر واضح کر دیا کہ سیدنا مسیح فی الحقیقت مسیح موعود تھے۔ یہ واقعہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ آپ ابنِ آدم تھے جو آسمان سے اُترے تھے تاکہ اپنی زندگی اور موت کے وسیلے زمین کے رہنے والوں کو ابدی نجات عطا کریں۔ پس انجیل مرقس کے مطابق منجی جہاں کی ظفریاب قیامت اور صعودِ آسمانی آپ کی مسیحائی کے ثبوت کے آخری اور زبردست کڑیاں ہیں۔ مقدس پولُس کی تقریروں اور تحریروں سے یہی اُمور واضح ہو جاتے ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مقدس پولُس رسول انجیل مرقس کے بخوبی واقف تھے۔ دیکھو (مرقس ۱: ۱۔ ۱۲؛اعمال ۱۳: ۲۴؛ ۱۹: ۴وغیرہ)۔ پسدیہ کے انطاکیہ والی تقریر سے ثابت ہے کہ مقدس پولُس (۴۶ء) سے پہلے انجیل مرقس سے واقف تھے۔ یہی بات (مرقس ۶: ۱۱اور اعمال ۱۳: ۵۱) کے مقابلہ کرنے سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

یہ اُمور نہ صرف مقدس مرقس کی انجیل سے ہی ظاہر ہے بلکہ اعمال کی کتاب کے ابتدائی ابواب بھی ثابت کرتے ہیں کہ تمام رسول اسی ایک تعلیم پر متفق تھے۔ اور سب رسولوں اور مبلغوں کی منادی کا ماحصل یہی تھا (رومیوں ۱: ۱۔۴؛ ۶: ۹۔۱۱؛اعمال ۲: ۳۲۔ ۳۳؛ ۵: ۳۱وغیرہ)۔ یہی تعلیم ابتدائی زمانہ میں ہر نو مرید کو دی جاتی تھی (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۱۔۷)اور انجیلی مجموعہ کی تمام تحریرات کی یہی بنیاد ہے۔

مقدس مرقس کی انجیل دورِ اوّلین کے اسی ابتدائی زمانہ کی تعلیم کی تفصیل ہے۔ ابتدا ہی سے رسولوں نے اسی ڈھنگ سے سیدنا مسیح کی پیدائش، تعلیم، واقعاتِ زندگی، صلیبی موت، ظفریاب قیامت اور صعودِ آسمانی کو سمجھا۔ اور اسی رنگ میں یہود اور غیر یہود سب کے سامنے پیش کیا۔

اَب ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہو گا کہ مقدس مرقس کی انجیل کی تمام کی تمام فضا شروع سے آخر تک وہی ہے جو ابتدائی کلیسیا کے شروع کے زمانہ میں تھی جس کا نظارہ ہم کو اعمال کی کتاب کے پہلے حصہ میں ملتا ہے۔ اس انجیل میں سیدنا مسیح کی موت کے بعد کے دس (۱۰) سال کے حالات کا عکس نظر آتا ہے۔ پس اس کی تصنیف کا زمانہ بھی (۴۰ء) کے لگ بھگ کا ہے۔

فصل دوم

انجیلِ مرقس اور اوّلین ایام کی معتقدات

مقدس مرقس کوئی بڑے پایہ کے عالم نہ تھے۔ وہ دینیات کے ماہر اور فلاسفر بھی نہ تھے۔ ان کی انجیل میں نہ تو کوئی دقیق فلسفیانہ نظریئے پیش کئے گئے ہیں اور نہ کوئی ایسی اصطلاحات موجود ہیں جو مسیحی دینیات کی تشریح کے لئے بعد کے زمانہ میں وضع کی گئی تھیں۔ وہ سیدھے سادے طور پر اپنے منجی کی سیرت لکھنے والے تھے۔ اُنہوں نے دیانت داری سے اُن خیالات کو پیش کیا جو ابتدائی کلیسیا کے آغاز میں مروج تھے۔ چنانچہ پروفیسر ورنر Werner کہتا ہے کہ مرقس کی انجیل مسیحیت کے اُن خیالات کا آئینہ ہے جو پہلی صدی کے درمیان میں یہود نومرید اور غیر اقوام کے نومرید دونوں مانتے تھے۔ اس میں مسیح کے تجسم یا کفارہ کے متعلق کوئی فلسفیانہ نظریئے نہیں ہیں لیکن ان حقائق پر زور دیا گیا ہے۔ اس انجیل میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ آنخداوند اپنی خدمت کی ابتدا ہی سے مسیح موعود (مرقس ۱: ۳۴؛ ۸: ۲۹)۔ اور ابن اللہ (مرقس ۱: ۱) تھے اور الٰہی مقصد کے ماتحت اور بلاوے کی وجہ سے ابنِ آدم تھے۔ آپ نے صلیب کا دُکھ اٹھایا کیونکہ آپ ابنِ آدم تھے، جو آسمان سے تھے اور جن کا زمین پر اختیار تھا (مرقس ۲: ۱۰، ۲۸)۔ اور کہ آپ اُن باتوں کو پورا کرنے آئے تھے اور جو آپ کی بابت لکھی تھیں۔ اسی واسطے آپ صلیب پر مرے اور پھر زندہ ہوئے اور جلال کے ساتھ منصف ہو کر آئیں گے (مرقس ۸: ۳۸؛ ۱۳: ۲۶ آیت الخ)۔

یہ حالات کلیسیا کے معتقدات (اعتقاد کرنے والے) کے ارتقاء (بتدریج ترقی کرنا) کی پہلی منزل سے متعلق ہیں۔ اس منزل میں حضرت ابن اللہ کی شخصیت کے متعلق کسی نظریہ کا وجود پایا نہیں جاتا۔ صرف اس حقیقت کے اظہار پر ہی اکتفا کیا گیا ہے کہ آپ ابن اللہ، ابن آدم اور مسیح موعود ہیں۔ پس اس انجیل کی تصنیف کا زمانہ منجی جہان کی صلیبی موت کے دس برس بعد کا ہے جو کلیسیا کے خیالات کی ابتدائی منزل تھی۔

انجیلِ مرقس کے بیان کے مطابق جب سیدنا مسیح نے حضرت یوحنا اصطباغی سے بپتسمہ پایا تو لکھا ہے کہ "جب وہ (یسوع) پانی سے نکل کر اوپر آیا تو فی الفور اُس نے آسمان کو پھٹتے اور روح کو کبوتر کی مانند اپنے اُوپر اترتے دیکھا اور آسمان سے آواز آئی کہ یہ میرا" محبوب" (ہے اور میرا) بیٹا ہے۔ تجھ سے میں خوش ہوں"۔ عہدِ عتیق میں "محبوب" اور "بیٹا" مسیح موعود کے دو مختلف نام اور الگ الگ خطابات تھے۔ پس اس بیان کے مطابق بپتسمہ کے وقت آنخداوند پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ آپ خود مسیح موعود ہیں۔ آپ کی اپنی مسیحائی کا احساس اس زمانہ سے شروع ہوا اور آپ نے یہ محسوس کیا کہ خدا نے آپ کو روح القدس سے مسح کیا ہے اس انجیل کے الفاظ سے صاف واضح ہے کہ مصنف کے خیال میں روح القدس سے ممسوح ہونے کی وجہ سے آپ ابن اللہ ہیں۔

آنخداوند کی ذات اور شخصیت کے متعلق بعینہ یہی نظریہ اعمال الرسل کے پہلے بارہ (۱۲) ابواب میں موجود ہے جو مسیحی کلیسیا میں دورِ اوّلین میں مروج تھا اور جس کا خلاصہ مقدس پطرس کے الفاظ میں موجود ہے "خدا نے یسوع ناصری کو روح القدس اور قدرت سے مسح کیا۔ وہ بھلائی کرتا اور اُن سب کو جو ابلیس کے ہاتھ سے ظلم اٹھاتے تھے شفا دیتا پھرا کیونکہ خدا اُس کے ساتھ تھا" (اعمال ۱۰: ۳۸)۔

پس مسیحیت کے آغاز میں آنخداوند کی ذات اور شخصیت کی نسبت جو نظریہ کلیسیا کے ابتدائی مراحل و منازل میں رائج تھا وہ اس آیہ شریفہ کے مطابق یہ تھا کہ جس شخص کی رسول منادی کرتے تھے وہ ایک ایسا انسانِ کامل تھا جس کو ہمیشہ خدا کی قُربت نصیب تھی، جو مرِدوں میں سے جی اُٹھا

اور خُدا کے دہنے ہاتھ بیٹھا ہے۔ وہ ایک ایسا انسان تھا جس کو خدا نے اپنے کام وپیغام کے لئے خاص طور پر مسح کیا تھا۔" یسوع ناصری ایک انسان تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا اُن معجزوں اور عجیب کاموں، اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت کئے "(اعمال ۲: ۲۲)۔

مقدس مرقس کی انجیل اور رسولوں کے مذکورہ بالا بیانات کے مقابلہ سے ظاہر ہے کہ اس انجیل کا بعینہ وہی نظریہ ہے جو مسیحی کلیسیا کے آغاز میں کلیسیا کے اولین دور میں مروج تھا۔ یعنی کہ یسوع ناصری ایک ایسے انسان تھے جو کامل طور پر نیک تھے۔ جن کو خدا نے مسیح موعود کے عہدہ پر مامور فرمایا اور روح القدس سے ممسوح کیا۔ آپ کی زندگی خدا کی کامل فرمانبرداری میں گزری جس کی وجہ سے آپ نے موت اور قبر پر فتح پائی اور خدا کے دہنے ہاتھ سرفراز ہوئے اور بنی نوع انسان کی عدالت کرنے کے لئے الٰہی قدرت کے ساتھ پھر آئیں گے۔

آنخداوند کی ذات وشخصیت کا یہ نظریہ کلیسیا کے آغاز میں اُس زمانہ میں مروج تھا جب ابھی مقدس یوحنا نے اپنی انجیل نہیں لکھی تھی اور نہ مقدس پولُس کے خطوط ابھی احاطہِ تحریر میں آئے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نظریہ کلیسیا کے شروع زمانہ میں مروج تھا۔ پس انجیلِ مرقس بھی اسی اوّلین دور سے متعلق ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ انجیل منجی عالمین کی ظفریاب قیامت کے دس (۱۰) سال کے اندر لکھی گئی تھی۔

مقدس پولُس اپنی تحریرات میں جو سیدنا مسیح کی وفات کے قریباً پندرہ تیس سال بعد کے درمیانی عرصہ (از ۴۴ء تا ۶۰ء) میں لکھی گئی تھیں بار بار لفظ "مسیح" کو اسمِ معرفہ کے طور پر استعمال کرکے آنخداوند کو کبھی "یسوع" کبھی "مسیح" اور کبھی "مسیح یسوع" کہتے ہیں۔ لیکن مقدس مرقس لفظ "مسیح" کو اسمِ معرفہ کے طور پر کہیں بھی استعمال نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ اس لفظ کو سیدنا مسیح کے لئے خطاب کے طور پر "مسیح موعود" کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اس میں لفظ "المسیح" تین جگہ وارد ہوا ہے (مرقس ۸: ۲۹؛ ۱۴: ۶۱؛ ۱۵: ۳۲)۔ پہلے مقام میں مقدس پطرس کا اقرار درج ہے کہ آنخداوند المسیح (موعود) ہیں۔ دوسرے مقام میں سردار کاہن آپ سے سوال کرکے پوچھتا ہے "کیا تو اس ستودہ کا بیٹا المسیح (موعود) ہے"؟ تیسرے مقام میں سردار کاہن ٹھٹھے سے کہتا ہے کہ اگر یہ شخص "اسرائیل کا بادشاہ المسیح" (موعود) ہے تو وہ اب صلیب پر اتر آئے۔ پس ان تینوں مقاموں میں کسی ایک جگہ بھی آنخداوند کے لئے "مسیح" کا نام بطور اسم خاص یا اسمِ معرفہ نہیں آیا جس طرح دورِ حاضرہ میں ننانوے فیصدی مسیحی اور غیر مسیحی آنخداوند کا نام "یسوع" نہیں لیتے بلکہ "مسیح" کہتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ (۷۰ء) کے بعد یونانی دُنیا کے لئے لفظ مسیح در حقیقت لفظ "یسوع" کا مترادف تھا اور اس سے زیادہ یہ لفظ غیر یہود کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ صاف اور موٹے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ کلیسیا (جس کا اغلب حصہ غیر یہود پر مشتمل تھا) کسی یہودی مسیح موعود میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی[1]۔

علیٰ ہذا القیاس اس انجیل میں یسوع ناصری کے لئے لفظ "خداوند" بطور ایک خطاب کے کہیں استعمال نہیں کیا گیا۔ جس طرح ہم نے جابجا اس رسالہ میں آپ کے لئے لفظ آنخداوند "استعمال کیا ہے جس طرح مقدس پولُس کے خطوط میں آپ کے لئے لفظ "خداوند" آیا ہے۔ انجیل مرقس میں یہ لفظ "خداوند" صرف چار مرتبہ آیا ہے یعنی (مرقس ۵: ۱۹؛ ۱۱: ۳؛ ۱۳: ۲۰؛ ۱۲: ۳۷) لیکن ان مقامات میں سے پہلے اور تیسرے مقام میں وہ خدا یعنی رب العالمین کے لئے استعمال ہوا ہے۔ دوسرے مقام میں لفظ "خداوند" دیدہ دانستہ طور پر ذو معنی ہے، اور چوتھے مقام میں اس کا تعلق عہدِ عتیق کی کتاب زبور کی آیت کی تاویل ہے۔

[1] F.C. Grant ,The Earliest Gospel.pp.175 ff.

پس انجیلِ مرقس میں منجیٔ عالمین کے لئے نہ فقط "مسیح "بطور آپ کے خاص نام کے استعمال کیا گیاہے اور نہ کوئی شخص آپ کو مخاطب کر کے یا آپ کی طرف اشارہ کر کے لفظ "خداوند "آپ کے لئے استعمال کرتا ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل اُس زمانہ میں لکھی گئی تھی جب مسیحی کلیسیا اپنے منجی کے لئے صرف لفظ "یسوع "استعمال کرتی تھی اور ابھی تک مسیحی عوام مقدس پولُس رسول کی طرح آپ کو "خداوند" یا خداوند یسوع" یا" خداوند یسوع مسیح" یا" یسوع مسیح" یا" مسیح "نہیں کہتے تھے۔اُس زمانہ میں یہ الفاظ والقاب وخطابات نہ تو عام طور پر کلیسیا میں تاحال مروج ہوئے تھے اور نہ وہ صراحتاً یا کنایۃً (واضح یا اشارے کے طور پر)بطورِ اسم خاص یا اسم معرفہ یا اسم اشارہ لفظ "یسوع "کی بجائے استعمال ہوتے تھے۔ بالفاظِ دیگر انجیل مرقس کا زمانہ تصنیف رسولی زمانہ کے اوّلین دور سے تعلق رکھتا ہے اور یہ انجیل منجی جہان کی صلیبی موت کے دس (۱۰) برس کے اندر احاطۂِ تحریر میں آچکی تھی۔

(۲)

علیٰ ہذاالقیاس مقدس مرقس حضرتِ ابن اللہ کی صلیبی موت کو نجات کا ذریعہ بتلاتے ہیں (مرقس ۱۰: ۴۵؛ ۱۴: ۲۴) لیکن وہ آپ کی موت اور نجات کا کوئی خاص نظریہ پیش نہیں کرتے۔ وہ یہ بتلانے کی کوشش کہیں نہیں کرتے کہ ابن اللہ کی موت اور بنی نوع انسان کی نجات کس طرح ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔آپ کی انجیل میں یہ مذکور ہے کہ ابنِ آدم کو مرنا ضرور ہے۔ کیونکہ آپ کی صلیبی موت کتابِ مقدس اور رضائے الٰہی کے عین مطابق ہے۔ لیکن اس منزل سے مقدس مرقس ایک قدم بھی آگے تجاوز نہیں کرتے۔ پس یہ منزل مسیحیت کی ابتدائی تاریخ کی اوّلین منزل ہے (۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۳؛ ۱۔تھسلنیکیوں ۱: ۱۰؛ گلتیوں ۳: ۱۳؛ ۴: ۵ وغیرہ)۔ للہذا یہ انجیل مسیحیت کی ابتدائی فضا سے متعلق ہے اور قدیم ترین زمانہ سے تعلق رکھتی ہے۔ مقدس پولُس اس زمانہ کے بعد (از ۴۴ تا ۶۰ء) اپنے خطوط میں کفارہ کا نظریہ پیش کرتے ہیں اور مقدس مرقس کی انجیل کے واقعات کی بنیاد پر اپنے عقائد اور دینیات کی عمارت کھڑی کرتے ہیں۔

(۳)

اسی طرح مقدس مرقس اپنی انجیل میں قیامتِ مسیح کے واقعہ کا ذکر کرتے ہیں لیکن وہ مردوں کے جی اٹھنے کا کوئی نظریہ یا دلیل قائم نہیں کرتے۔ مسیحی کلیسیا ابتدا ہی سے منجیِ عالمین کی ظفریاب قیامت کے واقعہ پر ایمان رکھی تھی (۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۳۔ ۷)۔ لیکن اس واقعہ کے ثبوت کے دلائل، توضیح اور تشریح وغیرہ مابعد کے زمانہ سے متعلق ہیں۔ (۱۔کرنتھیوں ۱۵ باب وغیرہ)۔ پس مقدس مرقس کی انجیل اس زمانہ سے بہت پہلے لکھی گئی جب مقدس پولُس نے (۵۵ء) کے موسم بہار میں کرنتھیوں کے خط میں واقعہ قیامت کی تشریح کی تھی[1]۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل واقعہ قیامت کے قریباً دس (۱۰) سال بعد لکھی گئی تھی۔

(۴)

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ انجیلِ مرقس میں ان سوالوں کے جواب میں جو مسیحیت کی ابتدائی منزل میں یہود وغیر یہود، مسیحی اور غیر مسیحی سب پوچھتے تھے اگر خداوند نے یسوع فی الحقیقت مسیح موعود تھے تو آپ کیوں مصلوب ہوئے؟ پس یہ انجیل ایک خاص زاویہ نگاہ سے لکھی گئی ہے۔ ممکن ہے

[1] T.R. Glover Paul of Tarsus p.201.

کہ کوئی صاحب یہ اعتراض کریں کہ اس خاکہ کے مطابق انجیلِ مرقس سیدنا مسیح کا سیدھا سادہ زندگی نامہ نہیں ہے۔ بلکہ ابن اللہ کی زندگی کے تمام واقعات کو صرف ایک نقطہ نگاہ سے قلمبند کیا گیا ہے۔

جواباً عرض ہے کہ:۔

جیسا ہم حصہ دوم کے باب چہارم میں بتلاچکے ہیں اناجیل اربعہ محض کتُب تواریخ نہیں ہیں جن میں واقعات شروع سے آخر تک مسلسل طور پر قلمبند کئے گئے ہوں۔ وہ "انجیل" ہیں یعنی ایسی کتابیں ہیں جن میں خوشی کی خبر دی گئی ہے۔ ہر انجیل نویس نے اس خوشی کی خبر کو اپنے اپنے نقطہ نگاہ سے لکھا ہے۔ اور منجی جہان کی (۳۳) سالہ زندگی کے واقعات پر نظر ڈال کر صرف ایسے واقعات کا انتخاب کیا ہے جو اُن کے نقطہ نگاہ کو اظہر من الشمس (روز روشن کی طرح عیاں) کردیتے ہیں۔ یہ اناجیل ان ایماندار مصنفوں کے زندہ ایمان کی نشانیاں ہیں جن میں دنیا کی سب سے عظیم الشان ہستی کے مافوق الفطرت اُمور، واقعات، تعلیم اور شخصیت کا ذکر ہے۔ مقدس مرقس فرماتے ہیں کہ سیدنا مسیح ایک تاریخی ہستی تھے جو مسیح موعود، ابن اللہ اور مافوق الفطرت ابنِ آدم تھے، جو دنیا کو نجات دینے کے لئے صلیب پر مرے، تیسرے روز مردوں میں سے جی اٹھے اور آسمان کو صعود فرماگئے۔ یہ تھا مقدس مرقس کا زاویہ نگاہ۔ انجیلِ اوّل وسوم کا نقطہ نظر مقدس مرقس کے نقطہ نگاہ سے مختلف ہے اور وہ آنخداوند کے سوانحِ حیات کو اپنے اپنے نقطہ نگاہ سے دیکھ کر عوام الناس کو نجات کی بشارت دیتے ہیں۔ جب ہم ان موخر الذکر (جس کا ذکر بعد میں آئے) دونوں انجیلوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ دونوں مصنف انجیلِ مرقس کو لفظ بہ لفظ شروع سے آخر تک اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں جس سے ثابت ہوجاتا ہے کہ گویہ تینوں مصنف منجی عالمین کی زندگی کے واقعات اپنے اپنے زاویہ نگاہ سے انتخاب کرتے ہیں لیکن ان کے زاویہ نگاہ ایک دوسرے کے متضاد نہیں ہیں اس کے برعکس یہ تینوں زاویئے ایک دوسرے کے ممدومعاون (مددگار) ہیں اور ایک دوسرے کا تکملہ (پورا) کرتے ہیں۔ مقدس مرقس کا زاویہ نگاہ منجی عالمین کی وفات کے پانچ دس سال بعد کے زمانہ سے متعلق ہے۔ انجیلِ اوّل وسوم کے مصنفوں کا نقطۂ نگاہ اس سے دس، پندرہ سال بعد یعنی پہلی صدی کے نصف سے متعلق ہے۔ رسولوں کے اعمال کی کتاب کا پہلا حصہ (باب اوّل تا باب بارہ) ظاہر کرتا ہے کہ مقدس مرقس کی انجیل مسیحی عقائد و تعلیم کے ارتقا کی تاریخ کا پہلا باب ہے۔ انجیل متی اور انجیل لوقا اس تاریخ کا دوسرا اور تیسرا باب ہے اور انجیل یوحنا اس تاریخ کا چوتھا باب ہے۔ ہر انجیل نویس کی کتاب اس ایمان کی زندہ گواہ ہے کہ مسیح کے وسیلے نئی زندگی حاصل ہوتی ہے جو انسان کی خفتہ طاقتوں کو بیدار کرکے اس کی تمام اُمیدوں کو سرسبز وشاداب کردیتی ہے اور ناممکنات کو ممکن کرکے دکھادیتی ہے۔ اس زندگی سے خدا اور انسان کے باہمی تعلقات کلیتہً (مکمل) تبدیل ہوجاتے ہیں اور گناہوں کی معافی کا کامل یقین ہوجاتا ہے۔ اس سے ہم کو روح القدس کی خوشی کا تجربہ حاصل ہوجاتا ہے اور مسیح کے صعودِ آسمانی کے بعد اس کی جلالی آمد کے انتظار کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

اس خوشی کی خبر اور بشارت کا اعلان کرنے کے لئے ہر انجیل نویس قدرتاً اہلِ یہود کی اصطلاحات کو استعمال کرکے اپنے خیالات، جذبات اور تجربات کی منادی کرتے ہیں۔ مقدس مرقس کی انجیل کا سطحی مطالعہ بھی یہ صاف ثابت کردیتا ہے کہ یہ انجیل اُن خیالات کی حامل ہے جو مسیحیت کے آغاز میں کلیسیا میں نشوونما حاصل کرکے پھل پھول رہے تھے۔ باقی تین اناجیل جو چند برس بعد لکھی گئیں، اُن خیالات کا آئینہ ہیں جو پہلی صدی کے نصف میں نشوونما پارہے تھے۔ لیکن انجیلوں کا مطالعہ ظاہر کردیتا ہے کہ ان تمام خیالات کا باہمی تعلق ویسا ہی ہے جو غنچہ (پھول کی کلی، شگوفہ) کا پھول کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ تمام خیالات جو اناجیل اربعہ میں پائے جاتے ہیں مسیحی عقائد کی پہلی منزلیں ہیں۔ انجیلی مجموعہ کتُب کی بعد کی تحریرات میں دیگر

خیالات کی جھلک ہے جو پہلی صدی کے پہلے نصف کے بعد کے زمانہ سے متعلق ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر سٹریٹر (B.H.Streeter) مرحوم بتلاتا ہے کہ انجیلی مجموعہ کی تمام تحریرات میں آنخداوند کی ذات کے متعلق سات (۷) نظریئے پائے جاتے ہیں جو منجی عالمین کی وفات کے تیس پینتیس سال کے اندر مسیحی کلیسیا کے مختلف طبقوں میں رواج پاگئے تھے۔ ان مختلف خیالات اور نظریہ جات میں تضاد نہیں ہے بلکہ وہ مسیحی عقائد کی ارتقا کی مختلف منزلیں ہیں ، جن میں تواتر اور یک جہتی پائی جاتی ہے۔ اس تسلسل، تواتر اور یک جہتی کا مرکز وہ مسیحی زندگی ہے جو ظفریاب اور فاتح جلالی مسیح سے نکلتی ہے، جس سے روح القدس نے تمام مسیحیوں کو ایک بدن میں منظم کر رکھا ہے (افسیوں ۴: ۱۶)۔ اس ارتقاء کی پہلی منزل وہ خیالات ہیں جو خداوند مسیح کی وفات کے بعد رائج تھے اور جن کا ذکر رسولوں کے اعمال کی کتاب کے پہلے بارہ (۱۲) باب میں پایا جاتا ہے۔ یہی خیالات مقدس مرقس کی انجیل میں پائے جاتے ہیں جس سے اس انجیل کی قدامت ثابت ہے اور ہم پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ انجیل منجی عالمین کی موت کے بعد دس (۱۰) سال کے اندر یعنی اُس زمانہ میں لکھی گئی تھی جس زمانہ وہ حالات تھے جن کا ذکر اعمال کے پہلے بارہ (۱۲) ابواب میں ملتا ہے۔

انجیلی مجموعہ کی تمام تحریرات کا غائر (گہرا) مطالعہ یہ واضح کر دیتا ہے کہ اس تمام مجموعہ میں مقدس مرقس کی انجیل کے خیالات سے زیادہ قدیم خیالات کا وجود کہیں پایا نہیں جاتا۔ اور ان کا وجود ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ کیونکہ اگر ان قدیم ترین خیالات سے کم کی منادی عوام میں کی گئی ہوتی تو مسیحی کلیسیا معرضِ وجود میں بھی نہ آتی۔ کیونکہ یہی خیالات یہودیت اور مسیحیت میں مابہ الامتیاز کا درجہ رکھتے ہیں۔ ابتدا ہی سے رسول یہی بشارت دیتے تھے کہ منجی عالمین "ہمارے گناہوں کی خاطر" مصلوب ہوئے (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۳)۔ اور آپ نے مردوں میں سے زندہ ہو کر ثابت کر دیا کہ آپ جلالی مسیح موعود ہیں۔ آپ چالیس (۴۰) روز تک مختلف اوقات اور جگہوں میں لوگوں پر ظاہر ہوتے رہے (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۴۔ ۱۱ وغیرہ)۔ اور پھر آپ نے صعود فرمایا (لوقا ۲۴: ۵۱؛ یوحنا ۲۰: ۱۷ وغیرہ)۔ آپ کے شاگردوں اور رسولوں نے آپ کی جلالی حالت کا ذاتی تجربہ کیا (مرقس ۱۶: ۶؛ لوقا ۲۴: ۳۱، ۳۴؛ یوحنا ۲۰: ۱۷۔ ۱۹، ۲۶؛ ۲۱: ۱۴ وغیرہ)۔ یہی باتیں مسیحیت کو یہودیت سے جُدا کرتی تھیں۔ اگر رسولوں نے ان سے کم کا پرچار کیا ہوتا تو مسیحیت یہودی مذہب کی محض ایک شاخ ہو کر رہ جاتی اور بس۔ سیدنا مسیح ایمان داروں کی "نجات کے بانی" نہ ہوتے بلکہ یہودی انبیاء کی قطار میں نظر آتے جن کی سہ سالہ تبلیغی خدمت کی یاد بھی دیگر انبیائے یہود کی طرح بھول بسر گئی ہوتی۔

پس یہ انجیل اُس زمانہ کی تصنیف ہے جس میں ابھی تک منجی عالمین کی ذات اور شخصیت کے متعلق یا آپ کی صلیبی موت کے متعلق کوئی خاص نظریہ قائم نہیں ہوا تھا، جس پر تمام کلیسیاؤں کا اتفاق ہو۔ اس انجیل میں اس ابتدائی زمانہ کا نقشہ نظر آتا ہے جس میں صرف سیدنا مسیح کی شخصیت، موت اور قیامت کی حقیقت پر ہی ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس ابتدائی زمانہ کے چند سال بعد وہ زمانہ آیا جب یہود اور غیر یہود مسیحی علماء نے ان حقائق پر فلسفیانہ پہلوؤں سے نگاہ کر کے حکیمانہ نظریہ جات قائم کئے تھے۔ لیکن مقدس مرقس کی انجیل میں اس قسم کے حکیمانہ نظریہ جات اور فلسفیانہ خیالات کا نام و نشان بھی نہیں ملتا جو مقدس یوحنا اور مقدس پولُس اور دیگر انجیلی مصنفین کی تحریرات میں موجود ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ انجیل مرقس مقدس پولُس کے خطوط اور مقدس یوحنا کی تحریرات سے بہت پہلے لکھی گئی تھی۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ یہ اولین انجیل، منجی عالمین کی صلیبی موت کے دس (۱۰) سال کے اندر اندر احاطہ تحریر میں آگئی تھی۔

فصل سوم

مقدس لوقا اور مقدس مرقس کی اناجیل کا باہمی تعلق

ہم اس کتاب کے حصہ دوم کے بابِ اوّل کی فصل سوم میں ثابت کر چکے ہیں کہ انجیل لوقا کی دو تہائی سے زیادہ حصہ (۱۱۴۹) آیات میں سے (۷۹۸) آیات اِن آیات پر مشتمل ہے جو مقدس مرقس کی انجیل سے نقل کی گئی ہیں۔اسی حصہ کے باب سوم کی فصل اوّل میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ مقدس لوقا نے انجیل لکھتے وقت مقدس مرقس کی انجیل کو بطور ایک ماخذ کے استعمال کیا تھا اور کہ اس نے اپنی انجیل کا ڈھانچہ مقدس مرقس کی ترتیب کے مطابق ڈھالا ہے۔ مقدس لوقا کی انجیل کا غائر مطالعہ یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ اُس نے خداوند کی آزمائشوں کے بیان اور عشائے ربانی کے مقرر ہونے کے درمیانی عرصہ میں دیگر ماخذوں سے تین بڑے حصے اکٹھے کر کے تین مختلف مقامات میں جمع کر دیئے ہیں(لوقا ٦: ۲۰۔۸: ۳؛۹: ۵۱تا۱۸: ۱۴؛۱۹: ۱۔۲۷ آیات)۔ باقی ماندہ حصص میں مقدس لوقا نے مقدس مرقس کی انجیل کو نقل کیا ہے۔

پس جب مقدس لوقا نے اپنی انجیل کو لکھا تب مرقس کی انجیل اس قدر اعتبار کے قابل سمجھی جاتی تھی کہ آپ نے اُس کے الفاظ اور ترتیب کو قائم رکھا اور اُن کے مطابق اپنی انجیل کو لکھا۔اس سے ظاہر ہے کہ (۵۵ء) تک (جب مقدس لوقا نے اپنی انجیل کو لکھا)۔ مرقس کی انجیل کلیسیا میں ہر چہار طرف مروج تھی اور ایسی مسلم شمار کی جاتی تھی کہ اُس زمانہ میں اس کی ٹکر کا اور اس کی قسم کا کوئی دوسرا ماخذ موجود نہ تھا۔

یہ امر محتاجِ بیان نہیں کہ اس قسم کی کتاب کو یہ رتبہ اور چند ہفتوں یا مہینوں میں حاصل نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس بات کے لئے ایک طویل مدت درکار ہے کہ انجیل مرقس ایسی مستند کتاب لکھی جائے اور وہ ہر چہار طرف ایسی رواج پائے جائے کہ مختلف مقامات کی کلیسیائیں اُس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ بالخصوص ایسے زمانہ میں جب چھاپہ خانے موجود نہ تھے،اور ہر کتاب کا ایک ایک لفظ ہاتھ سے نقل کیا جاتا تھا۔ گذشتہ باب میں ہم ثابت کر آئے ہیں کہ مقدس لوقا نے اپنی انجیل (۵۵ء) کے قریب بمقام قیصریہ میں لکھی تھی۔ رسولوں کے اعمال کی کتاب اور کلیسیائی روایات سے ظاہر ہے کہ (۵۵ء) تک مسیحی کلیسیا دُور ودراز مقامات میں یہود اور غیر یہود دونوں میں پھیل چکی تھی۔ پس اگر مقدس مرقس کی انجیل (۵۵ء) تک تمام کلیسیاؤں میں مسلم اور مستند سمجھی جاتی تھی اور رواج پاچکی تھی تو ظاہر ہے کہ وہ اس سے کم از کم دس پندرہ سال پہلے لکھی گئی ہو گی۔ پس قیاس یہی چاہتا ہے کہ یہ انجیل (۴۰ء) کے قریب احاطہ تحریر میں آئی ہو۔اس کا مطلب یہ ہے کہ انجیل مرقس منجی عالمین کی وفات کے قریباً دس (۱۰) سال کے اندر اندر تصنیف کی گئی تھی۔ انشاءاللہ آئندہ فصل میں ہم یہ واضح کر دیں گے کہ دیگر اُمور سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ انجیل (۴۰ء) کے قریب لکھی گئی تھی۔

فصلِ چہارم

انجیلِ مرقس کا سنِ تصنیف اور تواریخی واقعات

(۱)

ہم گذشتہ باب کی فصل میں بتلا چکے ہیں کہ جب مقدس لُوقا نے اپنی انجیل لکھی تھی اُس زمانہ میں یروشلیم کا شہر ویران وتباہ نہیں تھا اور نہ اُس کی ہیکل نذرِ آتش ہو چکی تھی۔ چونکہ مقدس مرقس نے اپنی انجیل مقدس لوقا سے بہت سال پہلے لکھی تھی۔ پس قیاس یہی چاہتا ہے کہ اس میں بھی اس واقعہ ہائلہ (ہائل کی تانیث، ہولناک، مہیب) کا ذکر موجود نہ ہو۔ جب ہم انجیل مرقس پڑھتے ہیں تو ہم بعینہ یہی حالت پاتے ہیں۔ اس میں نہ تو یروشلیم کی تباہی کا ذکر ہے اور نہ ہیکل کے برباد ہونے کا اشارہ تک پایا جاتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ وہ علماء یقیناً غلطی پر ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انجیل (۷۰ء) میں لکھی گئی تھی۔

حق تو یہ ہے کہ اگر انجیل مرقس خالی الذہن ہو کر پڑھی جائے تو یہ بات کسی کے خیال میں بھی نہ آئے گی کہ اس کے لکھنے کے وقت ہیکل برباد ہو چکی تھی۔ اِس کے برعکس اس کا مطالعہ یہی ظاہر کرتا ہے کہ یہ شہر یروشلیم اور ہیکل دونوں صحیح سلامت کھڑے ہیں۔ مثلاً ہیکل کی ناپاکی کا ذکر موجود ہے (مرقس ۱۳: ۱۴)۔ کیا ناپاکی کا ذکر یہ ثابت نہیں کرتا کہ جب یہ انجیل لکھی گئی تھی تو خداوند کی ہیکل اُس وقت موجود تھی؟

مقدس مرقس ۱۵: ۲۹ میں لکھتے ہیں کہ کلوری کے مقام پر لوگ مصلوب سیدنا مسیح کو لعن طعن کرتے اور کہتے تھے "واہ! مقدس کے ڈھانے والے اور اُس کو تین دن میں بنانے والے"۔ اگر اس انجیل کے لکھے جانے کے وقت ہیکل برباد ہو چکی ہوتی تو انجیلِ نویس یہاں ضرور بتلاتا کہ دیکھ لو۔ ہیکل برباد ہو چکی ہے!

مرقس ۱۳ باب کی پہلی ۱۳ آیات میں اُن لوگوں کی جانب اشارے ہیں جو کاذب (جھوٹے) نبی تھے اور مسیحائی کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے۔ ان آیات میں جو ذکر لڑائیوں اور جنگوں کا ہے اُن میں پارتھیا کی جانب اشارہ ہے۔ "ان آیات میں قحط، زلزلوں اور ایذاؤں کا ذکر ہے جو اہل یہود مسیحیوں کو دیتے تھے، لیکن نیرو کی خوفناک اور وحشت انگیز ایذارسانی (۶۴ء) اور اس کے بعد کے واقعات کا کہیں ذکر نہیں پایا جاتا۔ رومی افواج کے حملہ کے جو ملک یہودیہ پر کیا گیا تھا اور یروشلیم کے تاراج (برباد) ہونے کا اور ہیکل کے نذرِ آتش ہونے کے واقعات کی جانب اشارہ تک نہیں ملتا۔ ان جانکاہ تواریخی واقعات کی بجائے صرف ہیکل کی ناپاکی کا ذکر موجود ہے۔ اور وہ ناپاکی بھی ایسی تھی (جیسا ہم ابھی بیان کریں گے) جو وجود میں نہ آئی [1]۔ مورخ یوسیبئس کا ایک بیان اس مقام پر قابل غور ہے۔ وہ ہم کو بتلاتا ہے کہ یہودیہ کے مسیحی لیڈروں کو الہام سے پہلے ہی آگاہی مل گئی تھی۔ پس وہ (۷۰ء) میں یروشلیم سے پیلا بھاگ گئے۔ یہ الہام (مرقس ۱۳: ۱۴۔ ۱۹) میں موجود ہے اور ثابت کرتا ہے کہ یہ انجیل یروشلیم کی تباہی کے واقعہ کے بعد تحریر میں نہیں آئی تھی بلکہ اس سے پہلے کلیسیا کے ہاتھوں میں موجود تھی جس سے آگاہی پاکر وہ پیلا کی جانب بھاگ گئے۔

---

[1] C.H. Dodd, The Parables of the Kingdom p.52. note

آیت ۱۲ میں خاندانوں میں پھوٹ پڑنے کا ذکر ہے۔جب ہم انبیائے سابقین کی کتُب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ ظاہر ہو جاتاہے کہ خاندانوں کا باہمی نفاق قومی مصائب کی روائتی تصویر ہے [1] (میکاہ ۷: ۶؛یسعیاہ ۱۹: ۲؛یوبلی ۲۳: ۱۶، ۱۹؛ ۲۔ باروک ۷: ۳۔ ۷؛ ۲۔ سدرس ۶: ۲۴ وغیرہ)۔ یہ حال ابتدائی اوّلین کلیسیا کا تھا، جس کا خلاصہ اس آیت میں موجود ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ (مرقس ۱۳: ۵۔ ۱۳) کے مقام کا تعلق مسیحی کلیسیا کی ابتدائی منزل سے ہے، جب مسیحیت ایک نیا بدعتی یہودی فرقہ خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ یہودی عالم مرحوم ڈاکٹر مونٹی فیوری لکھتاہے [2] کہ "مسیح کی موت کے بعد بیس (۲۰) برس کا زمانہ مسیحی کلیسیاؤں کے لئے ایذاؤں کا زمانہ تھا جو یہودی عبادت خانوں کی طرف سے تھا۔ گو اوّلین یہودی مسیحی جو یروشلیم میں رہتے تھے شریعت کی تمام رسوم کو مانتے تھے اور شرعی احکام پر چلتے تھے تاہم ان میں اور دیگر یہود میں جو کٹر تھے بڑا فرق تھا۔ گو یہ یہودی مسیحی عبادت خانوں کے ممبر ہو کر رہنا چاہتے تھے تاہم ان کا وجود ہی یہود کے لئے لگاتار برہمی اور برافروختگی کا باعث تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ خاندان کے افراد میں باہمی پرخاش (نااتفاقی) کس قدر خطرناک ہوتی ہے۔ یہودی مسیحیوں کا یہ ایمان کہ مسیح موعود آگیا ہے، بجائے خود کوئی معمولی اختلاف نہ تھا۔ اس پر ان لوگوں میں شریعت کی پابندی میں جو ڈھیل آگئی وہ یہود کو برافروختہ (غصہ میں بھرا ہوا) کرنے کے لئے کافی تھی۔ اس پر طرہ (بڑھ کر) یہ مسیحی یسوع ناصری کو الٰہی صفات سے موصوف (تعریف کیا گیا، ممدوح وہ جس کی تعریف کی جائے) مانتے تھے اور یہ بات ان کٹر موحدوں کے لئے ایک ناقابل برداشت عقیدہ تھا جس سے شرک ٹپکتا تھا۔ فریسی اس قسم کے خیالات سے مصالحت روا نہیں رکھ سکتے تھے۔ رینان دُرست کہتاہے کہ

"اگر یہودی رومی سلطنت کے ماتحت نہ ہوتے اور ان سے سزائے موت کا حق نہ چھین لیا گیا ہوتا تو وہ مسیحیوں کو زندہ نہ چھوڑتے"۔

پس انجیلِ مرقس کے تیرھویں باب کی مذکورہ بالا آیات کا تعلق کلیسیا کے وجود کے پہلے بیس (۲۰) برس کے ساتھ ہے۔ جب مسیحی "عبادخانوں میں پیٹے" جاتے تھے اور یہودی عدالتوں کے سامنے پیش کئے جاتے تھے۔ اس مقام میں "حاکموں اور بادشاہوں" سے مراد ہے یہودیہ کے گورنر اور یہودی حاکم، جو چوتھائی حصہ کے حاکم تھے۔ "جھوٹے نبی اور کاذب مسیح" یہودی لیڈر ہیں۔ آیت ۸ کے الفاظ "دردزہ کا شروع" ربیوں کی مشہور اصطلاح [3] ہے۔ جس کا مطلب اندرونی اور بیرونی سیاسی مصیبت کا زمانہ تھا، جس کا مسیح موعود کے زمانہ سے پہلے وجود میں آنا لازم خیال کیا جاتا تھا۔ اس مقام میں مسیحی کلیسیا کو خبردار کیا گیا ہے کہ سیدنا مسیح کی آمد سے پہلے ان کو دکھ اور مصیبت اور ایذارسانی کا سامنا کرنا ہوگا اور اس سے اقوام میں انجیل سنائی جائے گی۔ مقدس پولُس فرماتاہے کہ یہ اس کے زمانہ میں ہو گیا ہے (رومیوں ۱: ۸؛ کلسیوں ۱: ۵۔ ۶؛ ۱۔ تھسلنیکیوں ۵ باب)۔

پس اس مقام سے ظاہر ہے کہ یہ نقشہ وہی ہے جو اعمال کی کتاب کے پہلے ابواب میں کلیسیا کا نقشہ ہے اور یروشلیم کی ہیکل کے برباد ہونے سے کم ازکم تیس (۳۰) سال قبل کا ہے۔

---

1 Ibid.p.69

2 G.C. Montefiore, the Synoptic Gospels (1927) Vol1.p.CIV also see I, Abraham, Studies in Pharisaism and the Gospels, 2nd series (1924) ch X."The Persecutions's pp.56-72

3 Manson, Mission & Message of Jesus p.159.

علاوہ ازیں مرقس کی انجیل میں آیا ہے "جب تک یہ سب باتیں نہ ہو لیں یہ پشت ہر گز تمام نہ ہو گی" (مرقس ۱۳: ۳۱)۔ اور انجیل (متی ۱۶: ۲۸) میں خداوند فرماتے ہیں۔ "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں اُن میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اس کی بادشاہی میں آئے ہوئے نہ دیکھ لیں وہ موت کا مزہ ہر گز نہ چکھیں گے" (نیز دیکھو متی ۲۴: ۳۴؛ ۱۰: ۲۳؛ ۲۳: ۳۶) سیدنا مسیح اُن مقامات میں صاف اور واضح الفاظ میں فرماتے ہیں کہ یہ سب واقعات آپ کے سامعین (سُننے والے) کے سامنے ہوں گے۔ الفاظ "جو یہاں کھڑے ہیں" سے مراد صرف یہی ہو سکتی ہے کہ جو آپ کے سامنے کھڑے تھے اور آپ کے کلمات کو سن رہے تھے (دیکھو متی ۲۶: ۷۳) یہ ارامی محاورہ ہے جس کو اردو دان اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں"۔ موت کا مزہ نہ چکھیں گے" بھی ارامی محاورہ ہے جو عبرانی کتب مقدسہ میں کہیں وارد نہیں ہوا اور (یوحنا ۸: ۵۲؛ عبرانیوں ۲: ۹) میں پایا جاتا ہے۔ یہ محاورہ ربیوں کی کتابوں اور کتُب "تراجم" میں اکثر آیا ہے[1]۔ اردو دان اس محاورہ سے جو قرآن میں بھی آیا ہے مانوس (راغب، پسند) ہے۔

ان واضح مقامات سے ثابت ہے کہ جب انجیل مرقس لکھی گئی تھی اُس وقت یروشلیم کی ہیکل ہنوز کھڑی تھی۔ جرمن نقاد ہارنیک نے زبردست دلائل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اعمال کی کتاب، مقدس لوقا کی انجیل اور انجیل مرقس یروشلیم کی تباہی کے واقعہ سے بہت پہلے لکھی گئیں[2]۔ یہ عالم کہتا ہے کہ مقدس لوقا کی انجیل (۶۰ء) کے لگ بھگ اور مقدس مرقس کی انجیل (۵۰ء) کے لگ بھگ لکھی گئی[3]۔

پس مرقس کی انجیل تب لکھی گئی تھی جب وہ نسل عالمِ شباب میں تھی جس کی نسبت سیدنا مسیح نے فرمایا تھا کہ "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں اُن میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک وہ نہ دیکھ لیں کہ خدا کی بادشاہی قدرت کے ساتھ آگئی ہے وہ موت کا مزہ ہر گز نہ چکھیں گے" (مرقس ۹: ۱)۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل کلیسیا کے دورِ اوّلین میں احاطۂ تحریر میں آچکی تھی۔ اس سے پہلے ہم دیگر وجوہ (وجہ کی جمع، سبب) سے بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ انجیل (۴۰ء) میں تصنیف کی گئی تھی۔

(۲)

سلطنتِ روم کے قیاصرہ میں سے ایک قیصر تھا جس کا نام کیلی گیولا تھا۔ جس کے زمانہ میں اگرپا گلیل کا حاکم ہوا تھا۔ سلطنت کے نشہ نے اس کے دماغ میں خلل پیدا کر دیا اور ایسا کہ اس نے حکم دیا کہ ہر شخص اُس کی پرستش کیا کرے اور اس کے آگے سرنگوں ہو کر سجدہ کیا کرے۔ وہ مندروں میں دیوتاؤں کی مورتیوں کے ساتھ اُن کے پہلو میں بیٹھ جاتا تھا تاکہ رعایا دیگر معبودوں کے ساتھ اُس کی بھی پوجا کریں۔ بعض اوقات وہ دیوتاؤں کے قاصد عطارد دیوتا کے سے پر لگا لیتا اور بعض اوقات اپالو دیوتا کی نقل کر کے سورج کی سی شعائیں زیب تن کر لیتا۔ اکثر اوقات وہ جوپیٹر دیوتا کی مورتی کے کانوں میں سرگوشی کرتا اور اپنے کان اس کے منہ کے پاس لے جاتا گویا کہ وہ دونوں برابر کے دیوتا ہیں اور دیوتا تک بھی اس کو اپنے برابر دیوتا مانتے ہیں۔ وہ کہتا تھا کہ جوپیٹر میرا بھائی ہے اور چاند میری بیوی ہے۔ اس نے ایک نہایت عالی شان مندر اپنی پوجا کے لئے بنوایا جس میں اُس کے حضور قربانیاں کی جاتی تھیں۔ اس مندر کے باقاعدہ پجاری تھے جن میں سے ایک اس کا گھوڑا بھی تھا جس کے لئے اس نے سونے کی چرنی بنوائی تھی اور جس کے لئے اس نے ایک رہائشی مکان بھی بنوایا جس میں دربار کے امراء گھوڑے کے ساتھ کھانا بھی کھایا کرتے تھے[4]۔

---

[1] Box, St. Matthew (The Century Bible) p.268 and Allen, St Mark, p.122.
[2] & 7 Archdeacon W.C.Allen, "Moffiat's Introduction to the N.T."Exp, Times June 1911 p. 395.
[3] Foakes Jackson & Kirsopp Lake, Beginnings of Christanity Part 1 Vol 2.p393
[4] J.B.De Serviez Lives of the Roman Empresses p.142.

(۴۰ء) کی بات ہے کہ اس پاگل اور ظالم قیصر نے احکام صادر کئے کہ یروشلیم کی ہیکل میں اس کا بُت نصب کیا جائے تاکہ موحد (خُدا کو ایک ماننے والا) یہود بھی اس کی عبادت اور پرستش کریں [1]۔ تمام ارضِ مقدس میں ہلچل مچ گئی اور اہلِ یہود مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ ادھر قیصر بھی اس بات پر تلا ہوا تھا کہ وہ اپنا بُت قدس الاقداس میں نصب کر کے رہے گا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کشمکش کے دوران میں (۴۱ء) کے شروع میں وہ قتل کیا گیا اور اس کے حکم پر عمل نہ ہو سکا۔

امریکی عالم ڈاکٹر ٹوری کہتا ہے [2] کہ مرقس کی انجیل کے تیرھویں باب میں قیصر کے اس حکم کی طرف اشارہ ہے۔"جب تم اس اُجاڑنے والی مکرہ چیز کو اس جگہ کھڑی ہوئی دیکھو جہاں اس کا کھڑا ہونا روا نہیں (پڑھنے والا سمجھ لے)۔۔۔الخ (مرقس ۱۳: ۱۴)۔ مسیحی یہودیوں نے رومی قیصر کیلی گیولا کے حکم کو دانی ایل نبی کی پیشین گوئی کا پورا ہونا سمجھ لیا۔ غیر قوم مشُرک بُت پرست قیصرِ روم کا بُت یروشلیم کی ہیکل کی قربان گاہ پر نصب کیا جائے اور موحد یہود اس کی پرستش کریں!! "اس قسم کے حکم کا مسیح موعود کی پہلی آمد کے بعد ہی دیا جانا ایک ایسی بے مثال "اجاڑنے والی مکرہ چیز" تھی جس کا ثانی ہزار سال تو الگ رہے دس ہزار سال میں بھی نہیں مل سکتا تھا اور اگر (۴۱ء) کے شروع میں کیلی گیولا قتل نہ کیا جاتا تو حالات نہایت نازک صورت اختیار کر لیتے"۔

اگر مقدس مرقس کی انجیل (۴۱ء) یا اس سن کے بعد لکھی جاتی تو اس میں اس واقعہ کی جانب اشارہ نہ ہوتا۔ کیونکہ اس حکم پر عمل ہونے سے پہلے ہی قیصر کیلی گیولا قتل کر دیا گیا تھا۔ پس اس عالم کے خیال میں یہ کتاب کیلی گیولا کے حکم کے بعد اور اس کے قتل ہونے سے پہلے درمیانی عرصہ (۴۰ء) میں شائع ہو گئی تھی۔

ایک اور امریکی عالم ایف۔ سی گرانٹ بھی لکھتا ہے [3]۔

> **"بہتوں کا خیال ہے کہ "اجاڑنے والی مکرہ چیز" سے اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جب (۴۰ء) میں قیصر کیلی گیولا نے حکم دیا تھا کہ اس کا بُت یروشلیم کی ہیکل میں نصب کیا جائے۔ یہودیوں اور یہودی مسیحیوں نے اس واقعہ کو دانی ایل نبی کی پیشین گوئی کی تکمیل سمجھا"۔**

مشہور نقاد باوٹن تک کہتا ہے کہ اس امر کو ماننے میں ہمیں تامل نہیں کہ (آیت ۱۴) سے کیلی گیولا کا حکم ثابت ہے گو یہ عالم کہتا ہے کہ اس ماخذ میں اور انجیل مرقس کی تصنیف کے درمیان وقفہ کی ضرورت ہے۔ پس وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ انجیل پہلے پہل (۵۰ء) کے قریب شائع ہوئی [4]۔ پروفیسر بیکن ڈاکٹر ٹوری کے نظریہ کے تائید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "(مرقس ۱۳: ۱۴) میں کیلی گیولا کے حکم کی طرف اشارہ ہے۔ دانی ایل کی نبوت (دانی ۱۱: ۳۶،۳) اس کی بناء ہے۔ یہاں قیصر کی پرستش مراد ہے۔ جس یونانی لفظ کا ترجمہ "مکرہ چیز" کیا گیا ہے وہ بے جنس ہے یعنی نہ وہ مذکر ہے اور نہ وہ مونث ہے لیکن فعل "کھڑا ہونا"، "مذکر" ہے [5]۔ پروفیسر مینسن لکھتا ہے: "مرقس کے الفاظ "اس اجاڑنے والی مکروہ چیز" سے کیا مراد ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ اس حکم کی پیشین گوئی ہے جو قیصر کیلی گیولا نے دیا تھا کہ اس کے بُت کی پرستش کی جائے۔ اہل یہود کے نزدیک "مکروہ چیز" سے مراد بُت یا بُت

---

[1] Josephus, Wars 2, 10, 184 ff.
[2] G.C. Torrey, The Four Gospels p. 262.
[3] F.C Grant, The Earliest Gospel p.262.
[4] Barton, Prof, Torrey's Theory of the Aramaic Origin of the Gospels in the J.T.S Oct.1935
[5] Blunt, St. Mark pp. (70-74).

پرستی کانشان تھا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ یونانی متن میں گو وہ لفظ "مکروہ چیز" بے جنس اسم ہے لیکن فعل "کھڑا" مذکر ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے کا مطلب یہ تھا کہ کوئی آدمی یروشلیم میں آئے گا تاکہ اس کی پرستش کی جائے۔ بعض کا خیال ہے کہ لفظ "اجاڑنے والی" سے مراد نقیب شاہی یا کوئی شخص ہے جو ہیکل یا شہر کو اجاڑنے کا سبب ہوگا۔ دیگر علماء کا یہ خیال ہے کہ ان الفاظ سے مراد ایسی شے ہے جس سے لرزہ براندام ہو جائے یعنی کوئی نہایت مہیب اور نفرت انگیز قسم کی بُت پرستی ہے، مثلاً قدس الاقداس میں رومی قیصر کے بُت کا نصب ہونا"[1]۔

مندرجہ بالا آیات کے الفاظ "پڑھنے والا سمجھ لے" نہایت معنی خیز ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ انجیل نویس رازداری اور اخفا (پوشیدہ کرنا) کے پردہ میں اپنے ناظرین کو قیصر کے احکام بتلا کر خبردار کرتا ہے کیونکہ یہ قیصر نہایت ظالم اور جابر تھا۔ پس اس قسم کے الفاظ (۴۰ء) کے سن تصنیف ہونے پر بھی گواہ ہیں۔ (۷۰ء) کے بعد رازداری اور اخفا کے پردہ کی ضرورت ہی نہ رہی تھی۔

پروفیسر ڈاڈ کہتے ہیں کہ اگر ٹوری اور بیکن کے دلائل کو تسلیم کر لیا جائے تو "مکروہ چیز" سے مراد قیصر کیلی گیولا کی وہ ناپاک کوشش تھی کہ ہیکل میں اُس کا بات (۴۰ء) میں نصب کیا جائے۔ لیکن اس کی مراد بر نہ آئی۔ پس (مرقس ۱۳: ۱۴) سے اس انجیل کی آخری تاریخ متعین ہو سکتی ہے"[2]

۔

فاضل مصنف پادری کیڈاؤ مقدس مرقس کی انجیل کے مختلف ماخذوں پر بحث کر کے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ انجیل پہلے پہل (۴۰ء) میں لکھی گئی تھی[3]۔

پس خارجی واقعات اس قدیم ترین انجیل کی اندرونی شہادت کی ہر پہلو سے تائید کرتے ہیں اور ہم پر یہ نتیجہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ انجیل (۴۰ء) میں لکھی گئی۔ اگر مقدس پطرس کا ہاتھ اس انجیل کے لکھوانے میں تھا تو یہ تاریخ مقدس پطرس کی زندگی کے واقعات کے مطابق بھی ہے۔ کیونکہ اعمال کے بارھویں باب میں ہیرودیس اگرپا کے عہدِ حکومت میں پطرس رسول کی قید اور رہائی کا ذکر ہے اور یہ (۴۴ء) کا واقعہ ہے اور یروشلیم کے قحط سے پہلے کا واقعہ ہے جو مورخ جوزیفس کے مطابق (۴۵ء) میں ہوا تھا۔ پس مقدس پطرس (۴۴ء) کے موسم بہار میں کہیں چلے گئے تھے[4] اور یہ انجیل اس سے پہلے (۴۰ء) میں احاطۂ تحریر میں آچکی تھی۔

[1] Manson, Mission & Message of Jesus p.159
[2] Dodd, Parables of the Kingdome p. 52. (note)
[3] A.T. Cadoux, The Sources of the Second Gospels, See also Exp, Times for Jan,1936 p.161

فصل پنجم

مخالف علماء کے خیالات کی تنقید

ممالک مغرب کے علماء بالعموم کہتے ہیں کہ انجیل مرقس کی تاریخ تصنیف (۷۰ء) ہے۔ یہ تاریخ دو وجوہ کی بناء پر مقرر کی گئی ہے جن پر ہم اس فصل میں غور کریں گے۔

(۱)

کلیسیائی روایت ہے کہ یہ انجیل شہر روم میں لکھی گئی تھی۔ اگر یہ روایت درست ہے تو ہمارا نتیجہ غلط ہوگا کہ مقدس مرقس نے یہ انجیل یروشلیم میں منجی عالمین کی صلیبی موت کے دس (۱۰) سال بعد لکھی تھی۔ لیکن کیا یہ روایت ایسی ہے جس میں کسی قسم کے شک وشبہ یا چون وچرا کو دخل نہیں ہو سکتا؟

آبائے کلیسیا میں سے اس روایت کا صرف ایک شخص یعنی سکندریہ کا فاضل مقدس کلیمنٹ صریح، صاف اور غیر مبہم اور واضح الفاظ میں ذکر کرتا ہے [1]۔ کلیمنٹ (۱۵۵ء تا ۲۲۰ء) کا ہے۔ گو اس کی تصنیفات کا زمانہ (۱۹۰ء) سے شروع ہوتا ہے۔ پس اس بزرگ کا تعلق در حقیقت دوسری صدی کے آخر اور تیسری صدی کے اوائل سے ہے۔ اگر بالفرض مقدس مرقس نے اپنی انجیل (۷۰ء) میں بھی لکھی ہو، تاہم اس تاریخ میں کلیمنٹ کی تصنیفات میں کم از کم سوا سو (۱۲۵) سال کا فاصلہ حائل ہے۔

مقدس آئرینوس نے (۱۳۳ء تا ۲۰۳ء) اپنی کسی تصنیف میں واضح طور پر یہ نہیں کہا کہ انجیل مرقس روم میں لکھی گئی تھی۔ مقدس آئرینوس مقدس پولی کارپ کے شاگرد تھے جن کو مقدس یوحنا نے سمرنا کا بشپ مقرر کیا تھا۔ مقدس آئرینوس نے روم میں مختلف بدعتوں اور بالخصوص غناسطی بدعتوں کے خلاف متعدد لیکچر دئے تھے۔ ان کی مشہور ومعروف کتاب پانچ جلدوں میں (۱۸۲ء اور ۱۸۸ء) کے درمیان لکھی گئی جب وہ لائینز Lyons کے بشپ تھے۔ جب اس پایہ کا شخص مذکورہ بالا روایت کو بیان نہیں کرتا تو اسی کی خاموشی نہایت معنی خیز ہو جاتی ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ روایت ضعیف (کمزور) ہے۔

علاوہ ازیں یہ روایت ایسی نہیں کہ جس پر کل آبائے کلیسیا متفق ہوں۔ چنانچہ مقدس خرستم کا یہ قول ہے کہ یہ انجیل ملک مصر میں لکھی گئی تھی [2]۔

ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ انجیل روم میں (۷۰ء) میں لکھی گئی تھی تو مقدس مرقس کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ (۱۳ باب) کے پمفلٹ کو اپنا ایک ماخذ بناتا یا اس باب کو لکھتا۔ یہ پمفلٹ یہودیہ کے یہودی مسیحیوں کے لئے لکھا گیا تھا۔ (۷۰ء) میں حالات بدل گئے تھے پس اگر مرقس

---

[1] See.H.D.A.Major, Jesus by an Eye witness,p. 11.
[2] Bishope Blunt, St.Mark (Clarendon Bible) p.29

کی انجیل روم میں لکھی گئی تھی تواس نے ایک ایسے ورق کو کیوں شامل کرلیاجو یہودیہ میں لکھا گیا تھااور یہودیہ کے خاص حالاتِ ماضی سے ہی تعلق رکھتا تھا؟کوئی سلیم العقل شخص یہ ماننے کو بھی تیارنہ ہوگا کہ یہ ورق تصنیف کے بعداس میں شامل کیا گیا تھا[1]۔

پس یہ روایت کہ مقدس مرقس نے اپنی انجیل کو شہر روم میں لکھابہت بعد کے زمانہ کی ہے جوکم ازکم کسی محل دلیل کی بنیاد نہیں ہوسکتی۔

(۲)

دوسری دلیل بھی ایک ایسی روایت پر مبنی ہے جو راقم الحروف کے خیال میں ضعیف ہے۔اس روایت کے مطابق انجیلِ مرقس مقدس پطرس رسول کی شہادت کے بعد لکھی گئی تھی۔روایت یہ ہے کہ مقدس پطرس نے نیرو قیصر روم کی ایذارسانی کے زمانہ میں (۶۴ء)میں جامِ شہادت پیااور مقدس مرقس نے آپ کی شہادت کے بعدروم میں اپنی انجیل لکھی جو مقدس پطرس رسول کے خطبات پر مبنی تھی۔

(ا) کیامقدس پطرس شہر روم گئے تھے ؟اگراس کاجواب اثبات میں ہے توآپ کس سن میں وہاں تشریف لے گئے تھے ؟

(ب۔) کیامقدس پطرس روم میں شہید ہوئے تھے ؟

(ج۔) کیامقدس مرقس نے اپنی انجیل مقدس پطرس کی وفات کے بعد لکھی تھی ؟

پہلا سوال یہ ہے کہ کیامقدس پطرس رسول شہر روم گئے تھےاوراگرگئے تھے توآپ کس زمانہ میں گئے تھے ؟

روایت ہے کہ مقدس پطرس پچیس (۲۵) برس روم کے بشپ رہے۔یہ روایت چوتھی صدی میں مروج تھی۔بعض کہتے ہیں کہ جب رسول نے قید خانہ سے رہائی حاصل کرکے یروشلیم کو چھوڑاتو لکھاہے کہ "آپ "دوسری جگہ " چلے گئے (اعمال ۱۲: ۱۷)۔اس "دوسری جگہ "سے یہ اصحاب مطلب شہر روم سے لیتے ہیں۔لیکن اگریہ تاویل درست ہے توجب(۵۰ء) کے قریب یروشلیم میں پہلی کونسل منعقد ہوئی توآپ یروشلیم میں کیسے پہنچ گئے۔یہ بات بھی معنی خیز ہے کہ جب(۵۹ء) میں مقدس پولُس روم لے جائے گئے (اعمال۲۸ باب)تومقدس پطرس وہاں نہیں تھے۔اگر مقدس رسول بروئے روایت(۴۳ء)میں روم کے بشپ تھے توآپ (۵۰ء) کے قریب یروشلیم کی کونسل میں کس طرح حاضراور(۵۹ء)میں روم سے کیوں غائب تھے ؟مقدس پولُس نے روم کے مسیحیوں کے نام (۵۸ء)میں خط لکھالیکن اس میں مقدس پطرس کانہ ذکرہے اورنہ آپ کوسلام بھیجاگیاہے حالانکہ اس خط کے سولھویں باب میں رُوم کی کلیسیا کے سرکردہ اشخاص کی ایک لمبی چوڑی فہرست موجود ہے۔علاوہ ازیں جو خطوط مقدس پولُس نے زندانِ روم سے لکھے تھے،اُن میں بھی مقدس پطرس کانام تک نہیں ملتا۔ان اور دیگر وجوہ کی بناءپر راقم الحروف کاخیال ہے کہ مقدس پطرس رسول شہر روم میں (۶۳ء) سے پہلے تشریف نہیں لے گئے تھے۔

(ب)روایت کے مطابق مقدس پطرس رسول روم میں شہید کئے گئے تھے۔اس روایت کے حق میں رُوم کے مقدس کلیمنٹ کی عموماً گواہی پیش کی جاتی ہے۔لیکن مقدس کلیمنٹ نے جوخط روم سے ۹۶ء میں کرنتھیوں کو لکھااس میں آپ واضح طور پر یہ نہیں فرماتے کہ مقدس پطرس شہر روم میں شہید کئے گئے تھے۔چنانچہ آپ کے الفاظ حسب ذیل ہیں[2]۔

---

[1] C.J. Cadoux, The Historic Mission of Jesus p. 12.

[2] Epistle to Corinthians, Chapter V (Lightfoot's Translation)

پطرس نے اپنے نا راست حسد کے باعث ایک دو نہیں بلکہ بہت محنتیں اور مشقتیں اٹھالیں اور اس طرح اپنی گواہی دے کر اپنے جلال کی مقرری جگہ کو چلا گیا"۔

(ج۔)عام روایت کے مطابق مقدس مرقس نے اپنی انجیل کو مقدس پطرس کی وفات کے بعد لکھا تھا لیکن سکندریہ کے مقدس کلیمنٹ تک اس روایت کے خلاف ہیں۔

چنانچہ آپ لکھتے ہیں:۔[1]

"پطرس نے روم میں علانیہ کلام کی منادی کی۔ اور روح القدس کی تحریک سے انجیل کی بشارت دی۔ پس بہتوں نے جو وہاں تھے مرقس سے درخواست کی کہ اس کے کلمات کو ایک مسلسل بیان کی صورت میں قلمبند کرے کیونکہ وہ مدت تک مقدس پطرس کے ساتھی رہ چکے تھے اور اُن کو رسول کے کلمات یاد تھے۔ پس اُنہوں نے اپنی انجیل لکھی اور اُن کو دی۔ جب پطرس نے (لوگوں کی درخواست کو) سُنا تو اُس نے نہ تو منع کیا اور نہ ترغیب دی"۔

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ مقدس کلیمنٹ کے خیال میں مقدس مرقس نے اپنی انجیل کو مقدس پطرس کی حینِ حیات میں ہی لکھا تھا۔

بعض اصحاب نے مقدس آئرینوس کے الفاظ کی غلط تاویل کرکے یہ کہا ہے کہ آپ کے خیال میں مقدس مرقس نے اپنی انجیل کو مقدس پطرس رسول کی وفات کے بعد لکھا تھا۔ لیکن چیپ مین نے Chapman ایک مبسوط (پھیلا ہوا، کشادہ) مضمون میں یہ ثابت کردیا ہے[2] کہ مقدس آئرینوس کے الفاظ کا ہر گز وہ مطلب نہیں جو یہ علماء سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر ہارنیک اپنی کتاب میں[3] اور آرچڈیکن ایلن اپنی تفسیر میں[4] اس قابل مصنف کی حمایت کرکے کہتے ہیں کہ مقدس آئرینوس کا مطلب یہ ہے کہ مقدس مرقس کی انجیلِ مقدس پطرس کی وفات سے پہلی لکھی گئی تھی اور یُوں اس رسول کی تعلیم اُس کی موت کے بعد بھی اس انجیل میں محفوظ رہی۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ مقدس آئرینوس مخالفینِ مسیحیت کے جواب میں دلیل کے دوران میں فرماتے ہیں کہ سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت کے بعد رسول انجیل جلیل کے علم سے معمور ہوکر مختلف اطراف میں گئے اور اُنہوں نے مختلف ممالک میں اسی انجیل کی منادی کی جو ہمارے ہاتھوں میں ہے کیونکہ دو رسولوں نے تو خود اناجیل لکھیں اور باقی دو اناجیل رسولوں کے شاگردوں نے لکھیں۔ چنانچہ مقدس آئرینوس کے الفاظ یہ ہیں:۔

متی نے عبرانیوں (یہودیوں) کے درمیان انجیل کی منادی کرنے کے علاوہ اُن کی اپنی زبان میں انجیل قلمبند کی۔ پطرس اور پولُس نے (کسی انجیل کو لکھے بغیر یہود میں) انجیل کی منادی کی لیکن (اگرچہ وہ خود کسی انجیل کو لکھے بغیر وفات پاگئے تاہم) اُن کی وفات کے بعد (اُن کی منادی کا نفسِ مضمون محفوظ رہا)۔ مرقس کی تحریر میں جو پطرس کا شاگرد اور مترجم تھا وہ باتیں موجود ہیں جن کی منادی پطرس کیا کرتا تھا۔ لُوقا نے جو پولُس کا ساتھی تھا

---

[1] Eusebius H.E. VI.14.
[2] Chapman, J.T.S Vol VIpp.563-569
[3] Date of Acts, Harnack p. 130
[4] Archdeacon Allen, Gospel according to St. Mark (Oxford Chruch Bibllical Commentaries) p.2.

ایک کتاب میں وہ انجیل لکھی، جس کی منادی یہ رسول کیا کرتا تھا اور آخر میں یوحنا نے جو خداوند کا شاگرد تھا اپنی انجیل شائع کی جب وہ شہر افسس میں سکونت کرتا تھا"[1]۔

پس مقدس آئرنیوس اس اقتباس میں مخالفین کے اس اعتراض کا جواب دیتا ہے کہ مقدس پطرس نے تو کوئی انجیل نہیں لکھی۔ پس ہم کس طرح معلوم کر سکتے ہیں کہ اُنہوں نے کیا منادی کی تھی؟ وہ جواب دیتا ہے، کہ اگر مقدس مرقس اور مقدس لوقا نے ان رسولوں کی منادی کو اپنی اناجیل میں اُن کی وفات سے قلمبند نہ کیا ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ اُن کی منادی کے نفسِ مضمون کا پتہ نہ چلتا۔ لیکن اُن کی وفات کے بعد بھی وہ اناجیل کلیسیا میں مروج ہیں جو اُن رسولوں کی وفات سے پہلے اُن کی حینِ حیات میں ہی لکھی گئی تھیں۔

پس مقدس کلیمنٹ اور مقدس آئرینوس دونوں اس روایت کو غلط بتلاتے ہیں کہ مقدس مرقس کی انجیل مقدس پطرس کی وفات کے بعد لکھی گئی تھی۔ مقدس اوریجن کہتا ہے (اور مقدس جیروم اس بات میں اس کا پیروکار ہے) کہ مقدس پطرس نے اس انجیل کو مقدس مرقس سے لکھوایا تھا[2]۔ لہذا وہ علماء یقیناً غلطی پر ہیں جو اس بنا فاسد (بد، شریر) پر اپنی دلیل قائم کرکے کہتے ہیں کہ انجیل مرقس (۷۰ء) میں لکھی گئی تھی۔ اس کے برعکس جیسا ہم بتلا چکے ہیں۔ یہ انجیل مقدس پطرس کی حینِ حیات میں سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت کے دس (۱۰) سال کے بعد لکھی گئی تھی۔

(د) ہم اس کتاب کے حصہ دوم کے باب اوّل میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ مقدس پطرس کا مقدس مرقس کی انجیل سے کوئی خاص تعلق نہ تھا۔ بلکہ مقدس مرقس نے پطرس رسول کے علاوہ ایسے دیگر ماخذوں سے بھی کام لیا تھا، جو قدیم ترین تھے۔ پس ان مخالفوں کی اس دلیل میں کوئی خاص وزن نہیں ہے۔ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ یہ انجیل مختلف معتبر ترین ماخذوں سے تالیف کی گئی تھی، اور کلیسیا کے ابتدائی دور میں خود معتبر شمار کی جاتی تھی۔ اس کا پسِ منظر، اس کی فضا، اس کے مضامین، اس کے معتقدات، اس کی اصطلاحات وغیرہ سب کے سب یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ قدیم ترین انجیل (۴۰ء) میں احاطہِ تحریر میں آئی یعنی سیدنا مسیح کی وفات کے صرف دس (۱۰) برس بعد لکھی گئی اور اس کا پایہ اعتبار اس کے لکھے جانے کے پہلے دن سے ہی مسلم گردانا گیا۔

[1] J.T.S Vol VI pp.565-566
[2] Beginnings of Christianity Part1, Vol2 pp. 351-356

باب چہارم

تاریخِ تصنیف انجیلِ متی

فصل اوّل

انجیلِ متی کا پسِ منظر

ہم اس رسالہ کے حصہ اوّل کے باب دوم میں بتلا چکے ہیں کہ کلیسیا کا آغاز اُن ایمانداروں سے ہوا جو اہلِ یہود میں سے مسیحِ موعود پر ایمان لے آئے تھے۔ چندماہ کے اندر اندران کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی اور وہ ارضِ مقدس کے مختلف کونوں میں پائے جاتے تھے۔ وہ بڑے زور شور سے تبلیغ کا کام کرتے پھرے کہ یسوع ناصری مسیح موعود ابنِ اللہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارضِ مقدس کے اندر رہنے والے یہود اور اس کے باہر سلطنتِ روم کے مختلف شہروں اور قصبوں کے یہود اور یونانی مائل یہود اور خدا پرست نو مرید یہود ہزاروں کی تعداد میں چند سالوں کے اندر اندر منجی عالمین کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ ان ہزار ہانو مرید یہودیوں کے لئے استاد اور معلم مقرر کئے گئے تاکہ اُن کے ایمان کی استقامت ہو۔ اُن کے لئے سید نا مسیح کے کلماتِ طیبات کے مجموعہ کی نقلیں کی گئیں اور آپ کی مسیحائی ثابت کرنے کے لئے **رسالہ اثبات** لکھا گیا اور بیسیوں نے "اس پر کمر باندھی کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئی ہیں اُن کو ترتیب وار بیان کریں"۔ یوں ارضِ مقدس کے مختلف چشم دید گواہوں نے چھوٹے چھوٹے پارے، کتابچے اور ورق لکھے تاکہ اُن یہودی نو مرید مسیحیوں کے ایمان کو مضبوط اور مستحکم کیا جائے۔

ہم حصہ دوم کے باب دوم میں مفصل بحث کرکے ثابت کر آئے ہیں کہ مقدس متی نے ان قدیم رسالوں، پاروں اور کتابچوں کو اپنے ماخذ بنا کر ایک جامع انجیل یہودی نو مرید مسیحیوں کے لئے لکھی جس کے خاکہ اور پلان سے ظاہر ہے کہ مصنف اپنے ناظرین پر یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ "نیا عہد" (پہاڑی وعظ وغیرہ) موسوی شریعت کی مانند ہے اور جس طرح وہ شرع سینا پہاڑ پر دی گئی اسی طرح سید نا مسیح نے "پہاڑ پر چڑھ "کر اپنی نئی شریعت دی۔ اس کا مصنف عہدِ عتیق میں سے ایک سو سے زائد مقامات کا اقتباس کرتا ہے۔ یہ صاحبِ کمال مصنف یہودی ربیوں کی سی طرزِ تحریر اور اُن کی سی طبیعت اور مزاج کی افتاد گی (عاجزی) رکھتا ہے، حتیٰ کہ یہ تصنیف یہودی رنگ میں رنگی ہے (متی ۱۳: ۵۲)۔ اس انجیل میں یہودی طرز سے اس قدر مماثلت ہے کہ انجیل دوم اور سوم میں اس کا نصف حصہ بھی نہیں ملتا۔ قدیم یہودی محاورات کو ہر جگہ استعمال کیا گیا ہے جس سے صرف اہل یہود ہی مانوس تھے۔ علاوہ ازیں جن حصوں میں اس مصنف نے انجیل دوم کو نقل نہیں کیا اُن میں یہودی تار گم سے زبردست مشابہت پائی جاتی ہے۔ بالخصوص جب یہ مصنف مختلف بیانوں یا تمثیلوں کو تین یا سات یا دس کے عدد میں جمع کرتا ہے یا جب وہ ضرب الامثال کو بیان کرتا ہے یا جب وہ رسمی غیر متبدل Stereotyped الفاظ کو مقررہ ترتیب کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ سر جان ہاکنس کے مطابق اس قسم کی ترتیبیں پندرہ (۱۵) کے قریب ہیں [1]۔ انجیل اوّل کے مصنف نے حضرت کلمۃ اللہ کے کلماتِ طیبات کو اس طرح لکھا ہے، کہ آپ کے کلمات میں ارامی صنائع من وعن محفوظ ہیں۔ اس کا مفصل

---

[1] Horce Synoptica pp. 168-73

ذکر ہم انشاءاللہ آگے چل کر کریں گے۔ یہاں پر یہ بتلادیناکافی ہے کہ عہدِ عتیق کے عبرانی اقتباسات صاف ثابت کرتے ہیں کہ ان کی ابتداارضِ مقدس کنعان میں ہوئی کیونکہ رومی سلطنت کے کسی دوسرے حصہ میں عہدِ عتیق کی کتُب کا علم عبرانی میں موجود نہ تھا[1]۔

انجیل متی کی تمام فضایہودی فضاہے۔ مسیح موعود کی جماعت یعنی کلیسیا کی شریعت موسوی شرع ہے جودیگر یہود کی طرح سبت کے احکام کی پابند ہے (متی ۲۴: ۲۰)۔ اگرچہ وہ فقیہوں اور فریسیوں کی خود ساختہ تاویلوں اور تفسیری قیود سے آزاد ہے اور بزرگوں کی روایات کی طرف سے بے نیاز ہے۔ یہ جماعت حرام حلال کی تمیز کو برقرار رکھتی ہے اور یہ خیال کرتی ہے کہ مسیح موعود موسوی شریعت کو کامل کرنے والے ہیں، جنہوں نے شرعی احکام کی تاویل (بچاؤ کی دلیل) کے ایسے نئے اُصول وضع کئے ہیں۔ جن سے ان احکام کی قدرومنزلت دوبالاہو جاتی ہے۔ یہ فضااعمال کے پندرھویں باب کی فضاہے جو یروشلیم کی کلیسیا میں پہلی صدی کے پہلے نصف میں موجود تھی۔ ہم حصہ اوّل کے باب دوم کی فصل سوم میں بتلاچکے ہیں کہ اس انجیل میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جس سے یہ ظاہر ہو کہ غیر یہود اقوام بھی جوق درجوق شامل ہو کر موسوی شریعت سے آزاد ہو کر زندگی بسر کریں گی۔

یہ ایک تواریخی حقیقت ہے کہ جب (۴۹ء) میں یروشلیم کی کونسل منعقد ہوئی تو حضرت کلمۃ اللہ کے بھائی حضرت یعقوب کی سرکردگی میں روح القدس کی زیرِ ہدایت رسولوں نے یہ فیصلہ کیاکہ "جو غیر اقوام سے خدا کی طرف رجوع ہوتے ہیں ہم اُن کو (شرعی احکام کے ماتحت رہنے کی) تکلیف نہ دیں" (اعمال ۱۵: ۱۹، ۲۹)۔ اس تواریخی حقیقت سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل یروشلیم کی کونسل (۴۹ء) سے کم ازکم ایک دوسال پہلے شائع ہوچکی تھی۔

فصل دوم

انجیلِ متّی کا سنِ تصنیف

انجیل متی میں حضرت کلمۃ اللہ کے ایسے اقوال لکھے ہیں جو آپ نے فریسیوں اور فقیہوں کی ظاہرداری، ریاکاری اور مذہبی نمائش کا پردہ چاک کرنے کے لئے فرمائے تھے (متی ۵: ۲۰؛ ۶: ۲، ۵، ۱۶؛ ۱۲: ۲۴۔ ۴۵؛ ۱۵: ۳۔ ۲۱؛ ۱۵: ۳۱۔ ۴۲؛ ۴۶؛ ۲۳ باب وغیرہ)۔ منجی عالمین کو مصلوب کرنے کے بعد قائدین یہود نے مسیحیوں کو "بدعتی" قرار دے دیا(اعمال ۲۴: ۱۴)۔ اور اُن کے رسولوں اور مبلغوں پر طرح طرح کا ظلم وستم ڈھایا۔ پس اس انجیل میں سیدنا مسیح کے وہ اقوال بالخصوص جمع کئے گئے ہیں جن میں آپ نے حواریوں کو آگاہ کردیا تھا کہ اہلِ یہود اُن کو ستائیں گے اور ایذائیں پہنچائیں گے اور عدالتوں میں پیش کریں گے (متی ۱۰: ۱۴۔ ۳۹؛ ۱۵: ۱۱۔ ۱۲؛ ۲۱: ۲۳ وغیرہ)۔ بایں ہمہ انجیل کا مطالعہ یہ ظاہر کردیتا ہے کہ اس کی تصنیف کے وقت اہلِ یہود کو سیدنا مسیح کے قدموں میں لانے کی کوشش برابر جاری تھی۔ لیکن اس طریقِ کار کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ روسائے یہود نے اُن کو ایذائیں پہنچائیں۔ اُن کو قتل اور سنگسار کیا۔ فساد اور بلوے برپاکئے اور اُن کو شہید کرکے کلیسیا کو پراگندہ کردیا۔ چنانچہ کتاب اعمال الرسل ان مسلسل ایذارسانیوں کی گواہ ہے۔ یہ صورتِ حالات قیصر نیرو کے زمانہ تک رہی جو (۵۴ء) میں تخت نشین ہوا تھا۔ لیکن نیرو کی سلطنت کے دنوں میں حالات دگرگوں (اُلٹ پلٹ) ہوگئے۔ روسائے یہود کی بجائے قیاصرہ روم نے مسیحی کلیسیا اور مسیحیوں کا نام ونشان مٹانے کا تہیہ (ارادہ) کرلیا۔

---

[1] F.C. Burkitt, Gospel History and its Transmission p.128

لیکن اس انجیل میں کسی باقاعدہ ایذارسانی کا ذکر تو الگ، نشان تک ہم کو نہیں ملتا جس سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل نیرو کی ایذارسانی (۶۴ء) سے بہت پہلے تالیف کی گئی تھی۔ اس ایذارسانی میں مقدس پولُس اور مقدس پطرس رسول کو درجہ شہادت نصیب ہوا تھا۔ اس انجیل کو پڑھنے سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ تاحال ایسا زمانہ نہیں آیا تھا جب قیاصرہ روم نے کلیسیا کو کچلنے اور اس کو بیخ وبُن سے اکھاڑنے (جڑسے اُکھاڑنا، نابود کرنا) کی ٹھان لی تھی۔ اس انجیل میں بار بار مسیح کی خاطر برادری (رشتہ داری، جماعت) سے خارج کئے جانے۔ ترک موالات (آپس کی دوستی چھوڑنا) ہونے، میل جول کے چھوڑے جانے اور عام حقوق سے محروم ہو جانے کا ذکر آتا ہے۔ لیکن قیاصرہ روم کے احکامِ عقوبت وایذارسانی کا نشان تک نہیں پایا جاتا۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس انجیل کے زمانہ تصنیف کا ماحول وہی ہے جس کا ذکر اعمال کی کتاب کے پہلے نو (۹) ابواب میں پایا جاتا ہے۔ پس یہ انجیل ۵۰ء کے لگ بھگ لکھی گئی تھی۔ اگر یہ انجیل ۸۰ء یا ۹۰ء میں لکھی جاتی جیسا بعض علمائے مغرب کا خیال ہے [1]۔ تو اس میں حضرت کلمۃ اللہ کے وہ اقوال موجود نہ ہوتے جن کا تعلق ایک ایسے زمانہ سے تھا جو نہ صرف گذر چکا تھا بلکہ مٹ چکا تھا۔ اور یہودی قوم خود پراگندہ ہو کر روئے زمین کے مختلف ممالک میں منتشر ہو چکی تھی۔ پس اس انجیل میں جو یہودی مخاصمت (دشمنی) کی فضا موجود ہے۔ وہ پہلے صدی کے پہلے نصف کی فضا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ انجیل (۵۰ء) سے پہلے لکھی گئی تھی۔

(۲)

اگر یہ انجیل پہلی صدی کے پہلے نصف کے بعد لکھی جاتی تو وہ ہر گز مقبول عام ہو کر انجیلی مجموعہ میں جگہ نہ پاتی۔ کیونکہ یروشلیم کی تباہی (۷۰ء) کے بعد اہلِ یہود پراگندہ ہو گئے تھے اور غیر یہود لاکھوں کی تعداد میں مسیحی کلیسیا میں شامل ہو چکے تھے۔ یہ غیر یہود مسیحی تمام موسوی شریعت کی قیود سے آزاد ہو چکے تھے۔ رسولوں کے اعمال کی کتاب اور مقدس پولُس کے خطوط ثابت کرتے ہیں کہ (۶۰ء) سے پہلے تمام غیر یہود مسیحی ان بندھنوں سے آزاد ہو گئے تھے۔ دریں حالات (ان حالات میں) کلیسیا کو اس بات کی ضرورت ہی نہ رہی تھی کہ وہ ایسی کتاب لکھے یا لکھوائے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہو کہ یسوع ناصری موسوی شریعت کی نئی تفسیر کرنے والا، اہلِ یہود کا مسیح موعود ہے۔ غیر یہودی کلیسیا کو کسی ایسی کتاب سے دل بستگی نہ ہو سکتی تھی جس میں وہ خصوصیات ہوں جن کا ذکر ہم نے حصہ دوم کے باب دوم کی فصل دوم کے تحت کیا ہے۔

جب ہم ان خصوصیات پر نظر کرتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ یہ انجیل کلیسیا کی پہلی دو صدیوں میں ایسی مقبولِ خاص وعام ہو گئی تھی کہ اس کو بالخصوص "الا انجیل" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا تو ہم اس کی مقبولیتِ عامہ کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ اس مقبولیت کا سبب یہ تھا کہ یہ انجیل یروشلیم کی تباہی کے وقت (۷۰ء) میں ایسی قدیم اور قابل اعتبار اور جامع خیال کی جاتی تھی کہ اس کی قدامت کی وجہ سے کسی کے خواب وخیال میں بھی نہ آیا کہ حالات کے تبدیل ہو جانے کی وجہ سے اور کلیسیا میں غیر یہود عناصر کی اکثریت کی وجہ سے اس انجیل کی تلاوت کرنا یا اس کی نقلیں کرنا بند کر دے۔ پس یہ انجیل (۴۹ء) کے قریب لکھی گئی تھی۔ جب "یہودیوں میں سے ہزار ہا آدمی ایمان لے آئے تھے" (اعمال ۲۱: ۲۲)۔ اور کلیسیا کو اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ یہ ثابت کرے کہ یسوع ناصری اہلِ یہود کا مسیحِ موعود ہے" جس کی پیشین گوئی نبیوں نے بھی کی ہے" (اعمال ۲: ۲۲۔ ۳۶؛ ۲۶: ۲۲۔ ۲۳ وغیرہ)۔ تصنیف کے بیس (۲۰) سال کے اندر اس انجیل نے مسیحی کلیسیا کے دل میں ایسا گھر کر لیا کہ یروشلیم کی تباہی کے بعد کلیسیا میں غیر یہود نومریدوں کی زبردست اکثریت کے باوجود اس انجیل نے عہدِ جدید کے مجموعہ میں جگہ پالی۔

---

[1] Peake's Commentary p. 700 (b)

(۳)

انجیل متی میں ہی ان سکوں کے نام پائے جاتے ہیں جو ارضِ مقدس میں یروشلیم کی تباہی سے پہلے رائج تھے۔ مثلاً نیم مثقال، اور مثقال (متی ۱۷: ۲۴۔ ۲۷)۔ مثقال کا سکہ تقریباً دوروپیہ کا تھا اور ہر ایک یہودی کو یہ سکہ ہیکل کے اخراجات کے لئے سالانہ دینا پڑتا تھا۔ رومی سکہ دینار تھا جس پر قیصر روم کی تصویر ہوتی تھی (مرقس ۱۲: ۱۵)۔ پس اس کا ہیکل میں لے کر جانا ممنوع تھا۔ صرف مثقال کا سکہ ہی ہیکل میں جا سکتا تھا۔ لیکن جب ہیکل تباہ وبرباد ہوگئی تو قدرتاً نہ یہ سکہ مروج رہا نہ لفظ مثقال مروج رہا اور نہ (۷۰ء) کے بعد اس لفظ کو کوئی سمجھ ہی سکتا تھا۔ پس اس سکہ کے لفظ کا استعمال ثابت کرتا ہے کہ یہ انجیل یروشلیم کی تباہی سے برسوں پہلے لکھی جاچکی تھی۔

(۴)

ساٹھ (۶۰) سال کا عرصہ ہوا پروفیسر برکس T.R.Birks نے یہ ثابت کیا تھا[1]۔ کہ متی کی انجیل (۴۴ء) سے پہلے کی تصنیف ہے۔ اس کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ مقدس مرقس اور مقدس لوقا اور مقدس یوحنا جب کبھی پلاطوس کا ذکر کرتے ہیں تو ہمیشہ اس کا نام لیتے ہیں اور کبھی اس کو محض "گورنر" نہیں کہتے لیکن مقدس متی اپنی انجیل میں سات (۷) دفعہ اس کا نام لیے بغیر اس کو صرف "گورنر" کا خطاب ہی دیتا ہے (متی ۲۷: ۱۱ وغیرہ)۔ گو وہ اس کا نام بھی بتلاتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کوئی مصنف (۴۴ء) کے بعد پنطوس پلاطوس کا صرف "گورنر" کے عہدہ سے ذکر نہیں کرے گا کیونکہ اس کے بعد پلاطوس کے جانشین گورنر تھے۔ یہ دلیل بطور ایک مستقل دلیل کے زور اور وزن نہیں رکھتی۔ لیکن جب یہ دیگر دلائل سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ انجیل (۵۰ء) کے قریب لکھی گئی تھی تو یہ دلیل اس بات کی معاون ہوسکتی ہے کہ انجیل کی تصنیف کے وقت پلاطوس کی گورنری نزدیک کا واقعہ تھا اور اس کی تصنیف میں اور پلاطوس کی گورنری میں قریباً چالیس (۴۰) سال کا وقفہ نہیں تھا۔

(۵)

ہم گذشتہ باب کی فصل چہارم میں ذکر کر آئے ہیں کہ متعدد علماء انجیل مرقس کے الفاظ "اجاڑنے والی مکروہ چیز" (مرقس ۱۳: ۱۴) سے مراد قیصر کیلی گیولا کا بُت لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں اس قیصر کے حکم کی جانب اشارہ ہے جو اس کے قتل ہونے کی وجہ سے پورا نہ کیا گیا۔

یہ امر قابل غور ہے کہ جب مقدس متی اس مقام پر (متی ۲۴: ۱۵)۔ انجیل مرقس کی نقل کرتا ہے تو وہ جُملہ معترضہ "پڑھنے والا سمجھ لے" کو جو قوسین میں ہے نقل کر دیتا ہے کہ لیکن وہ الفاظ " جس کا ذکر دانی ایل نبی کی معرفت ہوا" ایزاد (اضافہ) کر دیتا ہے جو مقدس مرقس کی انجیل میں نہ پائے جاتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مقدس متی ان الفاظ سے وہ مطلب نہیں لیتا جو مقدس مرقس لیتا ہے کیونکہ کیلی گیولا قتل ہو چکا تھا اور بلاٹل گئی ہوئی تھی۔ لیکن مقدس متی یہ خیال کرتا ہے کہ دانی ایل نبی کی پیشین گوئی (دانی ایل ۱۱: ۳۱) پوری ہونے کو ہے اور قوسین کے الفاظ وہ کسی دُوسرے واقعہ کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ مقدس لوقا ان الفاظ کو سرے سے نقل ہی نہیں کرتا۔

یہ بات معنی خیز ہے کہ عہدِ جدید کے مختلف مصنف اپنے اپنے خیال کے مطابق دانی ایل نبی کی پیشین گوئی کی تاویل کرتے ہیں کیونکہ پہلی صدی کے پہلے نصف میں حالات بڑی تیزی سے بدل رہے تھے۔ چنانچہ مرقس اس کی ایک تاویل کرتے ہیں اور مقدس متی اس کی دوسری تاویل کرتے

[1] Exp. Times Aug.1910 p. 523 note by Engene Stock on the Date of First Gospel.

ہیں۔ مقدس پولُس اس "اجاڑنے والا مکروہ چیز" کو گناہ کا شخص یعنی ہلاکت کا فرزند مخالف مسیح "(۲۔تھسلنیکیوں ۲:۲۔۴) خیال کرتے ہیں۔ مقدس پولُس کے الفاظ (۵۰ء) میں لکھے گئے تھے۔ پس مقدس متی کے الفاظ بھی اسی زمانہ کے قریب کے ہیں۔

مقدس متی کے قوسین کے الفاظ "پڑھنے والا سمجھ لے" ثابت کرتے ہیں کہ جس واقعہ کی طرف وہ اشارہ کرتے ہیں اس کو وہ ظاہراً طور پر بیان نہیں کر سکتے۔ پس ان الفاظ کو نقل کر کے وہ اخفا کا پردہ اُس واقعہ پر ڈال دیتے ہیں۔ اگر یہ انجیل (۸۰ء یا ۹۰ء) میں لکھی جاتی تو اس اخفا کی ضرورت کیا تھی؟ کیونکہ (۷۰ء) کے بعد حالات کلیتہً تبدیل ہو چکے تھے بلکہ اس سال سے پہلے ہی وہ ایسے بدل چکے تھے کہ (۵۷ء) میں جب مقدس لوقا نے اپنی انجیل لکھی تو اس مقام میں ان الفاظ کو نقل کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہی تھی۔ اس سے بھی یہ ظاہر ہے کہ یہ انجیل (۵۰ء) کے قریب لکھی گئی تھی۔

(۶)

انجیلِ متی میں سیدنا مسیح کی آمد ثانی پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے۔ آخری عدالت کا موضوع نہایت سنجیدگی سے پیش کیا گیا ہے (متی ۲۵ باب) اور مختلف تمثیلوں کے ذریعہ اس سوال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس انجیل کے مطابق آنخداوند کی آمد ثانی بالکل نزدیک ہے (متی ۱۰: ۲۳؛ ۱۶: ۲۸؛ ۲۴: ۳۴ وغیرہ) آپ کی آمد "دُنیا کے آخر ہونے کا نشان" ہو گی (متی ۲۴: ۳)۔ اور یہ دونوں واقعات یروشلیم کی تباہی کے فوراً بعد ظہور پذیر ہوں گے۔ (متی ۲۴: ۳۰۔ ۳۲) اور یہ سب باتیں موجودہ نسل کی آنکھیں دیکھیں گی (متی ۲۴: ۳۴) سردار کاہن اور قائدین یہود ابنِ آدم کو قادرِ مطلق کے دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے "دیکھیں گے (متی ۲۶: ۶۴)۔ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس انجیل کے مصنف کا یہ ایمان تھا کہ اس کے خداوند کی آمد بالکل نزدیک ہے۔ ورنہ وہ اس کے اقوال درج نہ کرتا اور آمد ثانی کے قریبی ظہور کے لئے (مرقس ۹: ۱) کے الفاظ کو نہ بدلتا (متی ۱۶: ۲۸)۔ پس یہ انجیل زمانہ انتظار کے دوران میں لکھی گئی (متی ۱۶: ۲۸) جب ابھی سیدنا مسیح کے ہم عصروں کی نسل موجود تھی (متی ۲۴: ۳۴) اور مسیحی مبلغین "اسرائیل کے سب شہروں میں "نہ پھر چکے تھے (متی ۱۰: ۲۳) اور حضرت کلمتہ اللہ کے سامعین میں سے بعض ایسے تھے جنہوں نے ابھی "موت کا مزہ نہیں" چکھا تھا" (متی ۱۶: ۲۸) پس اس انجیل کے لکھنے کے وقت حضرت متی اور دیگر رسولوں کی شوق نگاہیں آنخداوند کی آمدِ ثانی کا انتظار کر رہی تھیں۔ مسیحی کلیسیا میں اس زمانہ کا نقشہ مقدس پولُس کے ان خطوط میں مفصل طور پر موجود ہے جو آپ نے تھسلنیکے کی کلیسیا کو (۵۰ء) کے قریب لکھے تھے۔ ان خطوط اور انجیل متی کے اس مقام کی فضا ایک ہی ہے۔ پس یہ انجیل بھی (۵۰ء) کے لگ بھگ احاطہِ تحریر میں آئی تھی۔

علاوہ ازیں پولُس رسول کے کلیسوں کے خط سے ظاہر ہے کہ جب یہ خط لکھا گیا تھا مقدس متی کی انجیل کلیسیا میں مروج تھی۔ چنانچہ (کلسیوں ۳: ۱۳) میں اس انجیل کے مقام (متی ۱۸: ۲۳۔ ۳۵) کی طرف اشارہ ہے۔ یہ خط مقدس پولُس کی قید کے زمانہ کا ہے۔ پس یہ انجیل (۸۰ء) میں نہیں لکھی گئی تھی۔

(۷)

ہم مقدس لوقا اور مقدس مرقس کی اناجیل کی تاریخوں کے تعین کی بحث میں ثابت کر آئے ہیں کہ ان انجیلوں میں یروشلیم کی تباہی اور ہیکل کی بربادی کے واقعہ کا نہ تو ذکر ہے اور نہ اس کی طرف ان میں اشارہ تک پایا جاتا ہے۔ جب ہم مقدس متی کی انجیل کا غائر مطالعہ کرتے ہیں تو اس انجیل میں بھی اس واقعہ کا نشان تک نہیں پاتے۔

اگر یہ انجیل (۸۰ء یا ۹۰ء) میں لکھی جاتی تو یہ ناممکن امر ہے کہ مقدس متی ہیکل کی تباہی کی پیشین گوئی کے پورا ہونے کا ذکر نہ کرتا (متی ۲۴: ۲)۔ جیسا ہم بتلا چکے ہیں یہ انجیل نویس نبوتوں کے پورا ہونے پر نہایت زور دیتا ہے۔ پس اگر یروشلیم برباد اور ہیکل نذرِ آتش ہو چکی ہوتی تو وہ اس نبوت کے پورا ہونے کا ضرور ذکر کرتا کیونکہ اسی باب میں وہ خداوند کے صادق القول ہونے کا ایک کلمہ درج کرتا ہے جس میں سیدنا مسیح نے فرمایا ہے کہ "دیکھو میں نے پہلے ہی تم سے کہہ دیا ہے" (آیت ۲۵)۔

(متی ۲۷: ۲۴۔ ۳۵) سے ظاہر ہے کہ رسول اور مسیحی کلیسیا سب کے سب یہود کی گردنوں پر سیدنا مسیح کے مصلوب کروانے کی ذمہ داری ڈالتے تھے۔ (استثنا ۲۱: ۶؛ زبور ۲۶: ۶؛ ۷۳: ۱۳)۔ اگر اس انجیل کی تصنیف کے وقت ہیکل برباد ہو گئی ہوتی تو اس کتاب میں یہود کی قوم کی ذمہ داری کے نتیجہ اور الٰہی مواخذہ اور سزا اور عذاب کا ضرور ذکر کیا جاتا۔ ایک اور امر قابل ذکر ہے کہ اس انجیل میں آنخداوند کی آمدِ ثانی کو یروشلیم کی تباہی سے وابستہ کیا گیا ہے (متی ۱۴: ۳، ۳۴؛ ۱۶: ۲۸)۔ اگر یہ انجیل یروشلیم کی تباہی سے پہلے نہ لکھی گئی ہوتی تو اس واقعہ کے بعد اس انجیل کا پایہ اعتبار وہ نہ رہتا جو پہلی صدی کے اواخر میں اس کو حاصل تھا۔

حق تو یہ ہے کہ جس طرح ہم اس باب کی پہلی فصل میں بتلا چکے ہیں اس انجیل کی تاریخ تصنیف کا تعلق یروشلیم کی کونسل (۴۹ء) کے ساتھ ہے۔ یروشلیم کی بربادی واقعہ اس انجیل کی تصنیف کے ربع صدی بعد کا ہے۔ پس یہ انجیل اس زمانہ میں لکھی گئی جب کہ اہلِ یہود بحیثیت ایک قوم کے ارضِ مقدس میں رہتے تھے۔ اور اُن کا تمدن، تہذیب، ثقافت و علم، ادب روایات وغیرہ سب برقرار تھے اور ان کی تباہی اور پراگندگی کا کسی کو سان و گمان بھی نہ تھا بالفاظ دیگر یہ انجیل ۵۰ء کے لگ بھگ احاطِ تحریر میں آچکی تھی[1]۔

ایک اور امر قابل ذکر ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ اس انجیل کا تعلق کلیسیا کی زندگی کے ابتدائی ایام کے ساتھ ہے۔ پہاڑی وعظ میں ان تمام حالات کا عکس پایا جاتا ہے جو آنخداوند کے زمانہ کے حالات تھے اور جو آپ کے گردو پیش کا ماحول تھا۔ اُس وقت ابھی تک فقیہ اپنے حریف (دشمن) فریسی پارٹی کے ممبر نہیں تھے اور دونوں پارٹیوں کی تنظیم الگ الگ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس انجیل میں بار بار "فقیہ اور فریسی" یعنی دونوں پارٹیوں کے نام پائے جاتے ہیں۔ سیدنا مسیح کے بعد کے زمانہ میں دو پارٹیوں کا وجود ختم ہو گیا تھا[2]۔ حق تو یہ ہے کہ انجیل متی کا پایہ اعتبار اس قدر بلند ہے کہ جارج مُور جیسا نامور محقق کہتا ہے کہ "اناجیل اربعہ میں سے متی کی انجیل ایسی ہے جو پہلی صدی کی یہودیت کے حالات کا علم حاصل کرنے کے لئے نہایت معتبر ماخذ ہے[3]۔

---

[1] Archdeacon Allen St.Matthew (International Commentary) and A.T. Cadoux, Sources of the Second Gospel, Exp Times Jan.1936 p. 161

[2] St.Matthew (Century Bible 1922) pp.52-53

[3] George F. Moore, Judaism in the First Centuries of the Christian Era (Quoted by Filson, Origin of the Gospels) p. 186

اہلِ یہود کی تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ ۷۰ء کے بعد سالہا سال تک یروشلیم کی تباہی اور قوم یہود کی پراگندگی کی وجہ سے فقیہوں اور فریسیوں کے طبقہ میں اور یہود نومرید مسیحیوں میں بحث کا امکان ہی ختم ہوگیا تھا۔ جس قسم کی بحث کا انجیل متی میں ذکر ہے وہ دوبارہ دوسری صدی میں تب شروع ہوئی تھی جب اہلِ یہود اپنی قومی زندگی کے صدمہ سے سنبھل چکے تھے۔ لیکن اس زمانہ میں تو یہ انجیل جابجا کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں تھی اور مقبول عام ہوچکی تھی۔ انجیل کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ وہ بحث کی گرما گرمی اور جذبات کی برانگیختگی سے معمور ہے۔ پس اگر ہیکل کی تباہی زمانہ ماضی کی بات ہوتی اور اس انجیل کی تصنیف سے پہلے وقوع میں آگئی ہوتی تو انجیل کا مصنف اس زبردست حربہ کا ضرور استعمال کرتا اور ثابت کرتا کہ قوم یہود کی تباہی کی اصل وجہ یہ ہے کہ قوم نے اپنے مسیح موعود کو رد کردیا تھا اور قوم کو اس کی پاداش میں یہ سزا ملی۔

اس سلسلہ میں اس انجیل کے (متی ۲۷ باب کی ۸ آیت) کے الفاظ "آج کے دن تک" خاص طور پر قابل غور ہیں۔ کیونکہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ جب یہ انجیل لکھی گئی تھی تب قوم یہود ابھی پراگندہ نہیں ہوئی تھی اور نہ ہیکل اور نہ یروشلیم کا شہر مسمار و ویران ہوا تھا۔ یہی بات ۲۸: ۱۵ سے مترشح ہوتی ہے۔

پس انجیل کی اندرونی شہادت یہ ثابت کرتی ہے کہ انجیل کی فضا آنخداوند کی وفات کے چند سال بعد کی ہے، جب مقدس پطرس کلیسیا کے عملاً سربرآوردہ قائد تھے اور جب فقیہہ اور فریسی کلیسیا کے جانی دشمن تھے لیکن یہودی نومرید موسوی شریعت کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔ کیونکہ اُن کا یہ ایمان تھا کہ مسیح موعود نے شریعت کو منسوخ نہیں کیا بلکہ اس کو مکمل کیا ہے۔ یہ فضا دورِ اوّلین کی فضا ہے اور اس انجیل کی قدامت اور پایہ اعتبار کی گواہ ہے۔

پس اس انجیل کی یہ تعلیم کہ خدا کی بادشاہی کا قیام عنقریب ہونے والا ہے ثابت کرتی ہے کہ یہ یروشلیم کی تباہی سے بہت پہلے احاطہِ تحریر میں آچکی تھی۔ اس کی یہ تعلیم کہ شریعت منسوخ نہیں ہوئی اور شریعت کے احکام کا جواز ثابت کرتا ہے کہ یہ انجیل یروشلیم کی کونسل سے کچھ عرصہ پہلے یا کچھ مُدت بعد لکھی گئی تھی۔ اس کا مصنف (اعمال ۱۵: ۱) کے خیالات کا انسان ہے (۵: ۱۷۔ ۲۰: ۱۵: ۲۴؛ ۷: ۶) پس یہ انجیل (۵۰ء) کے لگ بھگ کی تصنیف ہے۔

فصل سوم

انجیلِ متی اور انجیلِ مرقس کا باہمی تعلق اور اُن کی قدامت

ہم حصہ اوّل کے باب دوم کی فصل سوم میں ثابت کرآئے ہیں کہ مقدس متی نے انجیل مرقس کے نہ صرف ترتیب واقعات اور بیانات بلکہ الفاظ تک کو نقل کیا ہے اور اس خوبی سے اپنالیا ہے کہ اس کی انجیل ایک نئی اور تازہ تصنیف (کتاب لکھنا) ہوگئی ہے۔ اُس نے مرقس کے بیانات کو اس طرح از سرِنو ترتیب دیا ہے اور اس ترتیب میں حضرت کلمتہ اللہ کے دیگر کلماتِ طیبات، سوانحِ حیات اور معجزات وغیرہ کو اس طرح پیوست کردیا ہے کہ انجیلی بیان آراستہ اور پیراستہ ہوگیا ہے۔ مرقس کی انجیل میں (۶۶۱) آیات ہیں۔ مقدس متی نے ان میں سے چھ سو (۶۰۰) سے زائد آیات کا استعمال کیا

ہے لیکن دونوں مصنفوں کی طرزِ تحریر ایسی ہے کہ گو مقدس متی نے ان چھ سو (۶۰۰) آیات کا استعمال کیا ہے پر اُس کی انجیل کی (۱۰۶۸) آیات میں مرقس کی یہ تمام آیات نصف حصہ سے ذرا کم ہیں۔ تاہم انجیلِ اوّل میں مقدس مرقس کی انجیل کے اکیاون (۵۱) فیصد الفاظ موجود ہیں[1]۔

ان امور سے ثابت ہے کہ مقدس متی کی انجیل، مقدس مرقس کی انجیل کے بعد لکھی گئی تھی۔ ہم نے گذشتہ باب میں ثابت کر دیا ہے کہ مقدس مرقس کی انجیل (۴۰ء) میں احاطہ تحریر میں آگئی تھی۔ چونکہ انجیل کے لکھے جانے اور اس کے مختلف شہروں کی کلیسیاؤں میں رواج پاکر مقبول ہونے میں وقفہ درکار ہے اور اگر ہم اس عرصہ کے لئے دس (۱۰) سال کی طویل مُدت قرار دے دیں تو ہم اسی نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں جس پر ہم اندرونی شہادات اور دیگر وجوہ کے باعث پہنچے ہیں کہ یہ انجیل (۵۰ء) کے لگ بھگ لکھی گئی تھی۔

جو اصحاب انجیل اوّل کے لئے ۷۰ء کے واقعہ ہائلہ کے بعد کا زمانہ تجویز کرتے ہیں وہ نہ تو اُس کے زمانہ تصنیف پر متفق ہیں اور نہ اُس کی جائے تصنیف پر اتفاق کرتے ہیں۔ وہ یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ "انجیل اوّل مرقس کے بعد لکھی گئی تھی" لیکن اس کے آگے وہ کسی بات پر اتفاق نہیں کرتے۔ بعض کہتے ہیں کہ "شائد وہ لوقا کے بعد لکھی گئی تھی۔ بلکہ ممکن ہے کہ انجیل یوحنا کے بعد لکھی گئی ہو۔ وہ یہ نہیں بتلا سکتے کہ وہ کب لکھی گئی اور نہ وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ کہاں لکھی گئی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ روم میں لکھی گئی تھی۔ بعض ایشیائے کوچک کا نام لیتے ہیں بعض شام اور یروشلیم بتلاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ کسی ایسے مرکز میں لکھی گئی تھی جہاں اہلِ یہود ہجرت کر کے چلے گئے ہوئے تھے۔ لیکن یہ سب قیاسات ہی ہیں"[2]۔ چنانچہ ڈاکٹر مانٹی فیوری لکھتا ہے:۔

"بعض کا خیال ہے کہ مقدس متی انجیل لوقا سے واقف تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ لوقا انجیل اوّل سے واقف تھا لیکن اغلب یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی انجیلوں سے ناواقف تھے"[3]۔

لیکن حقیقت وہی ہے جو ہم اُوپر بتلا چکے ہیں کہ یہ انجیل (۵۰ء) کے لگ بھگ لکھی گئی تھی اور یہودی مسیحی کلیسیاؤں میں جو ارضِ مقدس میں ہر چہار طرف تھیں مقبول عام ہوگئی کیونکہ اس کے واقعات کا تعلق اُن سوالات اور مسائل کے ساتھ تھا جو کنعان کی کلیسیا کے سامنے تھے[4]۔

فصل چہارم

مخالف علماء کے دلائل کی تنقید

متعدد علماء کا یہ خیال ہے کہ انجیل متی پہلی صدی کے پہلے نصف کے لگ بھگ نہیں لکھی گئی تھی بلکہ اس کی تصنیف کے لئے پہلی صدی کا آخر تجویز کرتے ہیں اور اس کے لئے مختلف دلائل پیش کرتے ہیں۔ ہم اس فصل میں ان دلائل کا موازنہ اور تنقید کر کے ان کی خامیاں ناظرین پر ظاہر کریں گے۔

[1] Oxford Studies in the Synoptic Problem pp. 85 ff.
[2] H.L. Jackson, The Present State of the Synoptic Problem in Camb Biblical Essays p. 424
[3] G.C. Montefiore, The Synoptic Gospel Vol1.pXCI.
[4] Burkitt, The Gospel History and its Transmission p. 191.

(۱)

ان سر کردہ علماء میں پروفیسر پیک کا نام ان کے علم وفضل کی وجہ سے خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ موصوف کہتے ہیں کہ انجیل متی سے ظاہر ہے کہ اس میں نجات کا تصور یہ ہے کہ وہ تمام بنی نوع انسان کے لئے ہے۔ پس یہ انجیل ہمہ گیر ہے اوراس کی ہمہ گیری ثابت کرتی ہے کہ یہ انجیل پہلی صدی کے آخر میں لکھی گئی تھی [1]۔ علماء کا یہ گروہ اس انجیل کی جامعیت کو ثابت کرنے کے لئے چند مقامات پیش کرتا ہے۔ ہم ان مقامات کی یکے بعد دیگرے جانچ پڑتال کرتے ہیں۔

اوّل۔ یہ علماء کہتے ہیں کہ اس انجیل میں سیدنا مسیح کے حسبِ ذیل کلمات درج ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ سیدنا مسیح کی نجات کی خوشخبری یہود اور غیر یہود دونوں کے لئے ہے:۔

(۱۔)" میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ بہتیرے پورب اور پچھم سے آکر ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کے ساتھ آسمان کی بادشاہی کی ضیافت میں شریک ہوں گے مگر بادشاہی کے بیٹے باہر اندھیرے میں ڈالے جائیں گے "(متی ۸: ۱۱۔ ۱۲)۔

(۲۔)"خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اوراس قوم کو جواس کے پھل لائے دے دی جائے گی"(متی ۲۱: ۴۳)۔

(۳۔)" بادشاہی کی اس خوشخبری کی منادی تمام دنیا میں ہوگی تاکہ سب قوموں کے لئے گواہی ہوتب خاتمہ ہوگا"(متی ۲۴: ۱۴)۔

(۴۔)"سب قوموں کو شاگرد بناؤ"(متی ۲۸: ۱۹)۔

ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ یہ انجیل یہودی خیالات، تصورات اور جذبات سے بھری پڑی ہے اوراس کا دائرہ یہودیت سے باہر نہیں جاتا۔ اس انجیل میں غیر یہود کی نسبت جو رویہ اختیار کیا گیا ہے وہ (متی ۱۰: ۵۔ ۶) کے احکام اور (متی ۱۵: ۲۴۔ ۲۶) سے ظاہر ہے۔ پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا مقامات کا کیا مطلب ہے؟

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کوئی پکا اور راسخ الاعتقاد (مضبوط ایمان کا) فریسی غیر یہود کو یہودیت کے حقوق سے باز نہیں رکھتا تھا، کیونکہ عہدِ عتیق کی کتُب میں بار بار ایسے متعدد مقامات آئے ہیں جن کے مطابق غیر یہود اقوام یہودیت کے تمام حقوق سے بہرہ ور (فائدہ اُٹھانے والا) ہوں گی۔ علیٰ ہذالقیاس ہر یہودی مسیحی خواہ وہ مقدس پولُس کے طریق عمل کا کیسا ہی مخالف کیوں نہ ہو مسیح موعود کے احکام اور فرمان کو بلاچون چرا تسلیم کرتا تھا۔ پس مذکورہ بالا آیات کے الفاظ کو یہ یہودی مسیحی تسلیم کرتے تھے۔ ان کے نزدیک غیر یہود سے مراد "خداپرست نومرید" (اعمال ۱۳: ۴۳) تھے جن کو مرید بنانے کے لئے فقیہہ اور فریسی "تری اور خشکی کا دورہ" کرتے تھے (متی ۲۳: ۱۵)۔ اور جو "ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کے ساتھ آسمان کی بادشاہی میں ضیافت میں شریک ہوں گے "(متی ۸: ۱۱)۔ بالفاظ دیگر وہ یہودیت کے تمام حقوق میں برابر کے شریک ہوں گے۔ پس یہودی جو کلیسیا میں شامل ہو کر منجی جہان پر ایمان لے آئے تھے، وہ یہ تسلیم کرتے تھے کہ غیر یہود کلیسیا میں شامل ہو سکتے ہیں لیکن اس شرط پر کہ وہ شریعت کو مانیں (اعمال ۱۵: ۱، ۵ وغیرہ)۔ مسیحِ موعود کے حقیقی پیرو جو حقیقی اسرائیل ہیں باقی یہودیوں سے اور بالخصوص فقیہوں اور فریسیوں سے جُدا ہیں اوران کے امتیازی نشان یہ

[1] Peake, Critical Introd. To N.T. p.123

ہیں کہ (۱) وہ یسوع ناصری پر جو مسیح موعود ہے ایمان رکھتے ہیں۔ (۲) اُن کو موسوی شریعت کا علم اور اصل مفہوم حاصل ہے۔ پس وہ اس شریعت سے بہتر واقفیت رکھتے ہیں۔ (۳۔) وہ خدا کی بادشاہی پر جو عنقریب قائم ہونے والی ہے یقین رکھتے ہیں۔ پس یہ ایمان دار اصلی اور حقیقی اسرائیل ہیں خواہ فریسی اُن کو بدعتی (اعمال ۲۴: ۵) قرار دیں اور دیگر یہود اُن کو خارج کردیں۔ لیکن دراصل اُن کے خارج کرنے والے " بادشاہت کے بیٹے ہیں جو باہر اندھیرے میں ڈالے جائیں گے " (متی ۸: ۱۲)۔ مسیح موعود پر ایمان رکھنے والے ہی درحقیقت " بادشاہی کے بیٹے ہیں " (متی ۱۳: ۳۸)۔ پس (متی ۲۱: ۴۳) آیت میں " قوم " سے انجیل نویس کی مراد غیر یہود اقوام سے نہیں بلکہ حقیقی اسرائیل سے ہے ورنہ یہاں فعل صیغہ واحد میں وارد نہ ہوتا۔ یہاں یہودی نسل اور غیر یہودی نسلوں کا سوال نہیں بلکہ روحانی حقوق کا سوال ہے۔ انجیل نویس کے خیال میں لفظ " قوم " سے مراد مسیح موعود کے وہ تمام پیرو ہیں جو شریعت کو مانتے ہیں اور خدا کی بادشاہی کے منتظر ہیں۔

ان آیات کا اصلی مفہوم جاننے کے لئے ہمیں یہ سوال پوچھنا چاہیے کہ انجیل نویس کی ان سے کیا مراد تھی نہ اس بیسیویں (۲۰) صدی میں ہم ان سے کیا مطلب لیتے ہیں اور ان کی کس طرح تاویل کرتے ہیں۔ پس سوال یہ ہے کہ مقدس (متی ۲۴: ۱۴ اور ۲۸: ۱۹) سے کیا مطلب تھا؟ (مرقس ۱۳: ۹۔ ۱۰) سے جو (متی ۲۴: ۱۴) میں نقل کی گئی ہے (ظاہر ہے کہ " گواہی " کو اسی پشت میں ختم ہونا تھا (متی ۱۶: ۲۸؛ ۲۴: ۳۴) اس سے ظاہر ہے کہ انجیل نویس کا مطلب یہاں پراگندہ یہودی قبائل سے ہے اور خوشخبری کی منادی " یہ تھی کہ مسیح موعود آسمان کے بادلوں پر آکر بادشاہی قائم کرے گا جس میں اس کے تمام پیرو داخل ہوں گے " جو بادشاہی کے بیٹے " ہوں گے۔

لفظ " دنیا " سے مراد یہاں روئے زمین نہیں ہے۔ بلکہ (یوحنا ۱۷: ۶؛ ۱۸: ۲۰؛ ۲۱: ۲۵؛ اعمال ۱۷: ۶؛ ۱۹: ۲۷؛ ۲۴: ۵؛ ۱۱: ۲۸) وغیرہ سے ظاہر ہے کہ یہ یہودی محاورہ تھا جس سے مراد دُنیا کے تمام ممالک نہ تھے بلکہ ارضِ مقدس کا ملک ہی تھا، کیونکہ یہی ان کا موضوع خیال تھا۔ اسی طرح الفاظ " سب قوموں " (متی ۲۸: ۱۹) کی ہمیں موجودہ جغرافیائی خیالات کے مطابق تاویل نہیں کرنی چاہیے، بلکہ انجیل نویس کے موضوع خیال کو مدِ نظر رکھنا واجب ہے۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ فریسی اپنا فرض سمجھتے تھے کہ تمام لوگوں کو شاگرد بنائیں اور یہودی مسیحی بھی اس کو اپنا فرض گردانتے تھے لیکن اس پر بھی وہ مقدس پولُس اور اُن کے ہم خیالوں کے مخالف تھے (اعمال ۲۱: ۲۰۔ ۲۲؛ گلتیوں ۲: ۱۲ وغیرہ)۔ یہی وجہ ہے کہ گو اس انجیل میں یہ حکم موجود ہے کہ " تم جاکر سب قوموں کو شاگرد بناؤ " (متی ۲۸: ۱۹) تاہم تمام انجیل میں بُت پرست اقوام اور غیر یہود کلیسیاؤں کی ضروریات اور خصوصی دشواریوں اور مسائل کا ذکر چھوڑ اُن کی طرف اشارہ تک موجود نہیں۔

دوم۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس انجیل میں بالعموم اور (متی ۲۳ باب) میں بالخصوص فقیہوں اور فریسیوں پر آنخداوند کے حملے درج ہیں جن سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل نویس یہودیت کا دشمن تھا۔ پس یہ انجیل ہیکل کی تباہی کے بعد لکھی گئی تھی۔ لیکن اناجیل اربعہ سے واضح ہے کہ سیدنا مسیح کی حینِ حیات میں اور اہلِ یہود کے مختلف طبقوں میں چپقلش اور آویزش ہوتی رہی حتیٰ کہ وہ آپ کے جانی دشمن ہوگئے اور اُنہوں نے آپ کو مصلوب کرواکے ہی دم لیا۔ اعمال کی کتاب کا مطالعہ بھی یہ ظاہر کردیتا ہے کہ کٹر یہودی سیدنا مسیح کی کلیسیا کے سخت مخالف رہے اور اُنہوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ " اس طریق " کو جس کو وہ " بدعت " کہتے تھے (اعمال ۲۴: ۱۴) مٹادیں۔ اور اس کے پیروؤں کو ایذائیں دیں، تتر بتر کردیں اور قتل کردیں۔ اندریں حالات (ان حالات میں) جب ہم انجیل مرقس اور انجیل متی کا مقابلہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ جب انجیل مرقس لکھی گئی اہلِ یہود کی آتشِ عداوت برابر جاری تھی لیکن اس کے چند برس بعد یہ آگ بھڑکتی چلی گئی اور ارضِ مقدس میں پھیلتی گئی۔ ان حالات میں انجیل اوّل لکھی گئی۔ اس وقت

یہودی فریسیوں اور فقیہوں اور یہودی نو مریدوں میں مخاصمت (دشمنی) زیادہ بڑھ گئی تھی۔اس کا مصنف اس یہودی مسیحی جماعت سے تعلق رکھتا ہے جو یسوع ناصری کو مسیح موعود مانتی ہے۔اس کا ایمان ہے کہ وہ اپنی مسیحائی بادشاہی کو قائم کرنے کے لئے آنے والا ہے۔پس مومنین کا فرض ہے کہ وہ اس مسیحِ موعود کی منادی کریں تاکہ ایمان داروں کی جماعت روز افزوں ترقی کرتی جائے اور زیادہ سے زیادہ لوگ مسیح موعود کہ حلقہ بگوش (مطیع، غلام) ہو جائیں۔ان کے مخالف فقیہہ اور فریسی جو آنخداوند کی پیدائش اور زندگی پر حرف گیری کرکے کہتے ہیں کہ یسوع ناصری موسوی شریعت کا منکر تھا اور کفر بکتا تھا، وہ ہرزہ سرائی (بیہودہ گوئی) کرتے ہیں۔انجیل کا نفسِ مضمون ثابت کرتا ہے کہ (متی ۲۳ باب) کے حملے جوابی حملے ہیں اور یہ امر ثابت کرتا ہے کہ اس انجیل میں وہی فضا ہے، جو رسولوں کے اعمال کی کتاب میں پائی جاتی ہے اور یہ بات اس انجیل کی قدامت کی دلیل ہے۔اس کا مصنف اور اس کے پڑھنے والے ابھی کلی طور پر "شریعت سے آزاد" نہیں ہوئے۔ان کا نقطہ نظر حضرت کلمتہ اللہ کے اوّلین شاگردوں ہی کا ہے جو آپ کو مسیحِ موعود مان کر آپ کو موسوی شرع کی تکمیل کرنے والا، نہ کہ منسوخ کرنے والا تصور کرتے تھے،تاکہ آپ کی تعلیم سے مستفیض (فائدہ اُٹھانا) ہو کر اہلِ یہود موسوی شریعت کے صحیح مفہوم کو لوگوں پر ظاہر کرکے اس کو ایک قدر و منزلت والی کتاب مانیں۔پس یہ انجیل اس نقطۂ نگاہ سے یروشلیم کے پہلے ایام کی آئینہ دار ہے اور لہٰذا پہلی صدی کے پہلے نصف کی ہے۔

(۲)

(۳۔)ڈاکٹر مافٹ کہتا ہے [1] کہ اس انجیل کو پڑھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ انجیل اُس زمانہ میں لکھی گئی تھی جب کلیسیا کی تنظیم بہت بڑھ چکی تھی اور اس کے عقائد اور امُور ایمانیہ نشو و نما پاچکے تھے۔جس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہ انجیل پہلی صدی اواخر میں لکھی گئی تھی۔

لیکن جب ہم اس انجیل کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ "گمان" صرف ایک ظن (وہم، تہمت، بدگمانی) ہے اور بس۔ انجیل میں کسی جگہ بھی کلیسیا کے رہنماؤں اور رہبروں کے لئے کوئی ایسے لفظ استعمال نہیں ہوئے جو انجیلی مجموعہ کی مابعد کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں (۱۔ تیمتھیس ۴: ۱۴؛ ۲۔یوحنا ۱: ۱وغیرہ)۔کلیسیا کے ارکان اور رہبروں کو "نبیوں، داناؤں اور فقیہوں" کے ناموں سے ہی پکارا گیا ہے (متی ۲۳: ۳۴؛ ۱۳: ۵۲ وغیرہ) کیا یہ الٹا ثابت نہیں کرتا کہ یہ انجیل دورِ اوّلین اور ابتدائی ایام کی تصنیف ہے۔اس انجیل میں مقدس پطرس شاگردوں کا نمائندہ اور نیابت (سفارت، نائب ہونا) کرنے والا ہے (متی ۱۶: ۱۶ وغیرہ)۔اور یہ اعمال کی کتاب کے ابتدائی ابواب کی فضا ہے (اعمال ۱: ۱۵؛ ۲: ۱۴؛ ۳: ۱۱ وغیرہ)۔پس کلیسیا کی تنظیم کا تصور جو اس انجیل میں پایا جاتا ہے وہ ابتدائی قسم کا ہے جس کا تعلق ابتدائی منازل کے ساتھ ہے۔

اس انجیل میں لفظ "کلیسیا" دو دفعہ (متی ۱۶: ۱۸؛ ۱۸: ۱۷) میں وارد ہوا ہے۔جس سے بعض علماء کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ اس لفظ سے مراد "کلیسیائے جامع" ہے اور اس کا مفہوم وہی ہے جو بعد کے زمانہ میں اس لفظ سے لیا جاتا تھا۔پس وہ خیال کرتے ہیں کہ اس لفظ "کلیسیا" سے مسیحی جماعت کی وہ منزل مراد ہے جب اس نے دوسری صدی میں ترقی کرکے باقاعدہ طور پر منظم صورت اختیار کرلی تھی۔لیکن تازہ دریافت اس قیاس کو غلط قرار دیتی ہے، کیونکہ قدیم کتبوں میں ایک کتبہ ملا ہے جس کی تاریخ (۱۰۳ء) ہے۔جس سے یہ ظاہر ہے کہ یہ لفظ ہر قسم کی جماعت کے لئے استعمال کیا جاتا تھا خواہ وہ منظم ہو یا غیر منظم۔پس لفظ "کلیسیا" مسیحی جماعت کی اوّلین منزل میں استعمال ہو سکتا تھا۔مقدس متی کی انجیل سے ظاہر ہے کہ کلیسیا کی جامعیت کا تصور ابھی جماعت کے ذہن میں نہ تھا۔شاگردوں کی جماعت کی تنظیم نہایت سادہ تھی۔دوازدہ رسول اس جماعت کے "سردار" تھے۔جس طرح اہلِ

---

[1] W.C.Allen "The Alleged Catholicism of First Gospel, Exp. Times July1910 pp.439 ff.

یہود کے "سردار" تھے(اعمال ۳: ۱۷؛لوقا ۲۳: ۱۳، ۳۵؛ ۲۴: ۲۰؛یوحنا ۷: ۲۶، ۴۸وغیرہ)۔جو آنے والی بادشاہی میں اسرائیل کے بارہ تختوں پر بیٹھیں گے(متی ۱۹: ۲۸)۔باقی لیڈروں کے لئے عہدِ عتیق کی اصطلاحات "نبی"، "دانا" یافقیہ "استعمال کی کی جاتی تھیں(متی ۲۳: ۳۴؛ ۱۳: ۵۲: ۱۰؛ ۴۱: متی ۱۸: ۱۷)میں لفظ کلیسیا سے مقامی جماعت مراد ہے اور(متی ۱۹: ۱۸)میں مسیح موعود کے تمام شاگردوں کی جماعت مراد ہے جس میں تمام شاگرد آپس میں بھائی بھائی ہیں، جن کا ایک باپ خدا ہے اور ایک آقا اور استاد مسیح ہے(متی ۲۳: ۸۔۱۰)۔پس وہ ایک کلیسیا ہیں جن کو بوقت ضرورت ممانعت اور اجازت کا اختیار ہے(متی ۱۸: ۱۷۔۱۸)۔اس منزل کے آگے اس انجیل میں کلیسیا کا تصور نہیں جاتا۔

پس متی کی انجیل میں کوئی ایسا مقام نہیں ملتا جو ہم کو ابتدائی کلیسیا کی اُس منزل سے آگے لے جائے جس کا ذکر اعمال کے پہلے پندرہ(۱۵) باب میں پایا جاتا ہے۔اس وقت تک کلیسیا، کا نقطہ نظر وہی تھا جو انبیائے یہود کا تھا کہ یہودیت اقوامِ عالم کو اپنی جانب کھینچے گی۔ان کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہ آئی تھی کہ ایک دن ایسا آئے گا جب یہ "بدعت" اور "طریق" ایک نیا مذہب بن کر یہودیت کی جگہ غصب کرلے گا۔ابھی تک یہودی مسیحی کلیسیا نے آنخداوند کے اقوالِ مبارکہ کی تہ کو نہ پایا تھا اور اس منزل مقصود کا نظارہ نہ دیکھا تھا جو آنخداوند کا اصلی منشاء تھا کہ اسرائیل اور غیر یہود، کل اقوامِ عالم آپ کی نجات سے بہرہ اندوز ہوں گی۔

پس اس انجیل کے مطابق کلیسیا کے شرکا صرف یہود ہوں گے یا "خداپرست نومُرید"۔کیا یہ حالات پہلی صدی کے اواخر کے ہیں، جب قوم یہود تباہ اور پراگندہ ہوچکی تھی اور بُت پرست مشرک غیر یہود لاکھوں کی تعداد میں منجی جہان پر ایمان لاچکے تھے اور موسوی شریعت کی قیود سے آزاد ہوچکے تھے۔اس انجیل کی اندرونی شہادت تو صاف ظاہر کرتی ہے کہ یہ انجیل ان حالات میں لکھی گئی تھی جو یروشلیم کی کانفرنس(اعمال ۱۵باب) اور مقدس پولُس کے یروشلیم میں آنے کے درمیانی عرصہ کے ہیں(اعمال ۲۱باب)یعنی(۴۸ءاور ۵۷ء) کے درمیانی حالات کی فضا میں یہ انجیل تصنیف کی گئی تھی۔

(۳)

ڈاکٹر مافٹ کہتا ہے کہ اس انجیل میں مسیحی ایمان کے اُمور اور عقائد کا ذکر ثابت کرتا ہے کہ وہ نشوونما پاچکے تھے۔لیکن جب ہم اس انجیل کا غائر(گہرا) مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر واضح ہوجاتا ہے کہ یہ بھی "گمان" ہی گمان ہے اور حقیقت پر مبنی نہیں۔چنانچہ اس انجیل میں آمدِ ثانی کے متعلق جو باتیں درج ہیں وہ وہی ہیں جو تھسلنیکیوں کے خطوط(۵۰ء)اور اعمال کی کتاب کے پہلے ابواب میں پائی جاتی ہیں۔جب ہم(۱۔تھسلنیکیوں ۵: ۲۔۸)کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ آیات مقدس متی کی انجیل کے خیالات اور الفاظ کی صدائے بازگشت(وہ آواز جو پہاڑ یا گنبد سے ٹکرا کر واپس آتی ہے، نتیجہ، اثر)ہیں(متی ۲۴: ۴۲۔۴۳)۔انجیل اوّل کی تمثیلیں، سب انہی خیالات کی تائید کرتی ہیں(متی ۲۴: ۲۷تا۲۵: ۳۰)۔فرق صرف یہ ہے کہ مقدس پولُس "ابنِ آدم کے دن" کی بجائے "خداوند کا دن" لکھتا ہے۔اس حوالہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ مقدس پولُس اس انجیل سے واقف تھے۔پس یہ نکتہ اس کی بجائے کہ یہ ثابت کرے کہ انجیل متی پہلی صدی کے اواخر میں لکھی گئی تھی،الٹا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ابتدائی ایام کی تصنیف ہے۔

حق تو یہ ہے کہ جیسا ہار نیک کہتا ہے[1] یہ ماننا زیادہ آسان ہے کہ یہ انجیل (۷۰ء) سے پہلے لکھی گئی تھی کیونکہ اس واقعہ کے دس (۱۰) سال بعد یہ تسلیم کرنا آسان نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آیت (متی ۲۸ : ۲۰) کے مطابق ابھی یہ نسل تمام نہ ہو گی کہ تمام تبدیلیاں واقع ہو جائیں گی۔

علاوہ ازیں اس انجیل میں آنخداوند کی ذات کا عقیدہ اپنی ابتدائی منازل میں ہی ہے۔ یسوع ناصری مسیح موعود ہے جو خدا کا محبوب ہے (متی ۳: ۱۷)۔ وہ "ابن آدم" ہے جو دانی ایل نبی کے قول کے مطابق آسمان کے بادلوں پر آئے گا اور آسمان کی بادشاہی قائم کرے گا۔ اس منزل سے یہ انجیل ایک قدم بھی آگے نہیں جاتی۔ جائے تعجب ہے کہ موجودہ زمانہ کے مصنف اس طرح لکھتے ہیں کہ گویا انجیل اوّل کا مصنف کوئی کٹر خالی قسیس (دینِ میسیحیت کا عالم) تھا[2]۔ جس کی کتاب بتلاتی ہے کہ سیدنا مسیح نے ان تمام عقائد پر مہر ثبت کر دی ہے جو آپ کی صلیبی موت کے دو تین پشتوں کے بعد کلیسیا میں مروج تھے۔

(۴)

ایک اور امر قابلِ غور ہے۔ اگر یہ انجیل پہلی صدی کے اواخر میں لکھی جاتی تو مغرب کی کلیسیائیں جن کی اکثریت غیر یہود مشرکین سے سیدنا مسیح کے قدموں میں آئی تھی، اس قسم کی انجیل کو قبول نہ کرتیں جس کا مدعا ہی یہ تھا کہ وہ ثابت کرے کہ آنخداوند صرف یہود کے ہی مسیحِ موعود ہیں اور جس کا ہر صفحہ یہودیت کی اصطلاحات سے بھرا پڑا ہے۔ (۷۰ء) کے بعد کے زمانہ کے ساتھ اس انجیل کے مضامین کا تعلق کہیں نظر نہیں آتا۔ اس واقعہ ہائلہ کے بعد کس غیر یہود نو مرید کو یہ جاننے کی ضرورت تھی کہ یسوع ناصری فقط اہلِ یہود کا مسیحِ موعود ہے؟ غیر یہودی کلیسیائیں تو اس سے مدتوں پہلے اس بات کی قائل ہو چکی تھیں کہ آنخداوند نہ صرف اہلِ یہود کے مسیح موعود ہیں بلکہ تمام دُنیا کی اقوام کے نجات دینے والے ہیں۔ اگر یہ انجیل کلیسیا کے ابتدائی ایام میں نہ لکھی جاتی تو وہ غیر یہودی کلیسیاؤں میں کبھی رواج نہ پاتی۔ لیکن (۷۰ء) سے پہلے یہ انجیل بکثرت نقل ہو کر ارضِ مقدس کے اندر اور باہر مقبولِ عام ہو کر خصوصیت کے ساتھ "الانجیل" کہلاتی تھی۔ چنانچہ دوسری صدی کے آغاز میں بعض آبائے کلیسیا بھی اس کو یہی نام دیتے ہیں[3]۔ لہٰذا یہ انجیل اپنی قدامت اور پایہ اعتبار کی وجہ سے ہر جگہ مقبول تھی۔

ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہو گا کہ جو علماء یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ انجیل پہلی صدی کے آخر میں لکھی گئی تھی اُن کے دلائل در حقیقت زور نہیں رکھتے۔ ان علماء کے برعکس ہمارے خیال میں اُن علماء کے دلائل نہایت وزن دار ہیں جو کہتے ہیں کہ انجیل پہلی صدی کے پہلے نصف کے اختتام کے وقت یعنی (۵۰ء) کے قریب لکھی گئی۔ بالفاظِ دیگر یہ انجیل واقعہ صلیب کے سترہ (۱۷) برس کے اندر اندر احاطہِ تحریر میں آگئی تھی۔

اس حصہ کی بحث کا ماحصل یہ ہے کہ اناجیلِ متفقہ یروشلیم کی تباہی سے مُدتوں پہلے لکھی گئی تھیں جب کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آیا تھا کہ اہلِ یہود کا مقدس شہر تباہ و ویران ہو جائے گا، قدس الاقداس نذرِ آتش ہو جائے گا قومِ یہود خستہ اور پراگندہ ہو جائے گی اور یہود کی قومی روایات، ملی رسوم و رواج اور شرعی پابندیاں سب کی سب یکسر ختم ہو جائیں گی۔ قدیم ترین انجیل کو مقدس مرقس نے سیدنا مسیح کی صلیبی موت کے سات (۷) برس کے

---

[1] Allen, “Recent Criticism of Synoptic Gospels.” Exp Times July 1909 pp. 445 ff.
[2] B.W.Bacon, The Story of Jesus (1928) p.33

اندر لکھا۔ مقدس متی نے اپنی انجیل کو اس جانکاہ واقعہ کے (۱۷) برس کے اندر لکھا اور مقدس لوقا نے اپنی انجیل کو منجی عالمین کی وفات کے پچیس (۲۵) سال کے بعد لکھا۔ ان اناجیل کی اور ان کے ماخذوں کی قدامت ان کی اصلیت پر گواہ ہے۔

نور الہدیٰ